58922

جملہ حقوق محفوظ

طبع اول ـــــــ ۱۹۷۳ء
طبع دوم ـــــــ ۱۹۷۵ء
طبع سوم ـــــــ ۱۹۸۳ء
طابع ـــــــ ملک مقبول احمد
مطبع ـــــــ شاہ اینڈ سنز پروسس پرنٹرز۔ لاہور
قیمت ـــــــ ۸۱/- روپے

مقبول اکیڈمی۔ لاہور

Marfat.com

263

مسلمان یورپ میں

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ ○

ن۔ قسم ہے قلم کی اور اس چیز کی جسے لکھنے والے لکھ رہے ہیں

Marfat.com

Marfat.com

113/

نقشِ ثانی

"مسلمان یورپ میں" پہلی مرتبہ ۱۹۵۴ء میں قومی کتب خانہ کے اہتمام سے چھپ کر کئی ایک اصحابِ علم تک پہنچی۔ وہ متعدد نجی اور تعلیمی اداروں کی لائبریریوں کی زینت بھی بنی۔ کتنے حضرات تھے جنہوں نے اسے پڑھا، اس سے استفادہ کیا اور اس پر تنقیدی نگاہ ڈالی — مجھے معلوم نہیں۔ لیکن یہ بات بدیہی ہے کہ ہماری نوجوان نسل ان کتابوں سے بیگانہ ہوتی جارہی ہے جن کے صفحات پر ہماری تلاش و تحقیق کے نتائج ہمارے علوم و معارف کی کہانی اور ہمارے عروج و ارتفاع کی داستان رقم ہے۔ عام طور پر ایسے ناولوں کو پسند کیا جانے لگا ہے جنہیں ہم (BEST SELLERS) کہہ کر پکارتے ہیں۔ ان کا موضوع یا تو نفسیاتی تحلیل ہے یا جنسیات یا پھر سراغ رسانی اور جاسوسی کے وہ واقعات جو نوجوان ذہن کو انجانی راہوں پر ڈالنے کے ذمہ دار ہیں۔ اپنے تہذیبی سرمائے سے بیگانگی جہاں مغرب سے مرعوبیت کی علامت ہے وہاں ذلت و رسوائی کا سبب بھی بنی ہے ؎

اے موجِ بلا ان کو بھی ذرا دو چار تھپیڑے ہلکے سے
کچھ لوگ ابھی تک ساحل سے طوفاں کا نظارہ کرتے ہیں

Marfat.com

خیال تھا کہ کتاب کا دوسرا ایڈیشن ضروری اضافوں کے ساتھ جلد ہی شائع کیا جائے گا لیکن

ع مرے شوق کی بلندی میری ہمتوں کی پستی

ناشر کی ناراضی، وقت کے عدمِ التفات اور دفتری مصروفیات کے سبب ایسا ممکن نہ ہو سکا۔ ۱۹۵۶ء میں مجھے "ترقیٔ دیہات" کے پروگرام میں "بنیادی تعلیم" کے شعبے کا انچارج مقرر کیا گیا جسے حکومتِ پاکستان نے یونیسکو کے اشتراک سے لالہ موسیٰ میں قائم کیا تھا۔ وہاں پر قیام کے دوران مجھے محکمہ تعلیم کے گھسے پٹے اصولوں اور ٹکے بندھے معمولات سے ہٹ کر نئے تدریسی طریقوں کو اپنانے اور نوخواندہ بالغوں کے لیے مفید اتباعی ادب کی تخلیق کرنے کا موقع ملا۔ یہ کام جتنا دلچسپ تھا اتنا ہی کٹھن تھا۔ ۱۹۶۱ء میں جب سابق صدر محمد ایوب خاں نے اپنی آمریت کو سہارا دینے کے لیے بنیادی جمہوریتوں کو انتخابی ادارے میں تبدیل کر دیا تو ترقیٔ دیہات کا پروگرام جس سے لوگوں میں "اپنی مدد آپ" کے لیے ذہنی تحریک پیدا ہوئی تھی ختم کر دیا گیا۔ اور مجھے محکمہ تعلیم میں واپس لوٹنا پڑا۔

زیرِ نظر موضوع کی تکمیل کے لیے میں نے جن کتابوں سے استفادہ کیا ان میں نفح الطّیب (عربی) مؤلفہ المقّری، تاریخِ غزوات العرب (عربی) مصنفہ امیر شکیب ارسلان، عبرت نامۂ اندلس (اردو) مصنفہ ڈوزی۔ عرب اسپین میں (انگریزی) مصنفہ کانڈے، عربی تہذیب تا ۱۵۰۰ عیسوی (انگریزی) مصنفہ ڈنلوپ، معرکۂ مذہب و سائنس (انگریزی) مصنفہ ڈریپر، اخبار الاندلس (اردو) مصنفہ اسکاٹ، مسلمانانِ اندلس (اردو) مصنفہ

Marfat.com

لین پول، تاریخِ صقلیہ مصنفہ ریاست علی ندوی اور خلافتِ اندلس مصنفہ نواب ذوالقدر جنگ بہادر قابلِ ذکر ہیں۔

نقشِ ثانی کو تیار کرتے وقت واقعات کی صحت، بیان کی سلاست اور تاریخی تسلسل کا خیال رکھا گیا ہے اور اس امر کی کوشش کی گئی ہے کہ سرزمینِ یورپ اور سسلی پر مسلمانوں کی حکایتِ رزم و بزم کو اس طرح بیان کیا جائے کہ فاضل قارئین اس عظیم قوم کی ذہنی کاوشوں اور علمی سرگرمیوں کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھ سکیں جن کی بدولت یورپ کو پروہتی نظام کے چنگل سے نجات ملی اور ذرہ ذرہ خلشِ آرزو اور حریتِ افکار سے مالا مال ہوا۔ یہ کتاب ایسے خیال انگیز ابواب پر مشتمل ہے جن سے بخوبی پتہ چل جائے گا کہ سائنسی علوم اپنے وجود کے لیے کس حد تک اسلام کے مرہونِ منت ہیں۔

میں اُن دوستوں کا ممنونِ احسان ہوں جنہوں نے مواد کے فراہم کرنے اور اُسے ترتیب دینے میں میری قدم قدم پہ راہنمائی فرمائی۔

سمن آباد، لاہور
۱۰ جنوری ۱۹۶۳ء

ہیچمداں
محمد احسان الحق سلیمانی

Marfat.com

Marfat.com

فہرست

باب ۱ ———————— ۱۶ - ۲۰

اسپین کی قدیم اقوام اور ان کا عروج و زوال۔ گاتھ قوم کا داخلہ، ایک نئے تمدن کی بنیاد۔ اندلس کی وجہ تسمیہ اور حدود اربعہ۔

باب ۲ ———————— ۲۲ - ۳۶

اندلس کی فتح کے لیے مسلمانوں کی ابتدائی کوششیں۔ مسلمانوں کے حملے کے وقت اندلس کی تمدنی حالت۔ اندلس کی فتح کے محرکات۔ کونٹ جولین کی راڈرک سے بیزاری اور موسیٰ بن نُصَیر سے ملاقات۔

باب ۳ ———————— ۳۸ - ۵۳

طارق بن زیاد کی لشکر کشی اور کشتیوں کا جلانا۔ لاجندہ کی جھیل کے قریب طارق اور راڈرک کے درمیان فیصلہ کن جنگ۔ طارق بن زیاد کی پیش قدمی۔ کونٹ جولین کا مشورہ۔ مسلمانوں کا مفتوحین سے حسنِ سلوک۔ مغیث رومی کے حملے۔

باب ۴ ———————— ۵۶ - ۷۱

موسیٰ بن نُصَیر کا اندلس میں داخلہ اور طارق سے ملاقات دونوں کا جنگی پلان پر اتفاق اشبیلیہ کی دوبارہ فتح۔ ماردہ کی فتح کے لیے مسلمانوں کی مشکلات۔ جنوبی فرانس کی فتح۔ موسیٰ کی دارالقریٰ میں وفات۔ مسلمانوں کا مفتوحین کے ساتھ ایفاءِ عہد۔

باب ۵ ———————— ۷۴ - ۷۷

عبدالعزیز بن موسیٰ کا ملکی نظم و نسق لوگوں کی بدگمانیاں اور عبدالعزیز کا قتل۔ موسیٰ بن نُصَیر کے خاندان کا خاتمہ۔

باب ۶ ———————— ۸۰ - ۱۰۵

ایوب بن حبیب لخمی کی امارت اور معزولی۔ حر بن عبدالرحمٰن ثقفی کی جانشینی۔ سمح بن مالک خولانی کی زرعی اصلاحات اور تعمیراتی پروگرام۔ عبدالرحمٰن غافقی کا دوبارہ تقرر، اصلاحات اور دورِ امن کی ابتدا۔ عربوں کے درمیان عصبیتوں کا جاگ اُٹھنا۔

Marfat.com

یوسف کا عہدِ امارت ۔ حالات کی ناسازگاری اور عبدالرحمٰن الداخل کی آمد ۔

باب ۷ ________________ ۱۰۸ - ۲۴

عبدالرحمٰن الداخل کا اپنے وطن سے فرار اور اندلس میں داخلہ ۔ یوسف اور صمیل کے خاتمے پر نئی حکومت کی داغ بیل ۔ اندرونی شورشوں اور بیرونی بغاوتوں کو کچلنا ۔ الداخل کی اصلاحات، تعمیرات اور ذوقِ شعری ۔ الداخل کی سیرت ۔

باب ۸ ________________ ۱۲۶ - ۳۱

ہشام بن عبدالرحمٰن الداخل کی ابتدائی مشکلات ۔ ہشام کے بھائیوں کی طوطا چشمی اور اغیار کی سازشیں ۔ ڈیوک آف لوڈوس کی شکست ۔ مسلمان قیدیوں کی عیسائی حکمرانوں کے چنگل سے نجات ۔ امیر کی پاکیزہ سیرت اور عربی ثقافت کا پروان چڑھنا ۔ فقہ مالکی کا فروغ اور آخری وصیت ۔

باب ۹ ________________ ۱۳۴ - ۷۵

ابوالعاص حکم بن ہشام کا دور ۔ حکم کی بے راہ روی ۔ محافلِ طرب و نشاط کا انعقاد ۔ شاہد و شراب سے رغبت ۔ داخلی شورشیں اور بیرونی بغاوتیں ۔ وادی الحجارہ کا واقعہ ۔ قرطبہ کی بغاوت ربض کی گلیوں میں خون کی ارزانی ۔ حکم کے آخری سال ۔

باب ۱۰ ________________ ۱۴۸ - ۴

عبدالرحمٰن کی ابتدائی دشواریاں اور عبداللہ کی بغاوت ۔ یمانی اور مضری قبائل کی باہمی آویزش گاتھک مارچ کی عیسائی حکومت کی ناکامی ۔ ماردہ، طلیطلہ، برشلونہ اور جلیقیہ کی سازشوں کو فرو کرنا ۔ علوم و فنون کی ترویج اور عیسائی مذہبی دیوانوں کی بیہودگیاں ۔

باب ۱۱ ________________ ۱۵۶ -

سلطان محمد کے دورِ خلافت میں جلیقیہ کی فتح اور سلیٹ کی وادی میں عیسائیوں کی شکست ۔ جنوبی فرانس پر یورش اور گنجے چارلس کی لاچاری ۔ منذر کے عہد میں عیسائی حکمرانوں کا سر اٹھانا اور ابنِ حفصون کی قلا بازیاں ۔

باب ۱۲ ________________ ۱۶۲ -

عبدالرحمٰن (الناصر لدین اللہ) کا امرائے سلطنت اور ممالکِ محروسہ کے حکمرانوں کو اطاعتِ امیر کا حکم ۔ ترسلوں کی گھاٹی کی لڑائی ۔ عبدالرحمٰن کا امیر المومنین اور الناصر لدین اللہ کا لقب

Marfat.com

اختیار کرنا۔ عیسائی حکمرانوں سے سفارتی تعلقات۔ اس عہد کی مرفہ حالی، تہذیبی اور ثقافتی ترقی پر مسٹر ڈوزی کا تبصرہ۔

باب ۱۳ ______ ۱۷۸ - ۱۸۶

حکم ثانی کے عہد میں عیسائی حکمرانوں کی ریشہ دوانیاں اور خلافت قرطبہ سے روگردانی۔ شانجہ کی شکست اور اردون چہارم کی دربار قرطبہ میں حاضری۔ حکم ثانی کے عہد میں علوم و فنون کی ترقی۔ شاہی لائبریری کی تعمیر اور یورپ میں نشاۃ ثانیہ کا آغاز۔

باب ۱۴ ______ ۱۸۸ - ۲۰۰

ہشام ثانی کی تخت سے معزولی کے لئے فائق اور جوذر کا ناکام منصوبہ۔ ابن ابی عامر کا مغیرہ کو قتل کرنا اور اس کا سیدہ صبح کے ہاں تقرب۔ غالب اور مصحفی کی معزولی اور ابن ابی عامر کا حاجب کے عہدے پر تقرر۔ قلعۃ الحمہ کی فتح اور روطہ کے مقام پر عیسائی متحدہ کمان کی شکست۔ ابن ابی عامر کا "المنصور" اور "المؤید" کا لقب اختیار کرنا۔

باب ۱۵ ______ ۲۰۲ - ۲۱۷

ابن ابی عامر کے بعد قومی صفوں میں انتشار۔ بربروں کا شوق خوں ریزی۔ عمارات اور نزہت گاہوں کی بربادی۔ عبد الملک بن المنصور کے دور وزارت میں عیسائیوں کے خلاف مہمات۔ علی ابن حمود کے عہد میں عدل و انصاف کی کوشش اور نظم و نسق کی بحالی۔ الفانسو کی شطرنج کی بساط پر شہ مات۔ اموی خاندان کے آخری تاجدار ہشام بن محمد کا عہد۔

باب ۱۶ ______ ۲۲۰ - ۲۴۱

اموی خلافت کے زوال پر خودمختار حکومتوں کا قیام۔ الفانسو ششم اور سڈ کی چیرہ دستیاں۔ معتمد اور الفانسو کی باہمی آویزش۔ یوسف بن تاشفین (مرابطین) کو اندلس آنے کی دعوت۔ زلاقہ کی لڑائی اور عیسائیوں کی شکست فاش۔ یوسف کا اندلس میں دوبارہ داخلہ۔ مسلمانوں کی خودمختار سلطنتوں کا خاتمہ۔ سڈ کی شکست اور یوسف کا طلیطلہ کے علاوہ تمام اندلس کو زیر نگیں لانا۔ یوسف بن تاشفین کی وفات کے بعد تاشفین (ابن علی بن یوسف) کی جرأت و بسالت۔ تاشفین کا عبد المومن کے ہاتھوں شکست کھانا۔

باب ۱۷ ______ ۲۴۴ - ۲۶۰

مواحدین کا عروج اور اندلس کی بازیابی۔ ابو عمر اور موسیٰ کی فتوحات۔ عبد المومن کی

Marfat.com

سیرت اور علم و ادب کی ترقی ۔ عبدالمومن کے بعد ابو یعقوب یوسف کی تخت نشینی اور اس کی عسکری کامیابیاں ۔ علم و ادب میں ترقی ۔ یعقوب المنصور باللہ کی اصلاحات، نظم و نسق اور علم و ادب کی اشاعت ۔ محمد بن یعقوب کی تخت نشینی اور حالات کی ناسازگاری ۔ طولوشہ میں اس کی شکست اور مسلمانوں کی جلاوطنی ۔

باب ۱۸ ———————— ۲۶۳ - ۲۶۷

طولوشہ کی جنگ کے بعد مسلمانوں پر جیمز اول اور فرڈی نینڈ کے پے در پے حملے ۔ غرناطہ کے علاوہ تمام اسلامی اندلس پر عیسائیوں کا عمل دخل ۔

باب ۱۹ ———————— ۲۷۰ - ۲۹۸

قرطبہ کے زوال پر غرناطہ کا عروج ۔ بنو احمر کا اقتدار اور علم و ادب کی سرپرستی ۔ الفانسو (ابن فرڈی نینڈ) سے محمد کی ملاقات اور قشتالیہ کے عیسائیوں کی بوکھلاہٹ ۔ سلطان مراکش کو اندلس پر حملہ کی دعوت اور عیسائیوں کی شکست ۔ محمد ثانی کے عہد میں علم و ادب کی ترقی ۔ فن حرب کے نئے اسلوب اور مارکوس کی فتح ۔ مولائے علی حسن کے عہد میں عیسائی طاقتوں کا چیلنج ۔ ابو عبداللہ محمد اور یوسف کی باپ کے خلاف بغاوت اور لوشہ کی لڑائی میں مسلمانوں کی شکست ۔ فرڈی نینڈ اور ملکہ ازابیلا کی غرناطہ کو فتح کرنے کے لئے چالیں ۔ غرناطہ کا زوال، ابو عبداللہ کا ملک سے اخراج اور فرقہ وارانہ فسادات کی ابتدا ۔ اسلامی تہذیب و ثقافت کا مٹنا ۔ لین پول کا تبصرہ ۔

باب ۲۰ ———————— ۳۰۰ - ۳۲۸

جزائر سسلی میں اسلامی سلطنت کا عروج و زوال ۔ اسد بن فرات کی قیادت میں مسلمانوں کا سسلی پر حملہ اور ان کی کامیابی ۔ اسلامی فتوحات ۔ علم و فن کی ترویج اور زرعی ترقی کے لیے کاوشیں ۔ مسلمانوں کا "شرقی عربی فن تعمیر" اور اس کے محاسن ۔ اسلامی تہذیب و تمدن کا نارمن حکمرانوں پر اثر ۔ عورتوں کا معاشرے میں مقام اور صقلیہ سے مسلمانوں کی ہجرت ۔

باب ۲۱ ———————— ۳۳۰ - ۴۴۱

مسلمانوں کا ذوق تجسس اور ان کی اخذ و جذب کی قوت ۔ یورپ میں نشاۃ ثانیہ کے لیے عربوں اور ان کی زبان کا حصہ ۔ انصاف پسند مستشرقین کا اعتراف حقیقت

Marfat.com

علم الادیان اور تجدید و احیا کے ملت کے لئے جدو جہد۔

علم الابدان۔ تاریخی پس منظر۔ طب یونانی کی ترقی میں عربوں کا حصہ۔
مسلمانوں کا طبیہ کالج، تجربہ اور مشاہدہ کے اصول پر جدید طب و جراحت کی بنیاد
اور عربوں کے طبیّ انکشافات۔ ابنِ زہر۔ ابن مسکویہ اور ابنِ بیطار۔ علم جغرافیہ
و تاریخ۔ ابنِ جبیر اور ادریسی۔
علم تاریخ اور اس کے مشاہیر علامہ ابنِ خلدون کا نظریۂ تاریخ اور اجتماعات
زریاب کا موسیقی اور آداب رسمیہ (ETIQUETTE) میں حصّہ
فلسفہ اور مابعدالطبیعات۔ کلیسا کے دورِ اقتدار میں علم و فن کی
بے قدری۔ مشاہیر فلسفہ۔

باب ۲۲ ———————— ۴۴۴ - ۵۰۶

آثار و صنادید اسلامی۔ عرب مورخین کے ہاں عوامی زندگی کی عکاسی۔
فنونِ لطیفہ و جمیلہ: مصوری و فنِ سنگ تراشی۔ فنِ تعمیر (مسالہ
ستونوں کی ابتدا۔ آرائشی طاقچے اور قلمی گلکاریاں)
عمارات (اندلس میں) رصافہ۔ جامع مسجد قرطبہ (ابتدا سے تکمیل تک)
مدینہ الزہرا۔ الحمرا۔
عمارات (سسلی میں) مساجد اور قصور و محلات کی تعمیر (قصر سعد، قصر جعفر
قصر ضیزہ، قصر قوبع)
اندلسی شاعری کے اسالیب اور اس کا ارتقاء۔

Marfat.com

Marfat.com

حرفِ اوّل

زمانۂ جاہلیت میں عرب گلہ بان تھے اور وحشی، ترش رُو تھے اور درشت خُو۔ ہر شخص کے سر میں خود رائی اور خود سَری کا سودا سمایا ہوا تھا۔ کوئی قبیلہ دوسرے کا محکوم و مغلوب رہنا پسند نہ کرتا۔ مختلف قبیلوں کے درمیان اتفاق اور اتحاد ناممکن تھا۔ جو کہہ دیتے اس پر اَڑ جاتے، جو کر بیٹھتے اس کے نتائج سے بے پرواہ ہو جاتے۔

نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے تشریف لانے کے بعد یہ بدو قوم ظن و تیاس اور تنگ دارتیاب کی کٹھن گھاٹیوں سے گزر کر جب مشرف بہ اسلام ہوئی تو اُسے زندگی کی طرف ایک مثبت زاویہ نگاہ ملا اور ایک آفاقی نظریۂ حیات۔ اسلام نے قوم کو متحد و متفق بنا دیا۔ اُس کے اخلاق ذمیمہ کو عادات پسندیدہ سے بدل ڈالا۔ نظامِ اخلاق کی بنیادیں اس طرح کھڑی کیں کہ یہ قوم ایک عظیم سلطنت قائم کرنے کے قابل ہو گئی۔

تمدنی انقلاب بپا کرنے کے لئے مذہب ایک موثر قوت ہے۔ موسیو لیبان اگرچہ مذہب کو اوہام اور خرافات کا مجموعہ سمجھتا ہے تاہم وہ اس کی سحر آفرینی سے انکار بھی نہیں کر سکا۔ وہ اپنی کتاب

Marfat.com

(LES LOIS PSYCHOLOGEGUIS DELEVOLUTION DESPEUPLES)[1] میں ایک مقام پہ لکھتا ہے۔

"مذہب کی عظیم الشان قوت کا سبب صرف یہ ہے کہ وہ ایک زمانے میں قوم کے فوائد، قوم کے احساسات اور قوم کے خیالات کو متحد کر دیتا ہے۔ اس لئے وہ ان تمام عناصر کا جن سے قومی رُوح پیدا ہوتی ہے دفعتہً قائم مقام ہو جاتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ مذہبی قوت کے استیلاء سے قوم کا مزاجِ عقلی نہیں بدل جاتا تاہم تمام قوتوں کا رُخ صرف ایک مقصد کی طرف ہو جاتا ہے۔ یعنی تمام طاقتیں اس جدید مذہب کی حمایت میں کھڑی ہو جاتی ہیں اور مذہب کی عظیم الشان طاقت کا راز اسی اصول کے اندر مضمر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دُنیا کی جن قوموں نے کار ہائے نمایاں کئے ہیں اسی قسم کے مذہبی انقلاب کے زمانے میں کئے ہیں اور دنیا کی بڑی بڑی سلطنتوں کی تاسیس اسی دورِ انقلاب میں ہوئی ہے۔ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے الہامی خیالات نے اسی طریقہ سے قبائلِ عرب میں اتحاد پیدا کیا۔ اور اُن لوگوں نے تمام قوموں کو زیر و زبر کر کے عظیم الشان سلطنت کی بنیاد ڈالی"[2]

---

[1] اصل کتاب فرانسیسی زبان میں ہے۔ اسے احمد فتحی زغلول پاشا نے عربی زبان میں منتقل کیا اور جناب عبدالسلام ندوی نے "انقلاب الامم" کے نام سے اس کا اُردو ترجمہ پیش کیا۔

[2] انقلاب الامم، ندوی، ص ۱۵۷

عربوں نے جذبۂ جہاد سے سرشار ہو کر نہ صرف قرونِ وسطیٰ کے افسانوی شہروں کو ہی اپنی جولانگاہ بنایا بلکہ اُنھوں نے برِاعظم افریقہ کی وسعتوں کو بھی پھاند ڈالا۔ عقبہ بن نافع رضؓ نے امیر معاویہ رضؓ کے عہد میں شمالی افریقہ کو تہ و بالا کر ڈالا[1]۔ افریقہ کے بربروں کو جو بڑے سرکش اور مغرور تھے بغاوت سے روکنے کے لئے قیروان کا شہر بسایا۔

یہاں پر مسلمانوں کو آباد کر کے ایک زبردست چھاؤنی قائم کی۔ عقبہ رضؓ آگے نہ بڑھ سکے۔ بحیرۂ روم نے ان کے سامنے ایک ناقابلِ عبور دیوار کھینچ دی۔ وہ ستاروں پر کمند ڈال سکتے تھے، قلعوں کی دیواروں کو پھاند سکتے تھے، صحراؤں کے تپتے ہوئے سینوں کو چیر سکتے تھے لیکن انہیں ابھی سمندر کی بلاخیز موجوں سے الجھنا نہیں آتا تھا۔

بربروں پر غلبہ پانا کوئی معمولی کام نہ تھا۔ کیونکہ فاتح اور مفتوح کے درمیان تمام اختلافات کا سرچشمہ مزاجِ عقلی کا اختلاف تھا۔ بربر متعصب تھے اور رسوم و قیود کے پابند۔ کوئی بارہ مرتبہ مرتد ہوئے ہوں گے۔

اگر موسیٰ بن نصیر ایسا مردِ آہن یہاں پر بربروں کی قسمت کو بدلنے کے لئے مقرر نہ کیا جاتا تو شاید افریقہ میں اسلام کو کبھی بھی پھیلنے کا موقع نہ ملتا۔ ہماری آج کی داستان اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ اور اس محسن کی جرأت و ہمت اور تدبر و فراست کا نتیجہ ہے جسے تاریخ موسیٰ بن نصیر کے نام سے یاد کرتی ہے۔ یہ اُن دنوں کی بات ہے جب مسلمان قوم ابھی جوان تھی، اُس کے ارادے بلند تھے، اُس کے بازو قوی

---

[1] اس وقت تک ترکستان، آذربائیجان، طخارستان، سمرقند، سندھ اور چین کے علاقے زیرنگین تھے۔
(ملاحظہ ہو "اٹلس آف اسلامک ہسٹری" مرتبہ ایچ۔ ڈبلیو۔ ہیزرڈ، ۱۹۵۱ء پرنسٹن یونیورسٹی پریس)

اور مضبوط تھے اور اُس کا دل و دماغ علم و حکمت سے بھرا ہوا
پیہم عمل، محکم یقین اور ایثارِ نفس نے اس کی تمام صلاحیتوں کو جِ
دے رکھی تھی۔

داستان کا عنوان ہے:

اندلس کی فتح
اور
یورپ پر مسلمانوں کے احسانات

اسلام کے ابتدائی دِنوں میں مسلمانوں کی زندگی اجیرن بن چ
ابتلاء و آزمائش اور شدائد و مصائب کا تار ٹوٹتا نظر نہ آتا تھا۔ ہر
پیکرانِ وفا کے لئے اندوہ وغم کے نئے پردے ڈال دیتی اور
بلاکشانِ محبت کے لئے نئے مسائل پیدا کر دیتی۔ ایک دن وہ بھی
جب قریش کے علاوہ بنو غطفان اور بنو قریظہ، بنو کنانہ اور بنو ت
لشکریوں نے مدینۃ النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا احاطہ کر لیا۔ مسلمانو
ناچار محصور ہونا پڑا۔ سلمان فارسیؓ نے مدافعت اور حفاظت کی خ
کے غیر محفوظ حصوں کے گرد خندق کھودنے کا مشورہ دیا۔ جب
اسلام کا ہر ادنیٰ خادم ہاتھ میں کدال لئے خندق کھود رہا تھا اس
محبوبِ داور (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی مصروفِ عمل تھے۔ اس فلک
نے ایثار نفسی اور جاں فروشی کا یہ فقید المثال واقعہ اس سے پ

Marfat.com

دیکھا ہوگا۔ یہی ایثار اور قربانی، یکدلی اور یکجہتی اسلامی سلطنت
کی توسیع اور اس کے استحکام کا سبب بنی جس کے سامنے روما کی
شوکت، ایران کی شوکت اور ہندوستان کی سطوت ماند پڑ گئی۔ خندق
میں ایک جگہ پر ایک بھاری چٹان آ گئی۔ مجاہدین نے اُسے توڑنے کی
بہت کوشش کی لیکن بے سُود۔ کچھ صحابہؓ نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم)
کے پاس حاضر ہوئے اور شکایت کی کہ ایک سخت چٹان کے سبب خندق
کی کھدائی کا کام رک گیا ہے۔ آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ سنتے ہی خندق
میں اُترے اور گینتی کی ایک ایسی ضرب لگائی کہ چٹان کا ایک حصّہ
ٹوٹ کر علیحدہ ہو گیا۔ چٹان سے ایک شعاعِ نور نکلی اور آنکھوں کو
خیرہ کر گئی۔ آپ نے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور فرمایا: مجھے شام کی کنجیاں
دی گئی ہیں۔ فرمانروایانِ شام کے سُرخ محلات میں اپنی آنکھوں
سے دیکھ رہا ہوں۔ آپ نے دوسری ضرب لگائی اور چٹان پھوٹ

امام احمدؒ اور نسائیؒ نے واقعہ کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

لمّا کان حین امرنا رسول اللہ صلعم بحفر الخندقِ عرضت لنا
فی بعض الخندق صخرۃٌ لاتاخذ فیہا المعاول۔ فاشتکینا ذالک الی النبی
صلعم۔ فجاء فاخذ المعول فقال: بسم اللہ۔ فضرب ضربۃ فکسر ثُلثہا و
قال: اللہ اکبر! اعطیت مفاتیح الشام واللہ انی لابصر قصورھا الحمر
الساعۃ۔ ثم ضرب الثانیۃ فقطع الثلثُ الآخر فقال: اللہ اکبر! اعطیت
مفاتیح فارس واللہ انی لابصر قصر المدائن ابیض۔ ثمّ ضرب الثالثۃ وقال
بسم اللہ فقطع بقیۃ الحجر فقال: اللہ اکبر! اعطیت مفاتیح الیمن
واللہ انی لابصر ابواب صنعاء من مکان ھذا الساعۃ (نفس الباری ج ۲ ص

گئی۔ آپ نے پھر نعرۂ تکبیر بلند کیا اور فرمایا: مجھے فارس کی چابیاں عطا ہوئی ہیں۔ مدائن کے سپید محلات میرے سامنے ہیں۔ جب آپ نے آخری مرتبہ چوٹ لگائی تو چٹان پاش پاش ہوگئی۔ آپ خدا کا شکر بجا لائے اور فرمایا: مجھے یمن کی چابیاں بھی دی گئی ہیں۔ صنعاء کے دروازے مجھے اپنی جگہ سے صاف نظر آرہے ہیں۔

اللہ! اللہ! کیا عجب سماں ہے۔ ایک طرف تو یہ حال ہے کہ مسلمانوں نے کئی دن سے کچھ کھایا ہی نہیں۔ بھوک کی وجہ سے پیٹ پر پتھر بندھا ہے۔ ناتوانی زوروں پہ ہے اور پاؤں فگار۔ لیکن دوسری طرف شام، یمن اور فارس کی فتح کی اُمید دلاکر ان کی ڈھارس بندھائی جا رہی ہے۔ درحقیقت یہ تاریکیوں میں شعاعِ اُمید تھی اور ردِ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیعُ اَجرَ المُحسِنِینَ ؕ کی طرف لطیف اشارہ تھا۔

مخبرِ صادق (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیشین گوئی درست نکلی۔ تاریخ کے اوراق شاہد ہیں کہ یہ ممالک چند ہی سالوں کے اندر مسلمانوں نے فتح کر لیے۔ اور اسلامی مملکت ایک طرف تو چین کے مرغزاروں سے جا ملی اور دوسری طرف افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں سے۔ لیکن ابھی بہت کچھ ہونا باقی تھا۔ یورپ کو جو اس وقت تہذیب و تمدن کا علمبردار ہے گنگ بان قوم سے طریقِ جہانبانی سیکھنا تھا، امّی محض قوم سے تحقیقِ علمی و صنائعِ عملی کے اشارات سیکھنے تھے اور خانہ بدوش قوم سے عمرانیات اور معدلت کے اصول سیکھنے تھے۔

طوائف الملوکی اور بدنظمی کے اس طویل دور میں جب کہ کلیساد اپنی ذمہ داریوں سے غافل اور اربابِ حکومت اپنے فرائض سے ناآشنا

Marfat.com

تھے، مسلمانوں نے دنیا کو حریت، رواداری، آزادی و مساوات اور تحقیق و جستجو کا سبق سکھایا۔ اُنہوں نے نہ صرف علوم و فنون کو مٹ جانے سے بچایا بلکہ ان میں نئے برگ و بار پیدا کئے۔ اپنی خداداد ذہانت اور قابلیت، قوتِ اختراع اور ایجاد سے اُنھوں نے وہ کار ہائے نمایاں سرانجام دیئے جن کی بدولت دنیائے قدیم اپنے خوابِ گراں سے چونک اٹھی اور نشاۃِ ثانیہ کی شاہراہ پر گامزن ہو گئی۔

مسلمانوں نے اپنے جذبۂ حسن کاری کے اظہار کے لئے اثر آفرین شاعری، رُوح پرور موسیقی اور دلکش فنِ عمارت کی بنیاد ڈالی جو فنونِ لطیفہ کی تاریخ میں ایک زرین باب کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ مغرب نے جسے ان دونوں قوموں کی امانت و عطیہ ہے اپنی تہذیب و ثقافت کے دیئے کو ہمارے ہی تیل سے روشن کیا ہے۔

آئندہ صفحات اسی اجمال کی تشریح ہیں۔

لاہور
۵ ستمبر ۱۹۶۹ء

محمد احسان الحق سلیمانی

Marfat.com

Marfat.com

- اسپین کی قدیم اقوام اور ان کا عروج و زوال۔
- گاتھ قوم کا داخلہ، ایک نئے تمدّن کی بنیاد۔
- اندلس کی وجہ تسمیہ اور حدود اربعہ۔

Marfat.com

باب ۱

حضرت عیسیٰؑ کی ولادت باسعادت سے پہلے جو قومیں اسپین میں آ کر آباد ہوئیں اور جنہوں نے اس کے چمن زاروں کی آبیاری کی، ان میں سے چند ایک کے نام تاریخ نے محفوظ کر لئے ہیں۔ سوائے فنیقیوں کے جو شام کے گردو نواح سے آئے تھے باقی اقوام یا تو اسپین ہی کی رہنے والی تھیں یا پھر مشرقی یا وسطی یورپ سے اُٹھ کر آئی تھیں۔ سب سے پہلی قوم جس نے اسپین کو اپنا وطن بنایا سلٹ تھی۔ اس کے بعد آئی بیری، لگوری اور فنیقی قوموں کے نام ملتے ہیں۔[۱] قرطاجنہ والوں نے ۲۴۷ ق۔م۔ میں ان اقوام کو جو نااتفاقی اور کم ہمتی کا شکار ہو چکی تھیں مغلوب کر کے اسپین میں اپنی سلطنت قائم کی۔ غالباً اسی زمانے میں یونانی جن کی رگوں میں تازہ خون موجود تھا یہاں پہنچے۔ اس نئی قوم نے ملک میں ذہنی انقلاب لانے اور قوم کو مادی کامرانیوں سے ہمکنار کرنے کے لئے کیا وسائل اختیار کئے، تاریخ کے صفحات خاموش ہیں۔ اس کے بعد ہم رومنوں کو یہاں متمکن پاتے ہیں۔ قرطاجنہ

---

[۱] تمدن عرب، بلگرامی، ص ۲۴۵؛ کامل ابنِ اثیر، ج ۴، ص ۱۸۷-۱۹۰؛ خلافتِ اندلس، ص ۲۔

Marfat.com

الوں نے رومنوں کی پیش قدمی کو پامردی سے روکنا چاہا لیکن سیل رواں کے سامنے بند باندھنا ان کے بس کا روگ نہ تھا۔ پیونک کی تیسری تھوڑہ آخری لڑائی میں جو ۱۴۹ ق۔م۔ سے لیکر ۱۴۶ ق۔م۔ تک لڑی گئی قرطاجنی ہار گئے۔

رومن قوم کا یہ عہد شباب تھا۔ نظم ونسق کو سنبھالنے کے بعد اُنھوں نے ذرائع آمدورفت کو بہتر بنایا اور زراعت و باغبانی کو ترقی دی۔ ملک میں جگہ جگہ سیر گاہوں کا وجود، سڑکوں اور پلوں کی تعمیر اور عبادت گاہوں کا قیام اس بات پہ شاہد ہیں کہ اس عہد کا اسپین مرفہ حال اور دولت مند تھا۔ ٹریجن اور تھیو ڈوسس ایسے شاہانِ ذی شان نے جہاں اپنی تلوار سے ایک دنیا کو رام کیا وہاں علوم و فنون کی سرپرستی بھی کی۔ سنیکا (فلسفی)، لوشئن (مکالمہ نگار) اور مارشل (شاعر) اس عہد کی ممتاز شخصیتیں ہیں جن پہ اسپین بجا طور پہ فخر کر سکتا ہے۔ رومنوں نے پانچویں صدی عیسوی تک حکومت کی جب گاتھ (GOTH) قوم نے انہیں شکست دے کر ایک نئے باب کا آغاز کیا۔ یہ قافلہ "بحرِ اسود کے شمالی ساحل کے قریب دریائے نیپیٹر (THE DNIEPER) کے نواح سے اُٹھا تھا اور یونان، اٹلی اور فرانس سے گزرتا ہوا اسپین میں ۴۱۴ء میں پہنچ گیا تھا۔" یہاں پہنچ کر قوطیوں نے سدالیو اور الین حکومتوں کو تباہ کیا اور خود جنوبی اسپین سے لیکر دریائے لوائر تک حکمران بن گئے۔

اسی اثنا میں ایک اور قوم ونڈال (VANDAL) فرانس سے گزرتی

ل اندلس کا تاریخی جغرافیہ ص ۵۰ ؛ تاریخ اندلس۔ ج ۱، ص ۵۴۔

ہوئی اسپین میں داخل ہوئے اور کوئی اٹھارہ برس تک اس کے جنوبی حصوں پر حکومت کرنے کے بعد افریقہ روانہ ہوگئی۔ اسے اتفاق کہیئے کہ اسپین اس قوم کی نسبت سے واندلیہ[1] (VANDALICIA) یا اندلش کے نام سے پکارا جانے لگا۔

جدید تحقیقات نے ان تمام روایات کو بے بنیاد قرار دیا ہے جن میں اندلس کو ابن طوبال (اندلس بن طوبال بن یافث بن نوح) کی طرف منسوب کیا گیا ہے یا اشبان بن طیطس کیطرف جو ایک باوقار رومی حکمران ہوگزرا ہے۔ معتبر روایت وہی ہے جسمیں لفظ اندلس کو جرمانی قوم ونڈال سے ملتا جلتا بتایا گیا ہے۔ ہم آئندہ صفحات میں اسپین کو جسے یونانیوں نے آئبیریا اور رومیوں نے ہسپانیہ کے نام سے پکارا تھا، اندلس کے نام سے یاد کریں گے۔ اندلس ان دنوں اسپین اور پرتگال کی ریاستوں پر مشتمل تھا۔ نہ صرف یہ بلکہ جنوبی فرانس کے دو بڑے علاقے نربونِنس (NARBONENSIS) اور اکوتانیا (ACQUITANIA) بھی اس میں شامل ہے۔

اندلس کے مشرق میں بحیرۂ روم ہے، مغرب میں بحرِ اوقیانوس، شمال میں کوہ پیرانیز اور جنوب میں آبنائے جبرالٹر۔ یہ ایک جزیرہ نما ہے۔ جسے عرب جغرافیہ نویسوں نے اختصار کے سبب "جزیرہ" بھی تحریر کیا ہے۔ شریف ادریسی نے اس کا طول گیارہ سو میل اور عرض چھ سو میل لکھا ہے۔ موجودہ پیمائش کے مطابق اس کا کل رقبہ پانچ

---

[1] الحلل السندسیۃ۔ امیر شکیب ارسلان ج۱ ص ۳۱ - ۳۶، پروفیسر ہٹی، ص ۴۹۸ (حاشیہ) انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، لندن ۱۹۶۰ء، ج ۱، ص ۴۸۶ - ۵۰۱۔

Marfat.com

لاکھ مربع کیلو میٹر ہے۔ لیکن اس میں جنوبی فرانس کے متذکرہ بالا دونوں صوبے شامل نہیں کیے گئے۔ موجودہ مردم شماری کے مطابق اندلس کی آبادی تین کروڑ سے کچھ اوپر بتائی گئی ہے۔ ۱۹۳۸ء کے شروع میں ہی جنرل فرینکو نے ملک میں مطلق العنان حکومت قائم کر لی تھی۔ ۳۱ر مارچ، ۱۹۴۷ء کو شہنشاہیت کے قیام کا اعلان ہوا اور ایک ریجنسی کونسل بھی وجود میں آئی۔ لوگ زیادہ تر رومن کیتھولک ہیں۔

گاتھ قوم جب اندلس میں داخل ہوئی وہ وحشی تھی اور خونخوار، علم و فن سے بے بہرہ تھی اور آداب و مراسم سے ناآشنا، طریقِ جہاں بانی سے ناواقف تھی اور تدبیرِ منزل سے کوسوں دور۔ اگر رومن قوم فوجی محاسن نہ کھو چکی ہوتی اور اندرونی انتشار نے اسے کمزور اور بزدل نہ بنا دیا ہوتا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ گاتھ ان پر سبقت لے جاتے اور ان کے کھنڈرات پر ایک نئی سلطنت کی بنیاد رکھتے۔ تاریخ کا یہ معجزہ ہے کہ وہ قوم جس نے سیاستِ مدن کی پرخار وادی میں اب تک قدم بھی نہ رکھا تھا اندلس میں ایک نئے ضابطۂ اخلاق، ایک جدید تمدن اور ایک مخصوص طرزِ تعمیر کی داغ بیل ڈالنے میں کامیاب ہو گئی۔ گاتھ لوگوں میں چونکہ اخذ و جذب کی قوت موجود تھی اس لئے انہوں نے لاطینی قوموں سے بہت جلد استفادہ کیا۔ انھوں نے جلد ہی اپنی قوت اور طاقت سے مختلف علاقوں کو فتح کر لیا۔ زراعت اور فلاحت کی طرف توجہ دی۔ بنجر اور ویران زمینوں کو زیرِ کاشت لانے کے لئے آبپاشی کے نئے طریقے آزمائے۔ جن سے زمین کی گود ہری ہو گئی۔

Marfat.com

کاروانِ تمدن آگے بڑھا۔ سیرگاہوں اور تھیٹروں کی بنیاد پڑی۔ رہنے بسنے کے طریقے اور کھانے پینے کے ڈھب بدلے۔ میل جول کے آداب میں نفاست پیدا ہوئی اور رقص و سرود کی محفلیں منعقد ہونے لگیں۔ دولت کی فراوانی نے عیش و تنعّم کے تمام سامان مہیا کر دیئے تھے۔ مسلمان جب یہاں پہنچے ہیں تو وہ اندلس کی تمدنی چکاچوند سے بہت متاثر ہوئے۔ اُس کی مشکبار ہواؤں، لہلہاتی کھیتیوں اور خوش منظر بستیوں نے ان کے شوقِ جہاد کے لئے مہمیز کا کام دیا۔ ایک سرکردہ فوجی افسر نے اس ملک کے بارے میں اپنے "تاثرات اس طرح قلمبند کئے ہیں:۔

"آسمان اور زمین کی خوبصورتی میں وہ ملکِ شام سے مشابہ ہے، آب و ہوا کی لطافت میں یمن سے، اور خوشبویات میں ہند سے۔ وہ اپنی زرخیزی میں مصر کا ہمسر ہے اور بیش بہا فلزات میں چین کا"[1]

---

[1] عرب اسپین میں، کانڈے، ج ۱، ص ۵۲؛ تمدن عرب (بلگرامی)، ص ۲۴۸

Marfat.com

- اندلس کی فتح کے لیے مسلمانوں کی ابتدائی کوششیں۔
- مسلمانوں کے حملے کے وقت اندلس کی تمدنی حالت۔
- اندلس کی معاشرتی، معاشی اور اخلاقی زندگی ایس پی اسکاٹ کی نظر میں۔
- اندلس کی فتح کے محرکات۔
- کونٹ جولین کی راڈرک سے بے زاری اور موسیٰ بن نصیر سے ملاقات۔
- اندلس پر طریف کا حملہ۔

Marfat.com

باب ۲

اندلس کی فتح کے لئے پہلی ناتمام کوشش عہدِ عثمانی میں ۲۷ھ میں ہوئی۔ اصل مقصد قسطنطنیہ کو فتح کرنا تھا۔ حضرت عبداللہ بن نافع رضی کی سرکردگی میں ایک لشکر جرار روانہ کیا گیا لیکن بربروں کے ارتداد نے فاتحین کو واپس لوٹنے پر مجبور کر دیا۔ دوسری مرتبہ امیر معاویہ رض کے دورِ اقتدار میں مسلمان یہاں پہنچے۔ معاویہ بن خدیج رض ان دِنوں حاکمِ افریقہ تھے۔ ومبہ (WAMBA) نے، جو خاندانِ گاتھ کا ایک جری اور دلیر حکمران تھا، مسلمانوں کا مقابلہ کیا اور جنوبی ساحل پر ان کے قدم جمنے نہ دیئے۔ اس باہمت قوم کے آئندہ حملوں کی روک تھام کے لئے ومبہ نے پرانے قلعوں کی مرمت کروائی، نئے قلعے تعمیر کروائے اور ایک فوجی قانون کے ذریعے تمام امراء اور پادریوں کے لئے فوجی ملازمت لازمی قرار دے دی۔ لفظی یلغاروں کے یہ دھنی — پادری جبری فوجی ملازمت کا سُن کر تِلملا اُٹھے۔ اس قانون کے پاس ہوتے ہی انھوں نے ومبہ کو معزول کرانے کے لئے امراء اور فوجی سرداروں سے سازباز شروع کر دی۔ ومبہ جلد ہی ان کی ریشہ دوانیوں کا شکار ہوگیا اور اروگ (ERVIG) کے حق میں تخت سے دست بردار ہوگیا۔

58922

Marfat.com

اندلس کو فتح کرنے کی یہ کوشش بھی بار آور نہ ہو سکی۔ حقیقت یہ ہے کہ قسامِ ازل نے اندلس کی فتح کا سہرا ولید اوّل کے لیے گوندھ رکھا تھا۔

مسلمانوں کے لیے اندلس کی فتح کوئی مشکل کام نہ تھا۔ تمدنی ترقی نے اندلس میں رہنے والوں میں بزدلی، دوں ہمتی اور انجامِ کار سے بے اعتنائی پیدا کر دی تھی۔ خود غرضی اپنا قدم جما چکی تھی۔ مال و دولت کی کثرت نے قومی مفاد سے اعراض پیدا کر دیا تھا۔ امراء اگر عیش پسند تھے تو راہب نفسانی خواہشات کے غلام۔ دنیا کے نگہبان بادشاہ ہوتے ہیں۔ اور دین کے رہنما علماء اور خانقاہ نشین۔ لیکن ہر دو پہ موت طاری تھی۔ جمود اور تعطل نے کشمکش حیات کیلئے تمام قوتوں کو زنگ آلود بنا دیا تھا۔ مشیتِ ایزدی کا تقاضا یہی تھا کہ "اب اس پہ قرب و جوار کی وحشی یا نیم وحشی قوموں کا حملہ شروع ہو جاتا اور وہ اس کی تمدنی بنیاد کو ڈھا کر دوسرے تمدن کی عمارت کھڑی کر دیں"[1] اس میں شک نہیں کہ مفتوح قوم عقل و دانش میں فاتح قوم سے بڑھی ہوئی تھی لیکن اس کے فوجی محاسن تباہ ہو چکے تھے اور "ذہانت چاہے کتنی ہی ترقی کر جائے اخلاق کی قائم مقام نہیں ہو سکتی"[2]

طریف کے حملے نے جہاں یہ ثابت کیا کہ کونٹ جولین اپنے ارادوں میں پختہ ہے۔ وہاں یہ بھی ثابت کر دیا کہ قوم میں اتفاق نام کو نہیں۔ افراد مضمحل ہیں اور جمیعت پریشان۔ قوم کی کشتی انحطاط کے

۱؎ انقلاب الامم، ص ۱۷۰

۲؎ انقلاب الامم، ص ۱۷۱

Marfat.com

ایسے منجدھار میں پھنسی ہے کہ اُس کا بچنا ناممکن ہے۔

اس دور میں سوسائٹی کی حالت زبوں تھی۔ طبقاتی کشمکش نے لوگوں کو گروہوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ دولت چند ہاتھوں میں سمٹ کر رہ گئی تھی۔ آبادی کا غالب حصّہ زندگی کی بنیادی ضروریات سے محروم تھا۔ مزدور کو دن بھر کی محنتِ شاقہ کے بعد مٹھی بھر جَو بھی کھانے کو نہ ملتے۔ مہینے گزر جانے تن ڈھانپنے کے لئے اُسے کپڑا میسّر نہ آتا۔ اور عمریں بیت جاتیں سر چھپانے کے لئے اُسے جھونپڑا نصیب نہ ہوتا۔" ان کی تیرہ و تار زندگی میں نہ اُمیدِ اصلاح کی شعاعیں پہنچتی تھیں اور نہ موت سے پہلے رہائی کی کرنیں[1] یوں نظر آتا ہے کہ انکا مقدر ان سے روٹھ چکا تھا۔

ان میں ایک طبقہ متوسط لوگوں کا بھی تھا۔ جو محصولات کے بوجھ تلے کراہ رہا تھا۔ ان کی جان محفوظ تھی نہ عزت۔ بھلا یہ طبقہ ان حالات میں قومی روایات کی حفاظت اور اخلاقی قدروں کا تحفظ کیونکر کر سکتا تھا۔ متوسط طبقے کا زوال قومی انحطاط اور اجتماعی شعور کے فقدان کی نشان دہی کر رہا تھا۔

ملک میں یہودی بھی آباد تھے۔ ان کے لئے زمین اپنی وسعتوں کے باوجود تنگ ہو چکی تھی۔ ہر قسم کے مظالم ان پر ڈھائے جاتے تھے۔ لیکن راندۂ درگاہ یہ فرقہ امراء کو دے دلا کر اور پادریوں کو کھلا پلا کر جوت جگائے رکھتا تھا۔ ۶۱۲ء میں طلیطلہ میں جو دینی کونسل منعقد ہوئی تھی اس کا مقصد ایسا طریقِ کار سوچنا تھا جس سے یہودیوں

---

[1] مسلمانانِ اندلس، سید عبدالغنی وارثی، ص ۷

کی نسل ختم کی جا سکے۔ تاریخ شاہد ہے کہ یہ منحوس اور پامال قوم راہبوں کے مظالم کے باوجود اس ملک میں پھل پھول رہی تھی جہاں کا قانون اُسے زندہ درگور کرنے کے درپے تھا۔ قصہ یہ ہے کہ یہودیوں کی ہوش مندی اور ہوشیاری، ان کی ذہانت اور ذکاوت دوسروں کو جھک جانے پر مجبور کر دیتی۔

امراء تو عیش کے دلدادہ تھے ہی، پادری بھی دادِ عیش دے رہے تھے۔ ان کے دلوں میں انجیل مقدس کا احترام تھا نہ غضب الٰہی کا ڈر۔ پیٹ کے یہ نابکار بندے اپنے عماموں میں غرور اور نخوت کو اور اپنے جبوں میں حرص و ہوا کو چھپائے ہوئے تھے۔ ان کے گھر تصویر خانہ تھے جہاں اوباش اور بدقماش عورتیں ہر وقت جمع رہتیں۔ راہبات کی زندگی کچھ اس سے مختلف نہ تھی۔ انہوں نے بظاہر کنواری مریم (علیہا الصلوٰۃ) کے نام پہ دنیا کو تج دیا تھا لیکن باطن میں ان کے اندر کی عورت مر چکی تھی۔ گناہ کی زندگی انہیں راس آگئی تھی۔ کئی ایک راہبات کو "کنواری مائیں" بننے کا شرف حاصل تھا۔

پادری دنیاوی وجاہت کی خاطر دشنام طرازی، لوٹ کھسوٹ اور قتل و غارت کو جائز سمجھتے تھے۔ اعلیٰ مراتب کے حصول کے لئے پاپائے روم کو رشوت دینا روز کا معمول بن گیا تھا۔ معافی ناموں کا رواج عام ہو چلا تھا۔ پوپ ایک مقررہ جدول (SCHEDULE) کے مطابق گناہوں کی معافی کے لیے اَن گنت دولت اکٹھی کر رہا تھا۔

سینٹ صوفیا کا گرجا — ایک عظیم عبادت گاہ — جسے رُوح کی

Marfat.com

عفت اور قلب ونظر کی پاکیزگی کا ضامن ہونا چاہیئے تھا، حضرت عیسیٰؑ کے پیرو کاروں کو سکون بخش سکتا تھا نہ طمانیت، راہروانِ جادہِ شوق کو تپش بخش سکتا تھا نہ حرارت۔ یہاں کے مکین تن کی دنیا سے مالا مال تھے لیکن من کی دنیا سے عاری و محروم۔ عوام کو چھوڑیئے وہ تو بدھو تھے ہی، بادشاہوں کا یہ حال تھا کہ پوپ کے نام سے کانپتے تھے۔ ان کا تنفرز و تنزل پادریوں کے اشارے کا محتاج تھا۔ اس دورِ مظلمہ میں علم وفن کا جو مذاق اڑایا گیا ہے، وہ کلیساء کی تاریخ میں ایک اندوہناک حقیقت ہے۔ سچائی کے ہر متلاشی کو دار و رسن سے گزرنا ہوتا تھا اور علم کے ہر مسافر کی بارات "شاخِ آہو" پر اٹھائی جاتی تھی۔ اس زوال پذیر سوسائٹی کا نقشہ ایس۔ پی۔ اسکاٹ نے اپنی فاضلانہ تصنیف HISTORY OF THE MOORISH EMPIRE IN EUROPE[1] میں نہایت خوبصورتی سے کھینچا ہے۔ ایک مقام پر لکھتے ہیں:۔

> خواہشاتِ نفسانی کے غلام، بادشاہانِ وزیگانھ، میں سے اپنے اجداد کی خوبیاں بالکل ختم ہو چکی تھیں۔ جن کی شجاعت و تہور نے اپنی قوم کو سینکڑوں لڑائیوں میں کامگار رکھا اور بالٹک سے لیکر بحیرۂ روم تک اپنے علم کی عزت و شہرت میں کمی نہ آنے دی۔ ان کی نفسانیت نے نہ رسوم مہمان نوازی کو قائم رکھا، نہ حقوقِ دوستی کو ملحوظ، نہ اپنے رتبے کو برقرار رکھ سکے، نہ اپنی خواہشات

---

[1] اخبار الاندلس (تین جلد) اسی بصیرت افروز اور خیال انگیز کتاب کا اردو ترجمہ ہے۔

Marfat.com

انسانی کو پورا کرنے میں انہوں نے سنّ وسال کی پروا کی.

آبادی کا بہت بڑا حصّہ مزارعین پر مشتمل تھا جن کی مثال چوبِ منبر کی سی تھی۔ وہ تمام عمر بلکہ ان کی اولاد در اولاد ایک ہی جاگیر دار کے ہو رہتے تھے۔ان سے یہ امُید رکھی جاتی تھی کہ وہ اپنے ظالم آقاؤں کی سلطنت کو بحال اور اپنی ذلت و غلامی کو قائم رکھیں گے۔ انہیں چھوٹے چھوٹے جرائم پر سخت سزائیں دی جاتی تھیں۔

بدقسمت مزدوروں اور غلاموں کے علاوہ ایک اور فرقہ تھا۔جس کی تعداد دونوں سے کم تھی۔ لیکن از روئے اصل ونسل و بروئے قانون وہ دوامی غلام تھے۔اتنی بات ان میں زیادہ تھی کہ وہ دونوں سے زیادہ عقیل و فہیم تھے۔ یہ فرقہ یہودیوں کا تھا۔سترھویں دینی کونسل نے ایک ناطق حکم کے موافق ان کی تمام جائیدادیں ضبط کر لی تھیں اور ان کو بامشقت غلامی کی سزا دی گئی تھی۔

یہ ایک لاکھ آدمی رعایا کا ایک ایسا عنصر تھا جو اُس غیر قانع اور مصیبت زدہ آبادی سے بھی زیادہ مخدوش تھا۔ یہ بالکل یقینی بات ہے کہ اگر یہودی عرب حملہ آوروں کی مدد نہ کرتے اور ان کے ساتھ نہ مل جاتے تو یہ ممکن نہ تھا کہ چند ماہ کے عرصہ میں صرف مٹھی بھر آدمی جو فنونِ جنگ سے بھی ناواقف تھے سات لاکھ آدمیوں کو زیر کر لیتے۔

Marfat.com

راہب، یہ وہ سرکش فرقہ تھا جو اس زمانے کے علم کا ٹھیکے دار بنا ہوا تھا۔ اندھے کے ہاتھ میں ایک لاٹھی تھی کہ اس نے تلواروں کو بھی کند کیا ہوا تھا۔ ملک کے تمام سیاسی معاملات اور تدابیر کو اگر ڈھونڈا جاتا تو محل شاہی میں نہ ملتیں بلکہ ڈیروں میں بازیچۂ اطفال بنی ہوئی نظر آتیں۔ اسقف کے محل میں ہر روز فساد وعناد کے تماشے نظر آتے اور ہر رات کو شور وشغب کی آوازیں وہاں سے بلند ہوتی تھیں۔ عوام الناس پہلے ہی کہاں کے معصوم تھے اس کیفیت کو دیکھ کر اور بھی خراب ہوئے چلے جاتے تھے۔ پادریوں اور مقتدایانِ مذہبی کے گھروں کی شرابیں ضرب المثل تھیں۔ ان کے مکان نہ تھے پری خانے تھے کہ حسن وجمال اگر کہیں ملتا تھا تو وہیں۔ کلیساء نے وضعِ قانون کے اختیارات سلطنت سے چھین لئے تھے۔ امراء اور ارکینِ سلطنت نے مردہ بدستِ زندہ بن کر اپنے آپ کو ان کے ہاتھ میں دے دیا تھا۔ اگر ان کی اصل اور خانگی زندگی کو دیکھا جاتا تو کیا پادری اور کیا امراء عیوب اور گناہوں کا ڈھیر تھے جس پر ظاہری ادائیگی ومراسم مذہبی کا نہایت باریک پردہ پڑا ہوا تھا۔ اساقفہ کے ماتحتین جاہ وجلال کے ساتھ نکلتے تھے اور گرجاؤں میں جاکر مراسمِ مذہبی ادا کرتے تھے...... غضب یہ تھا کہ پادری

Marfat.com

سب کو دھمکاتے تھے اور اپنے مخصوص غرورِ جہالت سے بیرونی حملے کی دھمکیاں دیا کرتے تھے۔ اور یہ کہا کرتے تھے کہ تم جیسے گنہگاروں کی اگر خدا کی طرف سے کوئی سزا ہو سکتی ہے تو یہی کہ تم کو کوئی دشمن آکر پیس ڈالے۔ وہ گناہ کیا تھے؟ وہی تھے جن میں وہ خود آلودہ تھے۔ اور اس زمانے میں بھی جو بے ایمانی اور بے حیائی میں اپنی نظیر نہیں رکھتا سخت بدنام تھے۔"[1]

اس تصویر کا ایک رُخ اور بھی ہے۔ جو پہلے سے زیادہ بھیانک اور قابلِ نفریں ہے۔ کسی پادری، کارڈینل یا پوپ کے تقرر کے وقت اس کے علم و فضل، زہد و تقویٰ اور ریاضت و مجاہدہ کی بجائے اس کی خاندانی وجاہت اور دنیاوی شان و شوکت کو پیشِ نظر رکھا جاتا تھا۔ کلیسا کی طویل تاریخ میں ایسے لوگ بھی ملتے ہیں جو ابھی چلنا بھی نہ سیکھے تھے کہ تاجِ اقلیمِ روحانی ان کے سر پر رکھ دیا گیا۔ ایسے لوگ بھی نظر آتے ہیں جن کے ہاں نہ خاندانی شرافت کے نشان ملتے ہیں نہ ان کی زندگی میں حسنِ عمل کا کوئی کرشمہ، مگر ایک دنیا نے انہیں "فوق البشر" سمجھ کر ان کی چوکھٹ پر اپنی جبینِ نیاز رکھ دی۔ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں "جو فاجرہ عورتوں کے بطن سے ہیں۔ بعض ایسے بھی ہیں جن کے دامن پر" صاف صاف اولادِ حرام ہونے کا دھبہ ہے۔" "مشہور بیسوا ماروزیہ عمر بھر تختِ پاپائی کو اپنی انگلیوں

---

[1] اخبار الاندلس - ج ۱، ص ۱۹۳ - ۲۰۱، ۲۲۵؛ نیز ملاحظہ ہو انتتاح الاندلس مقدمہ ۶؛ پروفیسر ہٹی، ص ۴۹۸

پہنچاتی رہی ہے۔ چنانچہ اُس نے ایسے آٹھ پوپوں کو تخت پر بٹھایا۔ جو اُس کے آشنا تھے[1]

متذکرہ بالا واقعات آنے والے دور کی نشاندہی کرتے ہیں۔ غیطشہ (VATIZA) کے قتل نے اس موقعہ پر تازیانے کا کام دیا۔ غیطشہ گاتھ خاندان کا آخری حکمران تھا۔ وہ اپنے ایک فوجی افسر راڈرک[2] (RODRECK) کے حقد وکینہ کا شکار ہوگیا۔ اُس کے قتل میں کلیساء کا پورا پورا ہاتھ نظر آتا ہے[3]۔ اس کا جرم اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ اس نے یہودیوں کے ساتھ رواداری برتی تھی اور انہیں شہری حقوق دے رکھے تھے۔ مذہبی تنگ نظری اتنا فروغ پا چکی تھی کہ کلیساء کی نظر میں یہودیوں کے ساتھ رعایت کرنا اقنوم ثلاثہ سے بغاوت کرنے کے مترادف تھا۔ پوپ کانسٹن ٹائن کی دھمکیوں کے باوجود غیطشہ نے ملکی تجارت کو فروغ دینے کے لئے یہودیوں کو ملک کے طول وعرض میں دوبارہ آباد کیا اور انہیں انتظامیہ میں اہم عہدوں سے نوازا۔ غیطشہ نے یہ کوشش کی تھی کہ ان سماجی برائیوں کو جو ملک میں عام ہو چلی تھیں قانونی حیثیت دے دی جائے۔ پادریوں کو شادی کی اجازت دے دی گئی۔ تاکہ حرام کاری سے بچے رہیں۔ ایک اور حکم کے مطابق امراء کو ایک سے زیادہ شادیاں کرنے اور کنیزوں کو رکھنے کا کھلا لائسنس

---

[1] اخبار الاندلس، ج ۳، ص ۳۵۶۔ [2] راڈرک کی عمر اس وقت اسّی برس سے کچھ اوپر تھی۔ اس کے قویٰ مضبوط تھے۔ اور قدرت نے اُسے اعلیٰ ذہنی صلاحیتوں سے نوازا تھا۔

[3] افتتاح الاندلس، مقدمہ ۳، اخبار الاندلس ج ۱، ص ۲۰۸۔

Marfat.com

جاری کر دیا گیا۔

تاریخ سے پتہ نہیں چلتا کہ غیطشہ کا انجام کیا ہوا۔ اُسے موت نے آلیا یا اُسے اندھا کر کے کسی کال کوٹھڑی میں ڈال دیا گیا۔ بہر حال وہ ۹۰ ہجری کے اواخر یا ۹۱ ہجری کے اوائل میں دکھوں کی دنیا سے نجات پا چکا تھا۔

راڈرک شاہی خاندان کا فرد تھا نہ ملکوتی صفات کا مالک، دُور اندیش تھا اور وقت کے تقاضوں سے آگاہ۔ یہی وجہ ہے کہ برسرِ اقتدار آنے کے بعد اس نے کلیسا کی برتری کو تسلیم کرتے ہوئے پادریوں کے اختیارات بحال کر دیے۔

گاتھ حکمرانوں کے ہاں یہ رواج تھا کہ رؤسائے سلطنت کے بچے آدابِ مجلس سیکھنے اور طریقِ جہانبانی سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے دربارِ شاہی میں اور ان کی بچیاں اپنے ذوق کی نشوونما اور جذبات کی تہذیب کے لیے محل سرا میں جمع رہتیں۔ اس سے ایک مقصد یہ بھی تھا کہ ان کے والدین ان کی جان کے خوف سے کبھی بھی علمِ بغاوت بلند نہ کر سکیں[1]۔

اس وقت ایک یونانی سردار کونٹ جولین[2] کی لڑکی فلورنڈا

[1] نفح الطیب، جزو اول، ص ۲۳۵ - ۲۳۶، کامل ابنِ اثیر، ج ۴، ص ۱۹۱

[2] کونٹ جولین کو عرب تاریخ نویسوں نے مختلف ناموں سے یاد کیا ہے۔ اُلیان (بلاذری)، یلیان (ابنِ عذاری)، یولیان (ابنِ اثیر)، دورِ حاضر کے بعض مورخین نے اُسے البان (OLBAN) اور بعض نے اُسے اربن (URBAN) کے نام سے بھی پکارا ہے۔ وہ غیطشہ کا داماد اور سبتہ اور طنجہ کا حکمران تھا۔ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

.ی محل سرا میں زیرِ تربیت تھی ۔ فلورنڈا حسن و جمال میں اپنا ثانی نہ رکھتی تھی ۔ وہ ایک ایسی اچھوتی کلی تھی جسے نسیم سحر کے جھونکوں نے ابھی تک نہ گدگدایا تھا ۔ اور وہ ایک ایسا حُسنِ معصوم تھا جسے

ابن القوطیہ نے اُسے ایک بہت بڑا سوداگر تحریر کیا ہے ۔ شاید اس لئے کہ وہ ایک تجارتی بیڑے کا مالک تھا ۔ جس کے ذریعے اندلس اور شمال مغربی افریقہ کی مختلف بندرگاہوں کے درمیان تجارت ہوتی تھی ۔ تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ جولین کے تعلقات مسلمانوں کے ساتھ اُس زمانے سے چلے آرہے تھے جب وہ عقبہ بن نافعؓ کی سرکردگی میں یہاں پہنچے تھے ۔ جولین نے نہ صرف فاتحین کی خدمت میں تحفے تحائف پیش کئے تھے بلکہ ان کی سیادت کو بھی قبول کر لیا تھا ۔ طارق کے حملے کے وقت موسیٰ بن نصیر نے اُسے ٹھوک بجا کے دیکھ لیا تھا کہ وہ مکاری سے کام نہیں لے رہا ۔ طریف (ابی زرعہ طریف بن مالک النخعی) کے حملے کے وقت جولین نے مسلمان لشکریوں کی ہر طرح کی مدد کی تھی ۔ اور طارق کی افواج کو دوسرے کنارے تک لے جانے کے لئے اپنا بحری بیڑا اس کے حوالے کر دیا تھا ۔ تاریخ کے مطالعہ سے یہ بات بھی اُبھر کر سامنے آجاتی ہے کہ قرمونہ کے مشہور محاصرے میں وہ موسیٰ بن نصیر کے ساتھ شریک تھا ۔ اس فتح کے بعد ہمیں پتہ نہیں چلتا کہ اس کا حشر کیا ہوا ۔ اور وہ کس ڈرامائی انداز سے تاریخ کے صفحات سے روپوش ہو گیا ۔ اُس کی اولاد میں ابو سلیمان ایوب بن الحکم ...... بن یلیان کا وجود، جو اپنے وقت کے عظیم مفکر اور فقیہہ تھے، غنیمت ہے ۔ ابو سلیمان ایوب کا انتقال ۳۲۶ھ میں ہوا ۔

(افتتاح الاندلس)

Marfat.com

کام دیو کی للچائی ہوئی نگاہوں نے ابھی تک نہ تاکا تھا۔ راڈرک جلد ہی اس پر بے طرح مائل ہو گیا اور اس پہ ڈورے ڈالنے لگا جب وہ ترغیب و تحریص سے رام نہ ہوئی تو اس نے جبر و تشدد سے اس پہ قابو پانا چاہا۔ عفت کے آبگینے بھی کتنے نازک ہوتے ہیں ہوس کی پہلی ہی نگاہ نے انہیں چکنا چور کر دیا۔ اس نے اپنی بے عزتی کی اطلاع فوراً اپنے باپ کو بھجوائی[1] کاونٹ جولین کو غیرت نے آلیا۔ فلورنڈا کی والدہ کو اپنے باپ کے قتل کا غم تو تھا ہی، جب اس نے اپنی جواں سال لڑکی کی عصمت کو یوں ضائع ہوتے دیکھا تو وہ بستر مرگ پر لیٹ گئی گویا اسے سانپ سونگھ گیا ہے۔ اُس نے اپنے خاوند کو مجبور کیا کہ وہ فلورنڈا کو واپس گھر لائے۔ جولین طلیطلہ پہنچا اور راڈرک کو بتایا کہ اُس کی بیوی دم توڑ رہی ہے اور اپنی بچی سے آخری ملاقات کی آرزو مند ہے۔ راڈرک نے فلورنڈا کو لے جانے کی اجازت دے دی اور کہا: دوست جولین!

---

[1] المقری کے الفاظ یہ ہیں: فلمّا صارت عند لذریق وقعت عینُہ علیھا فاعجبتہ۔ واحبّھا حبّاً شدیداً۔ ولم یملک نفسہ حتّی استکرھھا وأفتضّھا۔ فاحتالت حتّی اعلمت اباھا بذالک سِرّاً بمکاتبۃٍ خفیۃٍ فاحفظہٗ شانھا جدّاً .... واشتدّت حَمیّتُہٗ، ابنِ اثیر نے واقعہ کو اس طرح بیان کیا ہے۔ ابنۃٌ لہٗ فاستحسنہا رذریق وافتضھا۔ فکتبت الی ابیھا۔ فاغضبہٗ ذالِکَ (الکامل۔ ج ۴۔ ص ۱۲۱)،

مسلمانانِ اندلس، ص ۸، نیز ملاحظہ ہو خلافتِ اندلس، ص ۳ ؛ اخبار الاندلس، ج ۱، ص ۲۱۰۔

Marfat.com

جب تمہیں دوبارہ آنے کا اتفاق ہو تو میرے لئے افریقہ کے باز لیتے آنا۔ سنا ہے کہ افریقی شاہین خوب ہوتا ہے۔[۱] جولین نے جو یونانی نسل سے تھا اور چالاکی و چاپلوسی میں اپنا ہمسر نہ رکھتا تھا عرض کی: آقائے نعمت! یہ کونسی بڑی بات ہے۔ اگر میں زندہ رہا تو ایسے باز بھیجوں گا جو شکار کرنے میں بے مثال ہوں گے۔ جولین کی بازوں سے مراد افریقہ کے وہ بربر[۲] تھے جن میں شاہین کی تمام صفات موجود ہیں — بلند پروازی، عمقِ نظری، استغناء اور مستعدی۔ جولین نے حکومت کا تختہ الٹنے کی ٹھان لی۔ وہ خود موسیٰ بن نصیر[۳] سے ملا اور اُسے حالاتِ حاضرہ سے واقف کیا۔ ملک کی دھن

۱؎ المقری۔ جزو اول، ص ۲۳۶

۲؎ تاریخ افتتاح الاندلس، ص ۵۱؛ مسلمانانِ اندلس، ص ۹۔

۳؎ موسیٰ بن نُصیرؒ حضرتِ عمرؓ کے زمانے میں سنہ ۱۹ ھ میں پیدا ہوئے ان کے والد حضرت امیر معاویہؓ کے محافظ دستے میں شامل تھے۔ اُنھوں نے جناب امیر کے ہاں وہ منزلت حاصل کی تھی جو اکثر عمائدینِ سلطنت کے لئے قابلِ رشک تھی۔ نصیرؒ جنگِ صفین میں شریک نہ ہوئے۔ امیر معاویہؓ نے سبب دریافت فرمایا تو عرض کی کہ میں اُس کے ساتھ کفران کرنے میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکتا جو تم سے زیادہ مستحقِ شکر ہے۔ یعنی خدائے عزّ و جل۔

موسیٰ شروع ہی سے عقیل تھے اور فہیم، مہم جو تھے اور نرم خو۔ اکابر صحابہؓ کی صحبت سے فیض یاب ہو چکے تھے۔ ابنِ خلکان نے ان کے متعلق یہ رائے قائم کی ہے۔ "انّہٗ کان عاقلاً، کریمًا، شجاعًا، تقیًّا وّکان من التابعین"۔ وہ سنہ ۸۹ ھ میں افریقہ کے گورنر مقرر ہوئے۔ یہاں پہنچ کر موسیٰ کے مخفی جوہر کھلے۔ انہوں نے

Marfat.com

دولت، امراء کی عیش پسندی اور عوام کے درمیان بے یقینی و بے اطمینانی کے علاوہ اس نے ان قوتوں کا بھی ذکر کیا جو قوم کے ذہنی قواء کو مفلوج اور اخلاقی محاسن کو تباہ کر چکی تھیں۔ زندگی کی اعلیٰ قدروں کا احساس جو مر چکا تھا، مذہبی رواداری کا شعور جو مٹ چکا تھا اور اپنائیت (Belongingness) کا جذبہ جو دھندلا چکا تھا۔ ایسی باتیں تھیں جن کا ذکر جولین نے نہایت وثوق سے کیا اور موسیٰ کو اندلس پر حملے کی دعوت دی۔ موسیٰ مسن اور تجربہ کار کھلاڑی تھا۔ وہ آسانی سے جولین کی باتوں میں آنے والا نہ تھا۔ اُس نے جولین کے

بربروں کو اس طرح رام کیا کہ وہ نئے مذہب کے مؤید و مددگار بن گئے۔ مغرب کی فتح ان کی شجاعت و شہامت کی مرہونِ منت ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ موسیٰ سے پہلے جو والی بھی افریقہ میں آتے رہے وہ خوف و ہراس پھیلا کر اور رعب داب قائم رکھ کر اپنا وقت گزارتے رہے۔ موسیٰ کی آمد پر یہاں کے مسلمانوں کی حالت سخت مخدوش تھی۔ بربروں نے اپنے ارتداد کے زمانے میں تمام مساجد کو مسمار کر دیا تھا۔ قیروان کو اجاڑ دیا تھا۔ اور مسلمانوں کی زندگی دوبھر کر دی تھی۔ موسیٰ نے یہاں پہنچتے ہی ملک کے معاشی اور معاشرتی حالات کا جائزہ لیا۔ لوگوں کو روزگار مہیا کرنے کے لئے مفید منصوبے تیار کئے۔ مختلف جگہوں پر جہاز سازی کے کارخانے قائم کئے اور مختلف عناصر کو متحد الخیال بنانے کے لئے عربی زبان کو رائج کیا۔

موسیٰ ۹۵ھ تک اندلس میں رہے ۹۸ھ میں وادی القریٰ میں وفات پائی۔ اس وقت ان کا کاروانِ عمر زندگی کی ۷۹ منزل میں داخل ہو چکا تھا (کامل ابنِ اثیر ج ۴، ص ۱۷۲ - ۱۷۳، تاریخ غزوات العرب، ص ۲۸، افتتاح الاندلس، مقدمہ ا، المقری، جزءِ اوّل، ص ۲۲۴ - ۲۲۵)

Marfat.com

خلوص اور عزم کو آزمانے کے لئے طریف کی سرکردگی میں ایک مہم روانہ کی جو ۹۱ھ میں جزیرہ طریف تک پہنچ گئی۔ یہ مقام اس پہاڑی کے دامن میں واقع ہے جسے انگریز مصنفین نے (SIERRA de la LUNA) کے نام سے موسوم کیا ہے۔ یہ حملہ اس سے زیادہ اور کوئی اہمیت نہیں رکھتا کہ یہ مٹھی بھر جماعت[1] ساحلی علاقوں میں خوف وہراس پھیلانے میں کامیاب ہوگئی اور لوٹ مار کے بعد واپس لوٹ آئی۔ اس سے یہ حقیقت بھی منکشف ہوگئی کہ کونٹ جولین اپنے ارادوں میں مخلص تھا۔

---

[1] ان اوّل من دخل جزیرۃ الاندلس من المسلمین برسم الجهاد طریف البربری۔ مولیٰ موسیٰ بن نصیر (المقری۔ جزو اوّل، ص ۲۱۴)

Marfat.com

- طارق بن زیاد کی لشکر کشی اور کشتیوں کا جلانا۔
- لاجندہ کی جھیل کے قریب طارق اور راڈرک کے درمیان فیصلہ کن جنگ۔
- قادس، شذونہ، اشبیلیہ، استجہ، طلیطلہ، قرطبہ، غرناطہ، بلنسیہ اور مدینہ مائدہ کی فتح۔
- طارق بن زیاد کی پیش قدمی۔ کونٹ جولین کا مشورہ۔
- مسلمانوں کا مفتوحین سے حسن سلوک۔ مغیث رومی کے حملے۔

Marfat.com

باب ۳

اگلے سال اپریل ۷۱۱ء میں موسیٰ نے اپنے آزاد کردہ غلام طارق بن زیاد کو سات ہزار "بربری شاہین" دے کر اندلس کی فتح کے لئے روانہ کیا۔ جولین کے جہازوں نے اس فوجِ ظفر موج کو جبل الطارق[1] پر اتار دیا۔ طارق سب سے آخری جہاز پر سوار تھا۔ راستے میں اس کی آنکھ لگ گئی، اس نے امام الانبیاء (علیہ الصّلوٰۃ والسّلام) کو آتے دیکھا[2]۔ یہ وہی وجودِ مقدس تھا جسے شیخ اکبرؒ "قرآنِ ناطق"، "عقلِ اوّل"، "انسانِ کامل"، اور "روحِ اعظم"، کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اور اسی کو فرقانِ حمید نے "العبد"، کے نام سے موسوم کیا ہے۔ عارف بوصیریؒ فرماتے ہیں۔ ؎

منزّہٌ عن شریکٍ فی محاسنہٖ

فجوھرُ الحُسنِ فیہِ غیرُ منقسِمٖ

(وہ اپنے محاسن میں بے مثال ہے اور حُسن کا جوہر وہاں ناقابلِ تقسیم ہے)

کئی ایک نورانی وجود آپ کے گرد حلقہ باندھے کھڑے

---

[1] یہ مقام زمانہ قدیم میں کیلپے (Calpe) کہلاتا تھا۔

[2] اخبارالاندلس، ج ۱، ص ۲۱۹، خلافتِ اندلس، ص ۶، کامل ابنِ اثیر، ج ۴، ص ۱۹۲۔

Marfat.com

تھے۔ طارق نے سورج کو کئی بار چڑھتے دیکھا تھا لیکن آفتابِ رسالت کے طلوع کی خواہش اُس نے ہمیشہ کی تھی۔ اس نے پوچھا: آپ ..... کون؟

مسکراتے ہوئے فرمایا: میں امّت کی کشتی کا کھویّا ہوں۔ گرتے کا سہارا ہوں۔ غریب کا ملجا ہوں اور یتیم کا ماویٰ۔ مجھے ہی محمّد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہتے ہیں۔ تمہیں نویدِ کامرانی دینے آیا ہوں۔ میں اب ...... اور وہ چل دیئے۔

ع لیت شِعرِی متیٰ یَکونُ اللّقاء

(کاش معلوم ہو جاتا کہ ملاقات پھر کب ہو گی)

طارق جب اپنے خواب سے بیدار ہوا تو اس کے چہرے پر فرحت ویاس اور امید ورجا کے ملے جلے اثرات نمایاں تھے۔ اس نے اپنا خواب ساتھیوں کو سنا دیا۔ پھر کیا تھا! نعرۂ تکبیر بلند ہوا اور فضا کانپ اُٹھی۔ اس دھرتی کے باسیوں نے یہ آواز پہلے کبھی نہ سنی تھی۔ ان کے دل ایک انجانے خوف سے بیٹھے جا رہے تھے۔

طارق نے تمام کشتیوں کو جلا دینے کا حکم دیا[1]۔ مصلحت اندیش عقل عشق کے تقاضوں سے ہمیشہ بیگانہ رہی ہے۔ لشکریوں کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ پوچھنے لگے: ؎

دُوریم از سوادِ وطن باز چوں رسیم
ترکِ سبب ز روئے شریعت کجا رواست

طارق یہ سن کر ہنس پڑا اور کہا: ؎

---

[1] عرب اسپین میں، کانڈے، ج ۱، ص ۵۵

Marfat.com

خندید و دستِ خویش بشمشیر برد و گفت
ہر ملک ملکِ ما است کہ ملکِ خدائے ما است

ہم اپنی قسمت کا فیصلہ اپنی تلوار سے کرنا چاہتے ہیں۔ واپس لوٹنے کا خیال خام ہے اور میدانِ جنگ سے بھاگ نکلنے کی خواہش عبث۔ تعمیلِ ارشاد میں تمام جہاز نذرِ آتش کر دیے گئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے دھوئیں کے مرغولے بلند ہونے لگے۔

لشکریانِ صف شکن ذرا آگے بڑھے۔ ساحلی علاقے کے گورنر تدمیر (Theodomir) نے غنیم کو آتے دیکھا۔ اُن کے سروں پہ عمامے تھے، جسم پر جُبّے اور ہاتھ میں نیزے یا تلوار۔ تدمیر نے مسلمانوں کی پیش قدمی کو روکنا چاہا لیکن ناکام رہا۔ سراسیمہ ہو کر اس نے ایک پیغامبر کے ذریعے راڈرک کو ان الفاظ میں اطلاع دی: "ہماری زمین پر ایک نئی قوم نے نزول کیا ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ وہ آسمان سے اُتری ہے یا زمین سے نکل آئی ہے"[1]

راڈرک ان دنوں دور افتادہ علاقوں کی مہمات میں مصروف تھا[2] یہ پیغام سنتے ہی اس کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ وہ قرطبہ واپس

---

[1] انہ قد نزل بارضنا قوم لا ندری أمن السماء ھم ام من الارض (المقری)، اخبار الاندلس، ج ۱، ص ۲۱۷؛ عرب اسپین میں، کانڈے، ج ۱، ص ۵۵؛ الامامۃ والسیاسۃ، ج ۲، ص ۷۸۔

[2] ابن القوطیہ کا خیال ہے کہ وہ سرقسطہ روانہ ہو رہا تھا لیکن اسکاٹ کا کہنا ہے کہ وہ پمپلونہ کی بغاوت فرو کرنے کے لئے گیا ہوا تھا۔ المقری نے اس مقام کو بنبلونہ لکھا ہے۔

Marfat.com

پہنچا اور فوج کی از سرِ نو تشکیل کی۔ لوگ جوق در جوق فوج میں بھرتی ہونے لگے۔ چند ہی روز میں فوج کی تعداد اسیّ ہزار سے بھی بڑھ گئی۔ فوج میں وہ غلام بھی تھے جن کے لئے زندگی ایک روگ تھی، وہ یہودی[1] بھی تھے جنہیں اندلس کے کیتھولک بادشاہوں نے بنیادی حقوق سے محروم کر رکھا تھا، گاتھ بادشاہوں کے وہ " دُعاگو " بھی تھے جنہیں غیطشہ کے قتل کے بعد نحیف و نزار بنا دیا گیا تھا، اور بشپ اُدپاس (Oppas) ایسے خانوادۂ قوط کے ذی اثر افراد بھی تھے جنہیں زندگی کے تلخ گھونٹ پینے پر مجبور کر دیا گیا تھا۔ تمام کی تمام فوج ایسے لوگوں پر مشتمل تھی جن کا مورال پست تھا، جن کی ہمتیں شکستہ اور وفاداری مشتبہ تھی۔" نہ اس فوج میں کوئی نظام تھا، نہ سپاہی قواعددان تھے اور نہ ہی وہ تکالیفِ جنگ برداشت کئے ہوئے تھے .... سپاہی سے لیکر افسر تک ایک اوباشوں کا گروہ تھا .... ہزاروں آدمی جو اس غرض سے مقرر کئے گئے تھے کہ راڈرک کے تخت کو بچائیں، ان کا مقصد اصل یہ تھا کہ کسی طرح اس کا تاج اُٹھا کر دشمن کے سر پر رکھ دیں"[2] شاید نئے آقاؤں کے تحت ان کی زندگی میں آسودگی، طمانیت اور مُسرت کی کرنیں پُھوٹ پڑیں۔

جب طارق کو دشمن کی بڑھتی ہوئی تعداد کا علم ہوا تو اس نے موسیٰ کو کمک کے لئے لکھ بھیجا۔ موسیٰ نے فوراً پانچ ہزار

---

[1] پروفیسر ہٹی، ص ۴۹۸

[2] اخبار الاندلس، ج ۱، ص ۲۱۷ - ۲۱۸

Marfat.com

فوج مزید روانہ کردی۔ یہ فوج اگرچہ تھوڑی تھی لیکن "اس کا ہر ایک فرد میدانِ جنگ کی صعوبت برداشت کئے ہوئے تھا۔ ان کو فتح پانے کی گویا عادت ہی تھی۔ دینی جوش ان میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا اور سب کے سب اپنے سپہ سالار کے فدائی تھے"

۱۹ر جولائی ۷۱۱ء کی تاریخی صبح کو دونوں فوجوں کا مقابلہ لاجندہ (La Janda) کی جھیل کے سامنے ہوا جو مدینہ سدونہ (Medina Sidonia) کے قریب صوبہ قادس میں واقع ہے۔ وادی بکہ[ط] یا وادیٔ برباط اسی جھیل میں گرتا ہے۔ راڈرک جنگی رتھ پہ سوار تھا۔ قیمتی لباس زیبِ تن تھا۔ چترِ شاہی جس پر مرصع کاری کی گئی تھی سایہ فگن تھا۔ جلو میں مسلح پاسبان تھے۔ ایک طرف شاہی افواج تعداد کی کثرت اور سامانِ جنگ کی وفرت لیے کھڑی تھیں اور دوسری طرف عجز و نیاز کے پیکر عزم و ثبات کی دولت سے سرشار چترِ نیلگوں کے نیچے رسمِ مہر و وفا پوری کرنے آئے تھے۔

طارق مردِ خود آگاہ نظر آتا ہے۔ اُسے معلوم تھا کہ اگر تائیدِ ایزدی اور نصرتِ خداوندی ان کے شریکِ حال رہی تو دشمن کی فوج کثرتِ تعداد کے باوجود کامیاب نہ ہو سکے گی۔ اُسے

ط بعض مورخین نے وادی بکہ کو غلطی سے وادی لکہ لکھ دیا ہے جس کا موجودہ نام گواڈالیٹ (Guadelete) ہے۔ یہ وادی بکہ کے شمال میں تقریباً بیس میل کے فاصلے پہ بہتا ہے۔ دیرہ ِنظیر ٹی، ص ۴۹۴ ؛ اندلس کا تاریخی جغرافیہ ص ۵۹۴ و افتتاح الاندلس، مقدمہ ۸۔

Marfat.com

یاد تھا کہ بدر و حنین کے میدانوں میں بے یار و مددگار مسلمانوں نے نصرتِ الٰہی سے منصور ہوکر مشرکینِ مکّہ کو ایسی شکست دی تھی کہ اقوامِ عالم کی تاریخ میں اس کی مثال ڈھونڈنا محال ہے[1]۔ اُس نے اپنی ولولہ انگیز تقریر سے مسلمانوں کا لہو گرمایا۔ حمد و ثنا کے بعد وہ یوں گویا ہوا:۔

"مسلمانو! جان لو کہ تمہارے لئے مفر کی کوئی جگہ نہیں۔ سمندر تمہارے پیچھے ہے اور دشمن تمہارے آگے۔ خدا کی قسم! اب سوائے پامردی اور استقلال کے کوئی چارہ نہیں۔ یہی دونوں طاقتیں ہیں جو مغلوب نہیں ہو سکتیں۔ صدق و صبر ایسی فتحمند فوجیں ہیں جنہیں باوجود قلت کے ہار نہیں اور نہ ہی غنیم کی کثیر مگر بزدل، نامرد، کاہل اور بد دماغ فوج اُسے فائدہ پہنچا سکتی ہے۔ دشمن تمہارے سامنے ہے۔ اس کے پاس سامانِ رسد کے وافر ذخائر موجود ہیں۔ لیکن تمہارے پاس بجز اپنی تلواروں کے کوئی رسد نہیں۔ اگر تم نے غفلت برتی تو تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ اگر تم اپنی جانوں پہ کھیل جاؤ تو کامیابی تمہارے قدم چومے گی۔ اگر تم تھوڑی دیر کے لئے تکلیف اٹھا لوگے تو اس کے بدلے میں ایک طویل مدت کے لئے عیش و راحت کی زندگی بسر کروگے۔ یہاں پرده ماه وش یونانی دوشیزائیں ہیں جن کے سنہری لباس

---

[1] پروفیسر ہٹی، ص ۱۱۷، دی عرب سولائزیشن، جوزف ہل، ص ۲۸ - ۲۹۔

میں موتی اور مرجان جڑے ہیں۔ تم اس جزیرہ میں اعلائے کلمۃ الحق کی خاطر آئے ہو۔ اس کا اجر تمہیں مل کر رہے گا۔ اس ملک کی دھن دولت تمہاری باندی بنے گی۔ جو بلند ارادے تمہارے دلوں میں انگڑائیاں لے رہے ہیں، اللہ ان میں تمہاری مدد کرے گا۔ اور دونوں جہاں میں تمہارا نام باقی رہیگا۔

جان لو! کہ جو دعوت میں تمہیں دے رہا ہوں، اس کو قبول کرنے والا پہلا شخص میں ہوں۔ اگر میں حملہ کروں تو تم بھی ٹوٹ پڑو۔ یوں نظر آئے کہ تم جسدِ واحد ہو۔ اگر میں حملے میں مارا جاؤں تو تم غمگین نہ ہونا، کمر ہمت نہ توڑ بیٹھنا اور اپنے درمیان نفاق اور پھوٹ نہ پیدا کرنا۔ اگر ایسا ہوا تو تم مرعوب ہو جاؤ گے، تباہی اور بربادی آخری نتیجہ ہوگی۔

خبردار! ذلّت کو قبول نہ کرنا۔ خدا نے مشقت اور جفاکشی کے ذریعے دنیا میں تمہارے لئے جو عزّ و شرف اور راحت وآرام اور آخرت میں شہادت کا جو ثواب مقدر کیا ہے۔ اس کی طرف بڑھو۔ بس اب میں حملہ آور ہوں گا۔ میرے حملہ کے بعد تم بھی (شاہین کی طرح) جھپٹ پڑنا"[1]

---

[1] تاریخ الاندلس، ج ۱، ص ۷۹-۲۰۷؛ الامامۃ والسیاسہ، ج ۲، ص ۷۹؛ المقری، جزو اوّل، ص ۲۲۵-۲۲۶؛ عرب اسپین میں، کانڈے، ص ۵۷۔

Marfat.com

راڈرک کی افواج نے حملے کی ابتداء کی۔ لیکن اسلامی فوج کے ہراول دستے نے وار کو روک لیا۔ تمام دن دونوں فوجیں بے جگری سے لڑتی رہیں۔ اگر ایک کو مادی تفوق حاصل تھا تو دوسری کو روحانی اور اخلاقی۔ اب سورج غروب ہونے کو تھا۔ ہلکی ہلکی سیاہی فضائے بسیط پر پھیل رہی تھی۔ جنگ کے ختم کر دینے کا بگل بجا اور دونوں فوجیں شب بسری کے لیے اپنی اپنی جگہ پر واپس لوٹ گئیں۔ ہر صبح جنگ شروع ہوتی اور غروب آفتاب کے ساتھ ختم ہو جاتی۔ ۱۹ر جولائی سے لیکر ۲۴ر جولائی تک یہی حال رہا۔ ۲۷ر جولائی کو طارق نے مصمم ارادہ کر لیا کہ وہ آج معاملہ ملتوی نہ ہونے دے گا۔ جب دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں تو طارق فوج کے قلب پر حملہ آور ہوا۔ اُس کا گھوڑا جری تھا اور مستعد۔ اس کی شمشیر بے نیام پشتوں پہ پشتے لگاتی، پیامِ اجل لوگوں کی گردن میں باندھتی، آگے ہی بڑھتی چلی گئی۔ راڈرک کا مسلح گارڈ اپنی جان بچانے کے لیے راستے سے ہٹ گیا۔ طارق اپنے شکار پہ باز کیطرح جھپٹا۔ راڈرک بھاگ نکلا اور دریا میں کود گیا۔ دریا کی بپھری موجوں نے اُسے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اپنی آغوش میں سلا دیا[1]۔ راڈرک کے فرار نے افواج کو بددل کر دیا اور وہ میدانِ جنگ سے اس طرح بھاگیں

---

[1] ایک روایت یہ بھی ہے کہ طارق نے راڈرک پہ قابو پا لیا تھا۔ اور اس کا سر تن سے جدا کر کے موسیٰ کے پاس بھجوا دیا تھا تاکہ خلیفۂ وقت کو دمشق میں پیش کیا جا سکے۔ یہ روایت وزنی نظر نہیں آتی (تاریخ غزوات العرب، ص ۳۰)

Marfat.com

جس طرح گنجشکِ فرومایہ جان کے خوف سے باز کے حملے کے وقت بھاگتی ہے۔ کَمْ مِنْ فِئَۃٍ قَلِیْلَۃٍ غَلَبَتْ فِئَۃً کَثِیْرَۃً بِاِذْنِ اللّٰہِ ○ قلت نے کثرت پر فتح پائی۔ اور میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔

مسلمانوں کی فتح کی خبر دور و نزدیک بجلی کی طرح پھیل گئی۔ افریقہ میں بربروں نے مالِ غنیمت کی کثرت کی داستانیں سنیں تو وہ جوق در جوق افریقہ سے آ آ کر فاتح اندلس کی فوج میں بھرتی ہونا شروع ہوئے۔ شکست و ہزیمت کے بعد ہسپانوی فوج کا شیرازہ بکھر گیا۔ اور اس کی سالمیت پاش پاش ہو گئی۔ قادس کی فتح کے بعد طارق شذونہ پہنچا۔ یہاں کے باشندے معمولی جھڑپوں کے بعد اطاعت قبول کرنے پر مجبور ہو گئے۔ قرمونہ بھی جو اشبیلیہ سے ۲۵ میل مشرق کی طرف واقع ہے فتح ہو گیا۔ بلند نظر طارق کی سرکردگی میں مسلمان بڑھتے چلے جا رہے تھے۔ اب اشبیلیہ کی باری تھی۔ یہ شہر اپنی عظیم الشان عمارات، حسین و جمیل باغات اور محافلِ عیش و طرب کے لئے مشہور تھا۔ عرب مورخین نے اُسے "مدینۃ الادب" کہہ کر پکارا ہے۔ اشبیلیہ نے ہتھیار ڈال دیئے اور جزیہ دینا قبول کر لیا۔ راڈرک کی فوج کا ایک غالب حصّہ فرار کے بعد استجہ (Ecija) میں پناہ گزین ہو گیا تھا۔ انھوں نے ایک بار پھر بڑھتی ہوئی موجوں اور اُٹھتے ہوئے طوفانوں کے سامنے دیوار کھڑی کرنے کی ناکام کوشش کی۔ طارق کئی دنوں تک محاصرہ کئے رہا لیکن کچھ بن نہ آیا۔ اتفاق سمجھئے کہ ایک شخص دریائے شنیل (The Xenil) میں پانی پینے کے لئے اترا۔ طارق کی عقابی نگاہ اس پر پڑی۔ وہ دریا میں کود پڑا اور

Marfat.com

اس آدمی کو پکڑ لیا۔ اس کے چہرے سے امارت کے نشان ظاہر تھے۔ استفسار پر معلوم ہوا کہ وہ حاکم شہر ہے۔ طارق کی مرعوب کن شخصیت نے اُسے سراسیمہ کر دیا۔ اُس نے صلح کی شرائط طے کرنے کے بعد شہر کے دروازے کھول دیئے۔ استجہ میں میٹھے پانی کی کمی کو پورا کرنے کے لئے طارق نے ایک نہر کھدوائی جو "عین الطارق"[1] کے نام سے یاد کی جانے لگی۔

طارق نے ان علاقوں کو فتح کرنے کے بعد استجہ کو اپنا صدر مقام بنایا۔ وہ خود تو طلیطلہ کو فتح کرنے کے لئے چل دیا لیکن قرطبہ، غرناطہ، بلنسیہ، مالقہ اور تدمیر کی فتح کے لئے فوج کے چھوٹے چھوٹے دستوں کو روانہ کر دیا گیا۔ قرطبہ جو بعد میں علم و ادب کا مرکز اور چہچہانے والے پرندوں کا گھونسلہ بنا، اس وقت بھی اندلس کے اہم شہروں میں سے ایک تھا۔ غرناطہ جو ہمارے عروج و زوال کی داستان سے واقف ہے، اپنی نفاست اور پاکیزگی کے لئے اس زمانے میں بھی "عروس البلاد" کہلاتا تھا۔ نہر شنیل اسی میں سے بل کھاتی ہوئی گذرتی تھی۔ اور ساکنانِ شہر نگاراں کی پیاس اپنے میٹھے پانی سے بجھاتی تھی۔ ابنِ بطوطہ اس شہر کی تعریف میں یوں رقمطراز ہے۔

ھیَ قاعدۃ بلاد الاندلس و	یہ (غرناطہ) اندلس کا دارالسلطنت ہے۔
عَروس مُدُنِہا۔ وَخارِجُہالا	اور اندلس کے شہروں میں دلہن کی مانند ہے۔
نظِیرلہٗ فِی الدُّنیا۔ وَھو مسِیرۃُ	(حسن اور خوبصورتی میں) اس کی نظیر ملنا محال
اربعین میلا یخترقہ نہر شنیل	ہے اس کا رقبہ چالیس مربع میل ہے۔ مشہور

---

[1] کامل ابن اثیر، ج ۴، ص ۱۹۳

المشهور۔ وسواہ من الانہار الکثیرۃ، والبساتین الجلیلۃ والجنّات والرّیا ضات والقصور والکروم محدقۃ بھا من کلّ جہۃ[1]

دریائے شنیل اس کے پاس سے گزرتا ہے۔ اس کے علاوہ بہت سے دریا ہیں جو اسے سیراب کرتے ہیں۔ بڑے بڑے باغات، سبزہ زار اور محلات اس کی رونق کو بڑھاتے ہیں۔ انگوروں کی بیلیں ہر طرف پھیلی ہوئی نظر آتی ہیں۔

علامہ شقندی غرناطہ کو اندلس کا "دمشق" کہتے ہیں۔ بلنسیہ بھی کشت زار زعفران ہے۔ کثرت سے پیدا ہوتا ہے۔ جو لذت ذائقہ کے علاوہ خوشبو دار بھی ہے۔

طارق نے اپنے تمام جنگی منصوبوں کی تفصیلات موسیٰ بن نصیر کو بھجوا دیں لیکن موسیٰ نے بعض وجوہات کی بنا پر طارق سے اتفاق نہ کیا۔ اور اُسے ہدایت کی کہ وہ اس کی آمد تک انتظار کرے۔ وقت کے تقاضے اس سے مختلف تھے۔ ملک میں ضعف اور انتشار اس قدر زیادہ تھا کہ ملحقہ علاقوں کو لگے ہاتھ فتح کر لینا عین صواب تھا۔ طارق نے پیش قدمی کو مناسب سمجھا اور سوچا کہ موسیٰ کے آنے پر اُسے حقیقتِ حال سے آگاہ کر دیا جائے گا۔ کانڈے کا خیال ہے کہ کاونٹ جولین بھی پیش قدمی کے حق میں تھا وہ یہ جانتا تھا کہ اگر عیسائیوں کو اپنی جمعیت اکٹھی کرنے کا موقع مل گیا تو مسلمانوں کے لئے آگے بڑھنا مشکل ہو جائیگا۔ اس نے اپنی رائے کا اظہار ان الفاظ میں کیا:۔

---

[1] المقری جزء اوّل، ص ۱۶۴؛ اسفارِ ابن بطوطہ، ایچ۔ اے۔ آر گب، ص ۳۱۵۔

Marfat.com

"وادیٔ بکہ کی فیصلہ کن لڑائی کے بعد جس میں نہ صرف راڈرک کی افواج ہی پسپا ہوئی ہیں بلکہ بڑے بڑے عیسائی امرأ اور اعیانِ سلطنت بھی، جو یہاں قسمت آزمانے آئے تھے، ناکام و نامراد واپس لوٹے ہیں۔ مناسب نظر نہیں آتا کہ اس بیش قیمت وقت کو بیکار گنوا دیا جائے۔ وہ لوگ جو یہاں سے بچ کر نکل گئے ہیں۔ تمہاری ہمت اور قوت کے معترف ہیں۔ پیشتر اس کے کہ وہ شکستہ ہمت اور تھکی ہاری فوجوں کو منظم کریں، ہمیں ان کا تعاقب کرنا چاہیئے اور انہیں مسلمانوں کی سیادت قبول کرنے پر مجبور کر دینا چاہیئے۔

اگر تم ان کے اہم شہروں خصوصاً دارالسلطنت پر اپنی کامیابی کا جھنڈا گاڑنے میں کامیاب ہو گئے تو تمہیں کسی قسم کا خوف لاحق نہیں ہوگا۔"[1]

کاؤنٹ جولین کے خیالات بڑے اہم تھے۔ وقت اس بات کا متقاضی تھا کہ موسیٰ کا انتظار کیے بغیر نئے شہروں پر فوج کشی کی جاتی اور لوگوں کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا جاتا۔

طارق طلیطلہ کی فتح کے ارادے سے آگے بڑھا۔ یہ عظیم شہر گاتھ بادشاہوں کا دارالخلافہ تھا۔ یہ اپنے محلات کی خوبصورتی، باغات کی عمدگی، سڑکوں اور راستوں کی نفاست اور سامانِ تجارت کی

---

[1] عرب اسپین میں، کانڈے، ج ۱، ص ۶۱، کامل ابن اثیر، ج ۴، ص ۱۱۳ - ۱۱۴، خلافت اندلس، ص ۱۰۔

Marfat.com

کثرت کے لئے مشہور تھا۔ طارق کو کسی قسم کی مزاحمت کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ اس کے یہاں پہنچنے سے پہلے ہی امراء اور رؤسا شہر کو خالی کر چکے تھے[1]۔ لاٹ پادری اپنے پیروکاروں سمیت وہاں سے روم کی طرف اس طرح بھاگا کہ جب تک وہاں پہنچ نہیں گیا، مڑکر اندلس کی طرف نہیں دیکھا۔ وہ اپنے پیچھے بہت سے عبادت گزاروں، حجرہ نشینوں اور افسروں کو اس لئے چھوڑ گیا تھا کہ "کفار" کے ہاتھوں "انعامِ شہادت" پائیں۔" پادریوں اور راہبوں کا ایک بیہودہ گروہ، خواہ اپنے اعتقاد کی بنا پر یا اپنی حماقت اور کسل کی وجہ سے، وہیں پڑا رہ گیا۔ اور روزے رکھ کر، دعائیں مانگ کر، اندرون و بیرونِ شہر کی زیارت گاہوں میں جاکر اس آئی مصیبت کو ٹالنے کی فکر کرنے لگا۔ ان کی شامتِ اعمال کہ ان تدبیروں سے بھی امدادِ غیبی ان کو نہ ملی[2]۔ شہر کے دروازے فاتحین کیلئے کھلے پڑے تھے[3]۔ بہت سا قیمتی سامان مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔ اس میں ۲۴ زرنگار تاج اور سینکڑوں برتن مرصع بجواہر شامل تھے۔ طارق نے مسلمانوں کو یہاں آباد کیا۔ بہت سے ایسے یہودیوں کو بھی، جنہوں نے مسلمان فاتحین کی مدد کی تھی، رہنے کے لئے مکان اور کاشت کے لئے زمین دی گئی۔ ابنِ اثیر کے قول کے مطابق غیطشہ کے بھائی اوپاس کو طلیطلہ کا حاکم مقرر کیا گیا۔ لوگوں کو ان کی جان، مال اور آبرو

---

[1] عرب اسپین میں، کانڈے، ج ۱، ص ۶۴۔ [2] اخبار الاندلس، ج ۱، ص ۲۳۱۔

[3] ابن القوطیہ کا خیال ہے کہ شہر کے دروازے یہودیوں نے اس وقت کھول دیئے تھے جب عیسائی اپنے گرجوں میں مذہبی رسوم ادا کرنے میں مصروف تھے۔

Marfat.com

کے تحفظ کا یقین دلایا گیا۔ انہیں اپنے مذہبی فرائض اور سماجی رسومات کی آزادی دی گئی۔ گاتھ بادشاہوں کے مذہبی تعصب، ناروا سلوک اور مستبدانہ سرگرمیوں کے مقابلہ میں فاتحین کی شرائط[1] ایسی نرم اور معقول تھیں کہ لوگوں نے انہیں بسر و چشم قبول کیا اور وہ اپنے نئے آقاؤں کے تحت ایک بھرپور زندگی کا آغاز کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔

طارق ان علاقوں کو روندتا ہوا مدینہ مائدہ کیطرف بڑھا۔ اس مقام پر اسے وہ میز ملی جو ۳۶۰ پایوں پر قائم تھی۔ اس کو گرانمایہ موتیوں، مونگے اور یاقوت سے اس طرح سجایا گیا تھا۔ جیسے آسمان کے کناروں کو چمکتے ستاروں سے۔ یہود اس میز کو حضرت سلیمانؑ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

جب طارق طلیطلہ کو فتح کرنے میں مصروف تھا، اس وقت مغیث رومی قرطبہ کو زیر نگیں کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ قدرتِ کاملہ نے مسلمانوں کو ہمیشہ ہی اپنی تائید و نصرت سے نوازا ہے۔ کبھی کفار کے دل میں رعب اور ہیبت ڈال کر، کبھی فرشتوں کی پُرہول جماعتیں بھیج کر اور کبھی طوفانِ باد و باراں کے جھکڑ چلا کر۔ تائیدِ ایزدی اب بھی مسلمانوں کے شاملِ حال تھی۔ ایک تاریک رات کو سخت طوفان آیا۔ ایک چرواہا خضرِ راہ بن کر پہنچا۔ اس کی رہنمائی میں اسلامی فوج دریا کو عبور کر کے اس مقام پر پہنچ گئی جہاں سے وہ باآسانی شہر میں داخل ہو سکتی تھی۔ قلعہ کی دیوار کے ساتھ انجیر کا

---

[1] شرائطِ صلح کے لئے ملاحظہ ہو عرب اسپین میں، کانڈے، ج ۱، ص ۶۴

Marfat.com

ایک تناور درخت اُگا تھا۔ اس کی مدد سے ایک نڈر سپاہی فصیل پر چڑھنے میں کامیاب ہوگیا۔ عمامہ نے کمند کا کام کیا۔ اس نے کئی ایک سپاہیوں کو اس "رشتہ نازک" کے ساتھ اوپر چڑھا لیا۔ قلعہ کے اندر تمام مورچے خالی پڑے تھے۔ چوکیدار لرزہ خیز طوفان سے بچنے کے لئے محفوظ مقامات کو جا چکے تھے۔ مسلمان سپاہیوں نے اندر داخل ہونے کے بعد شہر کے تمام دروازے کھول دیئے۔ فوج اندر داخل ہوگئی۔ قرطبہ صبح دم مسلمانوں کے پائے صولت میں پڑا تھا۔ گورنر شہر اپنے چند مخلص سپاہیوں سمیت سینٹ جارج کے گرجا میں جا چھپا۔ لیکن کب تک! جب اس پر خواب و خور حرام کیا گیا تو وہ باہر نکل آیا اور اپنے آپ کو فاتحین کے سپرد کر دیا۔

تدمیر ابتدائی جھڑپوں کے بعد مرسیہ میں پناہ گزین ہوگیا تھا۔ اس نے ایک بار پھر عیسائیوں کی صفوں میں اتحاد اور تنظیم پیدا کرنے کی کوشش کی۔ تاکہ مسلمانوں کا جب ادھر سے گزر ہو تو ان کا مضبوطی سے مقابلہ کیا جا سکے۔ ریہ کی فتح کے بعد اسلامی لشکر اپنی فتح کا پھریرا اڑاتا ہوا اریولہ (Orihuela) میں اُترا۔ تدمیر نے خبر پاکر ان کا راستہ روکنا چاہا۔ اسلامی افواج کا مقابلہ جن کی پیشانی کو فیروز مندیوں نے ہمیشہ چوما تھا اور کامگاریوں نے ہمیشہ بوسہ دیا تھا۔ کوئی آسان کام نہ تھا۔ لڑائی نے جب پنجہ مارا تو عیسائیوں کے لئے مسلمانوں سے قوت آزمانا مشکل ہوگیا۔ ان کے ہزاروں سپاہی میدانِ جنگ میں کام آئے۔ جو بچ گئے تھے وہ جان کے خوف سے بھاگ نکلے۔ تدمیر نے جب میدان کو ہاتھ سے نکلتے دیکھا تو اس نے قلعے

Marfat.com

کی دیواروں پر شہر کی حسین و جمیل عورتوں کو عسکری لباس پہنا کر اور جنگی ہتھیاروں سے آراستہ کر کے کھڑا کر دیا۔ تاکہ فاتحین کو خیال ہے کہ دشمن کے پاس سپاہ کی کمی نہیں۔ وہ خود صلح کا جھنڈا بلند کئے باہر نکل آیا۔ اور صلح کے لئے ملتجی ہوا۔ مسلمان اس حسین فریب میں آگئے اور آسان شرطوں پر صلح کر لی۔ مسلمانوں نے، واقعات کا علم ہو جانے پر بھی، تدمیر کے خلاف تادیبی کارروائی نہ کی اور اسے معاف کر دیا۔ ان شرائط کو جاری رکھا گیا جن پر فریقین کا اتفاق ہو چکا تھا[1]۔ تدمیر کو مرسیہ کا حاکم مقرر کیا گیا۔ بعد میں یہ علاقہ اسی کے نام پر تدمیر کہلانے لگا۔

زید بن کسادہ نے باجہ، البیرا اور غرناطہ کے شہر بزور شمشیر فتح کئے۔ بیش قیمت جواہرات، لاتعداد غلام اور بے شمار کنیزیں ہاتھ آئیں۔

---

[1] مسلمانانِ اندلس، ص ۲۰-۲۱، کانڈے اور دوسرے مورخین کا خیال ہے کہ یہ لڑائی عبدالعزیز بن موسیٰ کی سرکردگی میں ۱۱۴ھ میں لڑی گئی۔ ملاحظہ ہو دد اندلس کا تاریخی جغرافیہ، ص ۴۷-۴۸۔

Marfat.com

- موسیٰ بن نصیر کا اندلس میں داخلہ اور طارق سے ملاقات۔ دونوں کا جنگی پلان پر اتفاق۔
- اشبیلیہ کی دوبارہ فتح۔ ماردہ کی فتح کے لیے مسلمانوں کی مشکلات۔
- لبلہ اور باجہ کی فتح۔ اسلامی جنگوں کے قواعد وضوابط۔
- جنگ کا غیروں کے ہاں تصور۔
- جنوبی فرانس کی فتح۔
- ولید بن عبدالملک کا فرمان اور موسیٰ بن نصیر کی واپسی۔
- موسیٰ بن نصیر کا دمشق میں داخلہ۔ ولید کی وفات اور سلیمان کی تخت نشینی۔
- موسیٰ کی وادالقریٰ میں وفات۔ مسلمانوں کا مفتوحین کے ساتھ ایفاءِ عہد۔

Marfat.com

باب ۴

طارق خوب جانتا تھا کہ دشمن کو آرام کرنے اور اپنی صفوں کو درست کرنے کا موقعہ دینا عاقبت نااندیشی اور کوتاہ بینی ہے وہ گرد و نواح کے علاقوں کو فتح کرنے کے لئے پیش قدمی کر کے کسی " آئینی غلطی " کا مرتکب نہیں ہوا تھا۔ لیکن واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ موسیٰ طارق کی اس خطا کو جلدی معاف کرنے کے لئے رضامند نہ تھا۔ وہ یہ چاہتا تھا کہ لڑائی کا پورا منصوبہ اس کی ہدایات اور راہنمائی میں مکمل کیا جائے اور کوئی ایسی چیز نہ ہونے پائے جس سے اسلامی لشکر کے مفادات کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو۔

موسیٰ بن نُصَیر نے ایک جری فوج کی سرکردگی میں اندلس پہنچنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ اُنہوں نے اپنے لڑکے عبداللہ کو افریقی مقبوضات پر نگران مقرر کیا اور خود لاؤ لشکر لیکر رمضان ۹۳ھ میں جبلِ موسیٰ پر اترے۔ کاؤنٹ جولین بھی ان کے ساتھ تھا۔ موسیٰ نے مناسب سمجھا کہ وہ طارق کو ملنے کی بجائے جنوبی اندلس کے ان علاقوں کو دوبارہ فتح کرے جنہیں طارق نے فتح تو کر لیا تھا لیکن اب وہ سرکشی اختیار کر چکے تھے۔ شذونہ، قرمونہ اور

Marfat.com

اشبیلیہ کے علاقے بغیر کسی مزاحمت کے فتح کر لئے گئے۔ لیکن ماردہ کو فتح کرنے کے لئے مسلمانوں کو سخت دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔

تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اس وقت تمام اندلس دو حصوں میں منقسم تھا۔ ملک کے جنوب مغربی حصے کی ہمدردیاں غیطشہ اور اس کی اولاد کے ساتھ تھیں جبکہ وسطِ ملک میں راڈرک کا فریق غالب تھا۔ یہی وجہ ہے کہ متذکرہ بالا شہروں کو زیرنگیں لانے میں کسی دقت کا سامنا نہیں کرنا پڑا لیکن وسطی علاقوں کو فتح کرنے کے لئے مسلمان افواج کو آگ اور خون کے دریا سے گزرنا پڑا۔

موسیٰ نے ماردہ کا کئی دنوں تک محاصرہ کئے رکھا لیکن شہر نے اطاعت قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ مسلمانوں اور شہری فوج کے درمیان کئی روز تک جھڑپیں ہوتی رہیں لیکن کوئی فیصلہ نہ ہو سکا اہلِ ماردہ کی پامردی، بے باکی اور سخت جانی کے پیشِ نظر موسیٰ نے اپنے لڑکے عبدالعزیز کو بلا بھیجا کہ وہ تازہ دم فوج لیکر ماردہ پہنچے تاکہ دشمن کی سرکوبی کی جا سکے۔ لڑائی طول کھینچتی جارہی تھی اور یہ خطرہ پیدا ہو چلا تھا کہ اسلامی افواج کہیں ہمت نہ ہار بیٹھیں موسیٰ نے شہر کے قریب ایک پہاڑی میں کمین گاہ تیار کی اور اپنی افواج کو وہاں چھپا دیا۔ اگلے روز جب لڑائی شروع ہوئی تو اسلامی افواج نے کمین گاہ سے نکل کر شہری فوج کو گھیرے میں لے لیا۔ ور ان کی قوت کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ شہری فوج کو پسپا کرنے کے ر اسلامی افواج فصیل کی دیوار میں سوراخ کرنے میں مصروف تھ

Marfat.com

کہ محصورین کثیر تعداد میں نرغہ کرکے نکل پڑے اور ایسا شدید حملہ کیا کہ مسلمانوں کے لیے اپنی مدافعت کرنا مشکل ہوگیا۔ایک برج کے قریب جسے عرب مورخین نے "برج الشہدا" کا نام دیا ہے سینکڑوں مسلمانوں نے جامِ شہادت نوش کیا۔مسلمانوں نے تعداد کی کمی اور بے سروسامانی کے باوجود جس بلند ہمتی اور خود اعتمادی کا ثبوت دیا ہے وہ عیسائی مورخین سے خراجِ تحسین حاصل کرچکی ہے۔[1]

اسی اثناء میں عبدالعزیز سات ہزار بربری فوج کے ساتھ وہاں پہنچ گیا۔جب اہل ماردہ نے تازہ دم اور آلاتِ حرب وضرب سے لیس فوج کو اسلامی کیمپ میں شامل ہوتے دیکھا تو ان کے چھکے چھوٹ گئے اور انھوں نے ہتھیار ڈالنے میں ہی عافیت سمجھی۔ اپنی قسمت سے مایوس ہوکر شہر والوں نے معززین کا ایک وفد موسیٰ کے پاس بھیجا اور صلح چاہی۔ان تمام مشکلات اور مصائب کے باوجود جن کا اسلامی لشکریوں کو مقابلہ کرنا پڑا تھا، موسیٰ نے اہلِ ماردہ کیساتھ نرم شرائط پر صلح کرلی۔ موسیٰ عید[2] کے روز شہر میں داخل ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کے حضور میں مسلمانوں کے جذباتِ امتنان وتشکر کا یہ حال تھا کہ ؎

آج سجدوں کی انتہا کردوں
شوق مٹ جائے یا جبیں نہ رہے

ماردہ کی فتح کے بعد موسیٰ نے عبدالعزیز کو اشبیلیہ روانہ کیا جہاں

---

[1] عرب اسپین میں، کانڈے، ج ۱، ص ۶۸ - ۶۹

[2] المقری، جزو اول، ص ۲۵۳

Marfat.com

عیسائیوں نے لبلہ اور باجہ کے باشندوں کے ساتھ مل کر مسلمانوں کو ہراساں کرنا شروع کر دیا تھا۔ عبدالعزیز نے بغیر کسی لڑائی کے شہر کو فتح کر لیا۔ اشبیلیہ کی فتح کے بعد لبلہ اور باجہ کے باسیوں نے بھی اطاعت قبول کر لی۔ عبدالعزیز نے اشبیلیہ میں مسلمانوں کو کثرت سے آباد کیا اور انہیں زراعت و فلاحت کی ترقی کے لیے ہر قسم کی سہولتیں مہیا کیں۔ نئے آباد کاروں نے متواتر محنت اور مسلسل ریاضت سے زمین کی کوکھ سے وہ فصلیں پیدا کی ہیں اور وہ پھل اگائے ہیں جو اس سے پہلے یہاں معدوم تھے۔ اشبیلیہ کے لوگوں نے جنہیں ذوقِ حسن سے وافر حصہ ملا تھا ان گنت سیر گاہوں اور پارکوں کی بنیاد رکھی۔ لوگ شام کو اپنا فرصت کا وقت گزارنے یہاں چلے آتے۔ المقری نے طریانہ (Triana) کے پر فضا مقام کا ذکر کیا ہے۔ جہاں پر انگور اور سیب کے پودے کاشت کیے گئے تھے۔ نارنگی، ترنج اور لیموں کی بھی کوئی کمی نہ تھی۔ یہاں کے مکینوں کو بذلہ سنج اور سخن فہم بتایا گیا ہے۔ علامہ شقندی کا یہ قول قابلِ توجہ ہے کہ "اشبیلیہ ایک جنگل ہے مگر اس میں درندہ نہیں اور اس کا دریا (وادی الکبیر) رودِ نیل ہے مگر اس میں نہنگ نہیں"[1]

شوال ۹۴ھ کا اخیر ہو چکا تھا۔ موسیٰ نے طلیطلہ کی طرف کوچ کیا۔ طارق کو جب اپنے محسن اور مربی کی آمد کی اطلاع ملی تو وہ ان سے ملنے کے لئے طلیطلہ سے چل دیا۔ دونوں کی ملاقات طلبیرہ کے قریب ہوئی۔ طارق نے موسیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے

---

[1] المقری، جزو اول، ص ۱۴۹

Marfat.com

کے لئے تمام قیمتی جواہرات اور گرانمایہ موتی اس کے قدموں پر ڈھیر کر دیئے۔ موسیٰ اپنے کوڑے کیساتھ اس پر لپکا۔ طارق نے جو رسم وراہِ منزل سے واقف اور رضاجوئی کے آداب سے آگاہ تھا موسیٰ کو ان محرکات سے مطلع کیا جو پیش قدمی جاری رکھنے کا سبب ہوئے تھے۔ اور معذرت چاہی کہ وہ اپنی جنگی پلان کی منظوری قبل از وقت حاصل نہ کر سکا۔ موسیٰ نے طارق کی معذرت قبول کرتے ہوئے اس سے صفائی کر لی اور اُس سے اپنی خوشنودی ظاہر کی[۱]۔ کانڈے کا خیال ہے کہ دربارِ خلافت سے ہدایات موصول ہونے پر موسیٰ نے طارق کی بیڑیاں کاٹ دیں اور اسلامی افواج کے نعرہ ہائے مسرت کے درمیان طارق کو اپنے منصب پر بحال کر دیا۔ اس روز دونوں نے کھانا اکٹھا کھایا۔ دونوں کے تعلقات میں وہی پہلے کا سا رچاؤ اور وہی پہلے کی سی گرمجوشی موجود تھی[۲]۔ یورپین مورخین کا یہ خیال کہ حاسد موسیٰ نے یہ ثابت کر دیا کہ وہ (طارق) اس کا غلام ہے اور اب تک اسی (برتاؤ) کا مستحق ہے۔ اس کے بعد اس کو قید کر کے اپنے ساتھ طلیطلہ لے گیا، بالکل غلط ہے۔ عرب وقائع نگار کو اس سے اتفاق نہیں۔ موسیٰ حاسد نہیں تھے۔ بلکہ طارق کی تربیت انہوں نے ہی اپنے ہاتھ سے کی تھی۔ اُسے غلامی کی حالت میں اُٹھایا اور آزادی کی حالت میں چھوڑا تھا۔ اس کی فکری قوتوں اور تخلیقی صلاحیتوں کو وہ جلا بخشی

---

۱ المقری، جزو اوّل، ص ۲۵۵

۲ اخبار الاندلس، ج ۱، ص ۲۴۰

Marfat.com

تھی جس سے شخصیت میں موزونیت اور وقار پیدا ہوتا ہے اور زندگی کی آب جو بحرِ ناپیدا کنار بن جاتی ہے۔ طارق صرف رزم و بزم کا صدر نشین ہی نہیں بلکہ قلب و نظر کی سعادتوں کا امین بھی تھا۔ وہ تمام عمر دینِ حق کی خاطر شرارِ بُولہبی سے ٹکراتا رہا لیکن شکست و ہزیمت کے منحوس ہاتھ کبھی اُس تک نہ پہنچ سکے۔

دونوں مل کر آگے بڑھے۔ موسیٰ نے جنگ کے نئے انداز قائم کئے جبر و اکراہ کی بجائے احسان و مروت کو، لوٹ کھسوٹ کی بجائے مہر و وفا کو اور قتل و غارت کی بجائے عفو و درگزر کو اپنا شیوہ بنایا۔ تمام افواج کو جمع کر کے حکم دیا کہ :۔

۱۔ آبادی کو ویرانی میں تبدیل نہ کیا جائے۔

۲۔ رعایا کے مذہبی حقوق کا احترام کیا جائے۔

۳۔ حملے فوجی طریقے کے مطابق صرف مقامات ہی فتح کرنے کے لیے کئے جائیں۔

۴۔ لُوٹ کھسوٹ اور جور و جفا سے پرہیز کیا جائے۔

۵۔ بچوں اور بوڑھوں کو قتل نہ کیا جائے۔ اور عورتوں کی عزت کی جائے۔

۶۔ اگر کسی مسلمان سپاہی نے عمداً احکام کی خلاف ورزی کی اور فرامین سے چشم پوشی کی تو اسے موت کی سزا دی جائیگی۔

فرمائیے! کیا دنیا میں کسی اور مذہب کے پیروکاروں نے یا کسی ملک و ملت کے جانبازوں نے بھی میدانِ جنگ میں ان

Marfat.com

اصولوں کو پیشِ نظر رکھا ہے ؟ مشرکینِ عرب زمانۂ جاہلیت میں جنگی قیدیوں سے جو ناروا سلوک کرتے تھے وہ تاریخ کے طالبِ علم سے کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ۔ عیسائی دیوانوں نے صلیبی جنگوں میں جو مذہب کے نام پر لڑی گئیں اپنے حریفوں پر وہ وہ مظالم ڈھائے ہیں کہ ان کو سُن کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں ۔ پوپ اِن نو سنٹ سوم کی کارگزاریوں کا اگر جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ صقلیہ اور جنوبی فرانس میں اس فرعون صفت اور راسپوٹین نما انسان نے راہزنوں ، بدمعاشوں اور اوباشوں کو تقصیرات کی کلی معافی کی امیدیں دلا کر کس طرح انسان سوز حرکات پر اُبھارا اور کس طرح ایک ایسے نظامِ خانقاہی کی بنیاد ڈالی جس میں فکر و عمل کی تمام قوتیں زنگ آلود ہو گئیں اور تہذیب و اخلاق مذہبی تنگ نظری کی بھینٹ چڑھ گئے ۔ اس نظام نے یورپ کے گلے میں ظلم و استبداد کی وہ پھانسی ڈالی ہے کہ تین سو برس تک اس کی گلو خلاصی نہیں ہو سکی ۔ اگر کسی سلطنت نے ذرا بھی بالغ نظری دکھائی تو اسی نظام نے سازشوں سے اس کا گلا دبا دیا ۔ اور وہ وہ سزائیں دیں کہ ان کی وحشت سے رُوح کانپ اُٹھتی ہے ۔

صلیبیوں نے جو سلوک مسلمانوں کیساتھ معرۃ النعمان ، انطاکیہ اور بیت المقدس کی فتح کے بعد کیا ہے اس کی شکایت تو منصف مزاج صلیبی مورخین تک نے کی ہے ۔ مسلمانوں کو اونچے برجوں یا عمارتوں کے اوپر لیجا کر نیچے گرا دینا ، انہیں میدانوں میں گھسیٹنا ،

Marfat.com

لاشوں کے ڈھیر پر لیجا کر قتل کر دینا اور کتب خانوں کو جلا ڈالنا جیسی قبیح باتیں تو روز کا معمول بن چکی تھیں۔ مسلمانوں نے اپنے دورِ اقتدار میں، جب یہ علاقے دوبارہ فتح ہوئے، ذمّی عیسائیوں سے بدلہ نہیں لیا۔ انھوں نے قرآنِ پاک کی تعلیمات کا کہ "ایک کا بوجھ دوسرے پر نہ ڈالا جائے گا"، پورا احترام کیا۔ ۵۸۳ھ میں جب بیت المقدس دوبارہ فتح ہوا تو یہاں پر ہزاروں عیسائی عورتوں اور بچوں کے علاوہ ساٹھ ہزار سوار اور پیادہ سپاہی موجود تھے۔ فقہائے امت کے اس اصرار کے باوجود کہ ان صلیبیوں سے بدلہ لینا جنھوں نے ضعیف مسلمانوں کو بے دریغ قتل کیا ہے، ان کی املاک کو لوٹا ہے اور ان کی عورتوں کی بے حرمتی کی ہے "قرآنی روح کے خلاف نہیں، صلاح الدین نے آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیروی میں ان سب کی جان بخشی کر دی اور انہیں اپنے وطن واپس لوٹنے کی اجازت دے دی۔ افسوس ہے کہ اس کے باوجود ہم پر یہ الزام ہے کہ ہم لیٹرے ہیں، سفاک ہیں اور بے رحم ہیں۔ ایس۔ پی۔ اسکاٹ کو اس بات کا اعتراف ہے کہ موروں نے تمام جنگیں انہی اصولوں کی اساس پر لڑی تھیں۔ وہ لکھتا ہے۔

"غرض ہر ایک سوار کو چھوٹا سا تانبے کا برتن، ایک چمڑے کا تھیلہ، خورد و نوش کی چیزیں رکھنے کے لئے، اور پانی کی ایک چھاگل دی گئی۔ پیادوں کے پاس سوا ان ہتھیاروں کے اور کچھ نہ تھا۔ خیمہ اور خرگاہ سب

Marfat.com

خچروں پر لادے گئے۔ فوجی اور سیاسی ضرورت سے سخت نظام قائم کیا۔ لوٹ مار کی ممانعت کر دی گئی اور صاف کہہ دیا گیا کہ جو کوئی اس کا مجرم ہوگا، اس کو سزائے موت دی جائے گی۔ البتہ دورانِ جنگ یا کسی شہر پر قبضہ کرتے وقت اس کی اجازت تھی۔ رعایا کے مذہبی احساسات کا احترام کرنے کی تاکید کی گئی اور یہ حکم دیا گیا کہ سوا اس صورت کے کہ مقابلہ ہو یا تشدّد، کسی کی جائیداد کو ذرا سا بھی نقصان نہ پہنچایا جائے۔"

ھَل عِندَکُم مِّن عِلمٍ فَتُخرِجُوہُ لَنَا: کیا تمہارے پاس کوئی دلیل ہے جس کو دنیا کے آگے پیش کر سکتے ہو! تم نے ہمیشہ وہم و گمان اور ظن و قیاس کی پیروی کی ہے اور عمر بھر ان تعصبات کا شکار رہے ہو جنہوں نے حقیقت کے چہرے سے پردہ سرکنے نہیں دیا۔

موسیٰ نے شمالی اندلس کے تمام علاقوں کو چند ہی دنوں میں روند ڈالا۔ یہاں تک کہ سرقسطہ (Saragossa) بھی جو صدر مقام تھا زیرِ اقتدار آ گیا۔ مختلف مقامات سے وفد آتے، حلفِ وفاداری اُٹھاتے اور امان حاصل کرنے کے بعد چلے جاتے۔ آہستہ آہستہ شمال مشرقی حصّے کے تمام ساحلی مقامات برشلونہ، طرکونہ اور جرندہ اسلامی مملکت میں شامل ہو گئے۔ عربوں اور بربروں کو ان علاقوں میں آباد کیا گیا جہاں کی گھر بار مٹی ان کو پسند آ گئی۔

Marfat.com

یہاں سے ان دونوں سرداروں نے راستہ بدلا۔ اور مغربی علاقہ کی طرف رخ کیا، جو غیر آباد پڑا ہوا تھا۔ وہ جلیقیہ اور الیٹریا میں پہنچے جو قوم وزیگاتھ کے باقیات میں سے تھا۔ یہاں پادریوں کی حکومت تھی اور کچھ رؤسا اپنے آپ کو وہاں کا مالک سمجھتے تھے۔ رعایا اپنے تبرکات اور اپنے خانگی خداؤں کو دبائے بیٹھی تھی۔ یہ وہ علاقہ تھا کہ کوئی اور ہوتا تو گھبراکر واپس چلا جاتا۔ مگر عربوں نے وہیں ایک بڑی باشان ذیشکوہ سلطنت کی بنیاد رکھی جو آخر میں ایسی طاقتور ہونے والی تھی۔ کہ جس کے سامنے دنیا بھر کے سر جھک گئے اور دنیا بھر نے اسکو بنگاہِ استعجاب دیکھا۔[1]

یہ دونوں سپہ سالار قیامتیں ڈھاتے، بجلیاں گراتے اور اپنی شمشیر بے نیام کے جوہر دکھاتے جنوبی فرانس میں داخل ہوئے۔ تاریخ شاہد ہے کہ مسلمان فاتحین کی جرأت وہمت اور عزم واستقلال کا جواب نہ رستم اور مردان شاہ ایسے سورما دے سکے اور نہ عتبہ اور شیبہ ایسے باکمال جنگجو۔ موسیٰ کی قوت وہمت بربروں کو نیچا دکھا چکی تھی، صحرائے لیبیا کو پھاند چکی تھی، کوہِ اطلس کی بلند چوٹیوں کو پست بنا چکی تھی اور سبزہ زارِ اندلس کے وسیع میدانوں کو روند چکی تھی۔ اگر موسیٰ کو فلکِ کج رفتار کی میلی آنکھ نے نہ تاک لیا ہوتا اور طارق محلاتی سازشوں کا شکار نہ ہو چکا ہوتا، تو آج یورپ کی تاریخ عجیب انداز سے لکھی جاتی۔

ابھی وہ بہت دور نہ گئے تھے کہ انہیں ایک کتبہ ملا۔ جس پر

---

[1] اخبار الاندلس، ج ۱، ص ۲۴۱

Marfat.com

یہ عبارت درج تھی :۔

"بنو اسمٰعیل! یہ تمہاری آخری سرحد ہے۔ اس سے آگے بڑھنے کی کوشش نہ کرنا"[1] یہ چال اپنوں کی ہو یا بیگانوں کی، بڑی کامیاب رہی اور بربری افواج اپنی ضعیف الاعتقادی کے سبب آگے بڑھنے سے رُک گئیں۔ موسیٰ الٹے پاؤں واپس لوٹے اور شمالی مغربی اندلس کی فتح کے لئے مصروف ہوگئے۔ وہ جہاں گئے حالات نے ان کا ساتھ دیا۔ جنوبی پرتگال کے بہت سے شہر فتح ہوئے اسی اثناء میں ابو نصر موسیٰ کے پاس پہنچ گیا۔ اور دربار خلافت سے واپسی کا فرمان پیش کیا۔ احکام پڑھتے ہی موسیٰ کی آنکھیں پُرنم ہو گئیں۔ اُسے مہمات کو ادھورا چھوڑ کر واپس جانے کا بڑا دکھ ہوا۔

دمشق میں عجیب قسم کی چہ میگوئیاں ہوتیں اور مختلف قسم کی افواہیں گشت لگاتیں۔ موسیٰ اور طارق کے متعلق درباری حلقوں میں ظن وقیاس سے کام لیا جارہا تھا۔ ان کی بے لوث خدمات اور پر خلوص عزیمت کو مشکوک نگاہوں سے دیکھا جارہا تھا۔ درباری بھاٹ اور جی حضوریے ولید کے کان بھرتے کہ ؏

کہیں ایسا نہ ہو جائے کہیں ایسا نہ ہو جائے

موسیٰ نے فرمانِ خلافت کے آگے سرِ تسلیم خم کردیا۔ وہ رمضان ۹۳ھ سے لیکر ذی الحجہ ۹۵ھ تک اندلس میں رہے اور طارق رجب ۹۲ھ سے لیکر ذی الحجہ ۹۵ھ تک۔ موسیٰ نے اپنے لڑکے عبدالعزیز کو جو اس وقت اشبیلیہ کا گورنر تھا۔ اندلس میں نائب

---

[1] تاریخ غزوات العرب، ص ۳۸؛ ابنِ اثیر، ج ۴، ص ۱۹۶

Marfat.com

السلطنت مقرر کیا اور خود دربارِ خلافت میں حاضری کے لئے تیاریاں کرنے لگے۔ عبدالعزیز نہ صرف نڈر فاتح تھا بلکہ تدبیر و سیاست کے اوصاف سے بھی متصف تھا۔ اشبیلیہ اندلس کا دارالسلطنت قرار پایا۔

موسیٰ باشان وتمکین واپس لوٹے۔ قافلے میں قوط خاندان کے وہ شہزادے بھی تھے جن کے گلوں میں سنہرے گلوبند یا "طوقِ بندگی" پڑے ہوئے تھے، وہ امیر اور رئیس بھی تھے جو حریر و دیبا میں ملبوس تھے اور وہ پیکرانِ حسن وجمال بھی جنہیں عالم قدس کے مکیں نظریں چرا چرا کر دیکھتے تھے۔ مالِ غنیمت سینکڑوں اونٹوں اور بیلوں پہ لادا گیا۔ اس میں وہ میز بھی تھی جس کے ۳۶۰ پائے خالص سونے کے بنے ہوئے تھے۔ جس کے اوپر کا تختہ زبرجد سے تراشا گیا تھا اور جس کے اطراف میں قیمتی جواہرات اور موتی ٹنکے تھے۔ اس کے علاوہ درجنوں مرصع تاج، طلائی اینٹیں اور تلواریں تھیں جن میں قیمتی موتی لگے تھے۔ موسیٰ قیروان پہنچے۔ عوام نے اپنے امیر کا گرمجوشی سے استقبال کیا۔ انھوں نے افریقہ کی سلطنت کو اپنے تین بیٹوں عبداللہ، عبدالملک اور عبدالاعلیٰ میں تقسیم کیا اور دمشق کی طرف روانہ ہو گئے۔ موسیٰ سفر کی منزلیں بسرعت تمام طے کر رہے تھے کہ ولیعہدِ خلافت، سلیمان کی طرف سے ایک قاصد ملا۔ اس نے بتایا کہ ولید کچھ دنوں کا مہمان ہے۔ تم یہیں رک جاؤ اور اپنے سفر کی رفتار کو مدھم کر دو۔ اس بات کی بھی درخواست کی کہ دمشق کے شہر میں اس وقت داخل ہونا جب ولید کے بعد سلیمان، سریر آرائے سلطنت ہو چکا ہو۔ لیکن آقائے نعمت سے ملنے کی خواہش اس قدر زیادہ

Marfat.com

تھی کہ موسیٰ نے سلیمان کے حکم کی چنداں پروا نہ کی۔ وہ جمعہ کے دن (فروری ۷۱۵ء) سیدھے جامع دمشق میں پہنچے اور تمام نوادرات اور تبرکات ولید کے قدموں پر نچھاور کر دیئے جو اپنی علالت کے باوجود وہاں نماز ادا کرنے کی خاطر تشریف لائے تھے۔ مال و منال کی کثرت نے جہاں مسلمانوں کو اپنے وجود کا احساس دلایا تھا۔ وہاں قوطی شہزادوں اور اندلسی حسیناؤں کی موجودگی نے اللہ تعالیٰ کیلئے ان کے جذباتِ شکر و احسانمندی کو بھی ابھارا تھا۔

موسیٰ کو دمشق آئے ابھی چالیس دن بھی نہ گزرے تھے کہ ولی نعمت راہیِ ملکِ عدم ہوئے۔ عنانِ حکومت سلیمان کے ہاتھ آئی جو ایک حسین حاسد تھا۔ اس نے موسیٰ پر بددیانتی، کنبہ پروری اور ظلم و عدوان کا مقدمہ چلایا اور اس عظیم انسان پر وہ ظلم ڈھائے کہ الامان[1]۔ موسیٰ کی عمر ۸۰ سال سے زیادہ تھی۔ انہیں کڑکڑاتی دھوپ میں ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا گیا۔ ان کی جائیداد اور املاک چھین لی گئیں اور کوئی دو لاکھ پونڈ جرمانہ کیا گیا۔ موسیٰ نے اپنی باقی عمر انتہائی عسرت اور گمنامی میں گزاری۔ خدم و حشم جا چکے تھے۔ صرف ایک مخلص خادم اس عالمِ بے بسی میں ساتھ رہا۔ تمام عمر وادی القریٰ میں بسر ہوئی۔ جہاں ان کا کوئی شناسا تھا نہ مونس و غمخوار۔ تاریخ سے پتہ نہیں چلتا کہ موسیٰ کے قصہ و قضایا کے بعد طارق کا کیا حشر ہوا[2]۔ اس کی زندگی بھی خمول و گمنامی میں گزر گئی۔ موسیٰ نے ۹۷ھ

---

[1] تاریخ افتتاح الاندلس، ابن القوطیہ، ص ۵۴

[2] اخبار الاندلس، ج ۱، ص ۲۵۰

Marfat.com

میں وفات پائی۔ ؎

بنا کردند خوش رسمے بہ خاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

یہ ہے انجام ان لوگوں کا جن کی مثال تاریخ پیدا کرنے سے قاصر ہے![1] ایس۔ پی۔ اسکاٹ، موسیٰ کے خدوخال اس طرح بیان کرتا ہے:۔

"اُن کی ہمت و استقلال بے نظیر تھی۔ موت اور تکالیف سے ڈرنا جانتے ہی نہ تھے۔ اُن کی فراست اور دُور اندیشی ایسی تھی کہ جس پر الہام کا دھوکا ہوتا تھا۔ اُن کے ذرائع ایسے تھے کہ کبھی ختم ہونے والے نہ تھے۔ ان کا جوشِ دینی دیوانگی کی حد تک پہنچا ہوا تھا۔ وہ ہمیشہ اور ہر وقت رحمتِ الٰہی پر بھروسہ اور توکل رکھتے تھے۔ وہ اپنے جوہر ہائے ذاتی کی وجہ سے اپنی فوج کو اپنا گرویدہ رکھتے تھے۔ اُن کی تقریر ایسی جوش دلانے والی فصیح اور بلیغ ہوتی تھی کہ اس زمانے کے بڑے بڑے خطیب اور واعظ ان کے مقابلے میں گرد تھے۔ وہ اپنے فرائض مذہبی کے سخت پابند تھے۔ اُن کے صوم و صلوٰۃ میں بے انتہا خشوع و خضوع ہوتا تھا۔ ان کی ہوش مندی اور عاقبت اندیشی ضرب المثل تھی۔"[2]

---

[1] پروفیسر ہٹی، ص ۴۱۸

[2] اخبار الاندلس، ج ۱، ص ۲۴۹

موسیٰ بن نصیر کے چلے جانے کے بعد بھی مسلمانوں نے اُن تمام وعدوں کو ایفاء کیا جو کاؤنٹ جولین، تدمیر اور غیطشہ کی اولاد سے کیے گئے تھے۔ کاؤنٹ جولین کو سبتہ کی ریاست لبطور انعام بخش دی گئی۔ تدمیر کو اپنے علاقہ کی حکمرانی عطا ہوئی۔ اوپس کو طلیطلہ کا گورنر بنا دیا گیا۔ اور خاندان غیطشہ کو راڈرک کی خاص جاگیریں جو زمین کے تین ہزار ٹکڑوں پر مشتمل تھیں لبطور جاگیر خاص دے دی گئیں۔ فاتحین نے سب سے پہلے عوام اور کاشتکاروں کی فلاح وبہبود کی طرف توجہ دی۔ یہ خانماں برباد لوگ جو آبادی کا بہت بڑا حصہ تھے، زندگی سے مایوس ہو چکے تھے۔ افلاس کے بھوت نے ان کے تنِ مردہ سے نہ صرف گوشت ہی کو نوچ ڈالا تھا بلکہ ان کی بہو بیٹیوں کو اپنی عزت اور عفت ہوس پرست آقا اور سرکش مالک کی تسکین جذبات کے لئے جھوٹی کوڑیوں کے عوض فروخت کرنے پر بھی مجبور کر دیا تھا۔ حکومت کے تمام ٹیکس اور محاصل انہیں برداشت کرنے پڑتے تھے۔ محنتِ شاقہ تو یہ کرتے، لیکن ثمراتِ محنت سے جھولیاں سرمایہ دار طبقہ بھرتا۔ ان پر جبر وتشدّد کیا جاتا۔ انہیں کوڑوں سے پیٹا جاتا اور ان کے ساتھ ہر ناروا سلوک روا رکھا جاتا۔ عربوں نے ان کی حالت کو یکسر بدل ڈالا۔ کئی ایک ناجائز ٹیکسوں کا بوجھ دُور کر دیا گیا اور باقی محاصل کے لئے قانون وضع کئے گئے تاکہ افسرِ مجاز اپنی مرضی کے مطابق کمی بیشی نہ کر سکے۔ کاشتکار کو اپنی پیداوار کا $\frac{4}{5}$ حصّہ زمیندار کو دینا ہوتا تھا۔ جو لوگ سرکاری زمین کی کاشت کرتے انہیں پیداوار کا $\frac{1}{3}$ حکومت کو دینا پڑتا۔

Marfat.com

زمیندار اپنی آمدنی کا بیس فیصد خزانۂ عامرہ میں جمع کراتے اس کے علاوہ زراعت کی ترقی کے لیے ہرطرح کی سہولتیں مہیا کی گئیں ۔تاکہ کاشتکار اور نو آبادکار اطمینان کی زندگی بسر کرسکیں اور ملک کی پیداواری قوتوں میں اضافہ کرسکیں ۔ دربارِ خلافت سے ان تمام مواعید کی تصدیق کردی گئی جو طارق نے موسیٰ کی آمد سے پہلے رؤساءِ گاتھ سے کر رکھے تھے اور جن میں آقا اور غلام ، بادشاہ اور رعایا کے حقوق و فرائض کی تفصیلات درج تھیں ۔ ان میثاقات کی بہت سی شقیں عیسائی زہبوں سے بھی متعلق تھیں ۔ عدلیہ کے سامنے مجرم کو ، امیر ہو یا غریب ، بہتر ہو یا کہتر ، برابر کا سزاوار ٹھہرایا گیا ۔ مسلمانوں نے اس قلیل مدت میں ایسا موثر نظام حکومت قائم کیا جس کے سبب امن و رافت کے دور کا آغاز ہوا ۔

یہودیوں کے ساتھ رواداری برتی گئی اور انہیں کلیساء کی استبداد نوازیوں سے بچا لیا گیا ۔ جن لوگوں کو جبراً بپتسمہ دیا جاتا تھا انہیں اب آزادی کے ماحول میں پھلنے پھولنے کا موقع میسر آیا ۔ کاؤنٹ جولین اور تدمر ہمیشہ عیسائی رہے ، اگرچہ ان کی آئندہ نسلیں اسلامی تعلیمات سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکیں ۔ کاؤنٹ جولین کا پرپوتا ابوسلیمان ایوب اپنے زمانے کا بہت بڑا فقیہہ ، ذکی اور فہیم تھا ۔ اس کا شمار اکابر علماء میں ہوتا ہے ۔

Marfat.com

Marfat.com

○ عبدالعزیز بن موسیٰ کا ملکی نظم و نسق۔

○ لوگوں کی بدگمانیاں اور عبدالعزیز کا قتل۔ موسیٰ بن نصیر کے خاندان کا خاتمہ۔

Marfat.com

باب ۵

موسیٰ کی اندلس سے روانگی کے بعد ان کا لڑکا عبدالعزیز تاجدار اندلس کے لقب سے مشہور ہوا۔ وہ کامران فاتح اور کامگار حکمران تھا۔ اُس نے امورِ سلطنت کو بڑی ہوشمندی، یکسوئی اور تدبر و فراست سے سرانجام دیا۔ وہ نہ صرف اندرونی شورشوں کو دبانے، بغاوتوں کو فرو کرنے اور راستوں کو رہزن اور لیٹروں سے محفوظ کرنے میں ہی کامیاب ہوا بلکہ اس نے سلطنت کی حدود کو بھی سواحلِ لیوسی ٹانیا، کوہستان بسکے اور نوآر تک وسعت دی۔ سرحدات پہ مضبوط قلعے تعمیر کروائے اور وہاں منظم فوج متعین کی تاکہ بیرونی حملہ آوروں کی روک تھام کی جا سکے۔ مقدمات کے فیصلوں اور عدل و انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے عبدالعزیز نے عدالتیں قائم کیں اور ایسے قاضی مقرر کئے جو علم و فضل، زہد و تقویٰ اور عدل و انصاف کے لئے مشہور تھے عیسائیوں کے مقدمات کے فیصلے انہی کے قانون کے مطابق کئے جانے لگے۔ محصولوں اور ٹیکسوں کی وصولی کے لئے محصل نامزد کئے۔ کاشتکاروں کو زراعت و فلاحت کی طرف توجہ دلائی۔ زرخیزی اور

Marfat.com

خوشحالی بڑھانے کے وسائل بہتر بنائے گئے۔ ان انتظامات سے تجارتی
کاروبار میں چہل پہل شروع ہوئی ۔ اس طرح کئی سالوں کی بڑائی
اور بربادی کے آثار تمام جزیرہ نما سے مٹنے لگے ۔ اگر کسی پر جبر و
تشدد ہوتا تو مجرم کو سزا دی جاتی ۔ سماجی تحفظات کے مل جانے سے،
عوام کا اپنے نئے حکمرانوں پر اعتماد بڑھتا گیا۔

عبدالعزیز نے اس وسیع مملکت کو الگ الگ صوبوں میں
تقسیم کر دیا اور ہر صوبے کے لئے موزوں والی نامزد کیا جو اپنے علاقے
میں خوشحالی، رعایا کی بہتری اور عدل وانصاف کے قیام کا ذمہ دار
تھا، تدمیر اور خاندانِ قوط کے شہزادے جن علاقوں میں والی مقرر
ہو چکے تھے، انہیں اپنے منصب پر فائز رہنے دیا گیا۔ ان معاہدات
کی توثیق اور تجدید کر دی گئی جو موسیٰ نے اپنے عہدِ حکومت میں ان
لوگوں کے ساتھ کئے تھے۔

عبدالعزیز زیادہ عرصہ کے لئے زمامِ حکومت نہ سنبھال سکا۔ سلیمان کی قہرمانی
بجلیوں نے نہ صرف موسیٰ اور طارق کو ہی اپنا نشانہ بنایا بلکہ اس تمام آشیانے کو
بھی خاکستر کر دیا جو ایک طرف زہد و ورع اور فہم و فراست کیلئے اور دوسری
طرف ہمت و شجاعت اور جرأت و بسالت کیلئے مشہور تھا۔ عبدالعزیز کا اس سے
زیادہ اور کیا گناہ ہو سکتا تھا کہ وہ معتوب موسیٰ کا لڑکا تھا۔ سلیمان جلد ہی
عبدالعزیز کے درپئے آزار ہو گیا۔ اور سردارانِ اندلس سے ساز
باز شروع کی۔ ان کے ذریعے اس نے ایسے قصوں کو ہوا دی
جن کی وجہ سے نہ صرف عوام ہی بدظن ہوئے بلکہ افواج بھی اپنے
محبوب بادشاہ سے بگڑ بیٹھیں۔ طامع اور حریص لوگوں نے عبدالعزیز

Marfat.com

کو رجب سنہ ۹۷ھ کی ایک صبح کو جب وہ فجر کی نماز ادا کر رہے تھے شہید کردیا[۵۱] انا للہ وانا الیہ راجعون ٥

اندلس پر تسلط جما لینے کے بعد عبدالعزیز نے سابق شاہِ اندلس راڈرک، کی ملکہ انجیلونا سے شادی کرلی۔ ملکہ کے اعضاء متناسب تھے اور قدرت نے اسے جوانی کی تمام سرمستیوں اور شباب کی تمام رعنائیوں سے نوازا تھا۔ اس نے اپنا مذہب تبدیل نہ کیا بلکہ عیسائی مذہب پر قائم رہ کر عبدالعزیز کے عقد میں داخل ہوگئی۔ اس ناظورۂ دلفریب نے تاجدارِ اندلس کو ایسا مفتون کیا کہ وہ دونوں اشبیلیہ سے باہر کلیساء اینیہ میں سکونت پذیر ہوگئے۔ شرپسندوں نے عوام کے درمیان نہ صرف ان کی داستانِ محبت کی ہی تشہیر کی بلکہ عبدالعزیز پر عیسائی ہونے کا الزام بھی لگایا، کہا جاتا ہے کہ عبدالعزیز نے وارفتگی میں ایک زرنگار تاج پہنا اور درباریوں کو حکم دیا کہ وہ دربارِ شاہی میں داخل ہوتے وقت شاہی آداب بجالایا کریں۔ محل کا دروازہ اتنا چھوٹا کردیا گیا کہ لوگوں کو تعظیم کی خاطر گردن جھکا کر داخل ہونا پڑتا۔[۵۲] نابغہ تمیمی اور حبیب فہری نے ان واقعات کو مبالغہ کے ساتھ فوج کے افسروں میں مشہور کردیا۔ اراکینِ سلطنت اور افسرانِ فوج نے ان واقعات کی چھان پھٹک کے بغیر ہی جو ان تک فاسقین نے پہنچائے تھے یہ فیصلہ کرلیا کہ وہ عبدالعزیز کی بادشاہت کو ختم کرکے ہی دم لیں گے۔

---

[۵۱] تاریخ افتتاحِ اندلس، ابن القوطیہ، ص ۵۳۔

[۵۲] پروفیسر ہٹی، ص ۵۰۳

سلیمان کی یہ تدبیر چل گئی اور عبدالعزیز ایک دن جب کہ وہ صبح کی نماز پڑھا رہے تھے اور سورہ فاتحہ ختم کرنے کے بعد سورہ واقعہ کی قرأت شروع کرنے والے تھے، شہید کر دیئے گئے۔ ان کا جسدِ خاکی تو قریب کے محل میں سپردِ خاک کر دیا گیا لیکن ان کا سر حبیب بن عبیدہ فہری نے (جو سازش کنندگان میں سے ایک تھا) سلیمان کے پاس دمشق بھجوا دیا۔ موسیٰ کو جو ان دنوں قید میں تھے حاضر کیا گیا اور انہیں "ابنِ صالح" کے سر کو دیکھنے اور اپنی قسمت کی چیرہ دستیوں کا نظارہ کرنے کا موقعہ دیا گیا۔ موسیٰ کے دل پر جو قیامت گذری ہوگی اس کا احساس تو دلِ حساس ہی کر سکتا ہے۔ فرمانے لگے: "اس کو جامِ شہادت نوش کرنا مبارک ہو۔ واللہ! وہ راتوں کو جاگنے والا اور دن کو روزہ رکھنے والا تھا۔"[1]

"غرض اس طرح ایک فردِ فرید جو فنونِ جنگ میں اپنے زمانے کے سب سے زیادہ مشہور آدمی تھے، جن کی فہم و فراست اور لیاقت و قابلیت سے یہ امید تھی کہ وہ ان سیاسی گتھیوں کو سلجھا لیں گے جو جدید شاہِ اندلس کو پیش آ رہی تھیں ختم ہو گیا۔ چند ہی دنوں کے بعد ان کے بھائیوں کا بھی وہی حشر ہوا جو خود ان کا ہوا تھا۔"[2] عرب مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ عبدالعزیز کے عہدِ حکومت میں اندلس کے بہت سے شہر فتح ہوئے اور ان کے حسنِ تدبر سے اندلس میں اسلامی سلطنت کی داغ بیل ڈالی گئی۔

---

[1] تاریخ افتتاح الاندلس، ابن القوطیہ، ص ۵۴

[2] اخبار الاندلس، ج ۱، ص ۲۶۴

Marfat.com

Marfat.com

- ایوب بن حبیب لخمی کی امارت اور معزولی، حُر بن عبدالرحمٰن ثقفی کی جانشینی۔
- صخرہ پلائی میں نئی حکومت کے لئے عیسائیوں کی جدوجہد اور پلایو کا عروج۔
- سمح بن مالک خولانی کی زرعی اصلاحات اور تعمیراتی پروگرام۔
- جنوبی فرانس کی فتح۔ سمح کی شہادت۔
- عنبسہ بن سحیم کلبی کا دورِ امارت اور پلایو کے ساتھ لڑائی۔
- اربونہ اور قرقشونہ کی فتح۔
- کلبی اور قیسی گروہوں کی باہمی کشمکش۔
- عبدالرحمٰن بن غافقی کا دوبارہ تقرر، اصلاحات اور دورِ امن کی ابتدا۔
- جنوبی فرانس پر تاخت اور ڈیوک آف اکوئین کی شکست۔
- غافقی کی شہادت۔
- عقبہ بن حجاج کی اصلاحات۔
- عربوں کے درمیان عصبیتوں کا جاگ اُٹھنا۔
- شامی افواج اور بربروں کے باہمی جھگڑے۔
- ابوالخطار کا برسرِ اقتدار آنا اور قبائلی جھگڑوں کا خاتمہ۔
- ابوالخطار اور صمیل کے باہمی اختلافات۔
- ابوالخطار کا شندونہ کی لڑائی میں شکست کھانا۔
- یوسف کا عہدِ امارت۔ حالات کی ناسازگاری اور عبدالرحمٰن الداخل کی آمد۔

Marfat.com

باب ۶

سلیمان نے اپنے دل کے ابال تو نکال لیے لیکن عبدالعزیز کے قتل کے بعد وہ کسی موزوں آدمی کو اندلس کا والی مقرر نہ کر سکا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ وہ جلد بازی میں ایسا کرنا ہی بھول گیا۔ اشرافِ عرب نے خود ہی ایک تجربہ کار اور سن رسیدہ فوجی افسر ایوب بن حبیب لخمی کو اپنا امیر مقرر کیا۔ ایوب کا شمار اندلس کے صالح، ہوش مند اور مہم جو لوگوں میں کیا جاتا ہے۔ اُنھوں نے عنانِ حکومت سنبھالتے ہی دارالخلافت کو اشبیلیہ سے قرطبہ بدل دیا چونکہ "یہ مقدّر ہو چکا تھا کہ جب تک یہ فاتحین سرزمینِ اندلس پر رہیں اس مقام کو یورپ میں وہی عظمت حاصل رہے جو مکّہ (مکرمّہ) کو ایشیاء میں ہے۔ یہ جگہ اخلاق و تہذیب کا مدرسہ ہو، سائنس اور صنعت کا مسکن ہو۔ تمام دنیا کے مسلمان اس کو حیرت کی نظر اور جلالت کی نگاہ سے دیکھیں۔ دنیا بھر کے عالم بلا لحاظِ ملک و ملّت اس کو اپنا قبلۂ حاجات جانیں۔"

ایوب نے رعایا کی بہتری کے لیے عملی تدبیریں اختیار کیں۔ خرابیوں کے سدِباب کے لیے دور دراز علاقوں کا دورہ کیا۔ لوگوں کے مسائل

Marfat.com

کو سنا اور انہیں حل کرنے کے لئے عمال کو ہدایات جاری کیں۔ مشرقی اندلس کے شہروں کو دیکھنے اور وہاں پر قیام کرنے کے بعد امیر سرقسطہ پہنچے جہاں حنش بن عبداللہ گورنر تھے۔ حنش اُن گنے چُنے لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے صفحہ دہر پر اپنے قلم اور تلوار دونوں کے نقش چھوڑے ہیں۔ ان کی تلوار کے کارنامے تو مصر، افریقیہ اور المغرب نے دیکھے مگر ان کے رشحاتِ قلم سے اندلس کے اہلِ علم مستفیض ہوئے۔ وہ موسیٰ بن نصیر کے ساتھی تھے اور اب سرقسطہ میں رہائش پذیر ہو گئے تھے۔

ایوب نے سرحدات کی حفاظت کے لئے پرانے قلعوں کی مرمت کروائی اور نئے قلعے تعمیر کروائے۔ وہ چونکہ لخمی خاندان کے فرزند تھے اور موسیٰ بن نصیر کے قریبی رشتہ دار اس لئے مرکزی حکومت نے ان کی ولایت کی تصدیق کرنے سے انکار کر دیا۔ ان کی بجائے حر بن عبدالرحمٰن ثقفی کو امیر اندلس بنا کر بھیجا گیا۔

حُر بن عبدالرحمٰن ثقفی نے ۹۸ھ میں اپنے نئے عہدے کا چارج سنبھالا۔ معلوم ہوتا ہے کہ عوام ان سے ناخوش تھے اور اشراف ان سے بیزار وہ سخت گیر تھے اور عفو و درگزر سے ناآشنا۔ ایک ایسے دور میں جب کہ ملّی استحکام کی خاطر عوام میں خود اعتمادی پیدا کرنا اور انہیں ملکی کاموں میں شریک و سہیم بنانا نہایت ضروری تھا اُنھوں نے تنگ نظری اور طبعی خشونت سے تمام افسران کو بدظن کر دیا۔ ملکی معاملات میں مسلمانوں کی عدم دلچسپی کا نتیجہ یہ ہوا کہ عیسائیوں نے اپنی "گم گشتہ راہ بھیڑوں" کو اکٹھا کرنا شروع کر دیا اور کوواڈونگا میں جسے عرب مورخین نے صخرہ بلائی کے نام سے یاد کیا ہے پناہ لی۔ یہ مقام پہاڑوں کی قدرتی قلعہ بندیوں

Marfat.com

کے سبب ان تمام عیسائی جماعتوں کے لیے سیاسی سرگرمیوں کا مرکز بن گیا جو اندلس میں عیسائی حکومت کا خواب پورا کرنے کے خواہش مند تھے۔

ان لوگوں کو ایک فوجی افسر پلایو کی رہنمائی بھی حاصل ہو گئی جو راڈرک کی افواج میں اعلیٰ فوجی عہدوں پر فائز رہ چکا تھا۔ پلایو نے جلد ہی عیسائیوں کی ایک مضبوط تنظیم قائم کر لی۔ اور انہیں نئے ولولوں اور ارادوں سے ہمکنار کیا۔ کووا ڈونگا آہستہ آہستہ ایک ایسا مرکز بن گیا جہاں دور دراز سے عیسائی آکر بسنے لگے۔ کچھ پادری صاحبان بھی تبرکات لے کر یہاں پہنچ گئے اور اپنی لاف و گزاف سے لوگوں میں مذہبی جنون پیدا کرنے لگے۔ ابتداء میں مسلمانوں نے اس دور افتادہ اور بے آباد علاقے کو چنداں اہمیت نہ دی لیکن جب انہیں معلوم ہوا کہ یہ "نوزائیدہ سلطنت" آئندہ کی ایک مضبوط مملکت بننے والی ہے تو انھوں نے اس پر فوج کشی کی۔ اسلامی افواج علقمہ کی سرکردگی میں یہاں پہنچیں۔ لیکن جو نہی وہ پہاڑی سلسلہ کو طے کرنے کے بعد کووا ڈونگا کی وادی میں داخل ہوئیں تو عیسائیوں نے اپنی کمین گاہوں سے نکل کر مسلمانوں پر ایسی یورش کی کہ سینکڑوں مجاہدین وہیں کھیت ہو گئے۔ جو تیروں اور پتھروں کی بارش سے بچ نکلے وہ سفر کی صعوبتوں کی تاب نہ لا کر راستے میں ہی دم توڑ گئے۔ عیسائی مورخین نے اس لڑائی کو غیر معمولی اہمیت دی ہے۔ اور اسے حکومتِ ایسٹریاس کے قیام کا سبب ٹھہرایا ہے۔ بعض نے اس معرکے کو ایسی فتح قرار دیا ہے

Marfat.com

جس نے عیسائیت کے تنِ مردہ میں نئی روح پھونک دی۔ اگرچہ اس سلطنت کی حدود زیادہ لمبی چوڑی نہیں تھیں لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ حکومتِ ایسٹریاس کی بنیاد اسی لڑائی کے بعد پڑی۔

لوگ حُر بن عبدالرحمٰن ثقفی سے پہلے ہی بدظن تھے۔ کوداڈونگا کی لڑائی میں شکست کے بعد وہ اور بھی بگڑ گئے۔ انھوں نے دربارِ دمشق میں حُر کو معزول کرنے کی درخواست کی جس کی منظوری فوراً ہی بھجوا دی گئی۔ حُر کی بجائے سمح بن مالک خولانی کو نیا امیر مقرر کیا گیا۔

سمح بن مالک خولانی رمضان ۱۰۰ھ میں اندلس پہنچے ان کا انتخاب حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے خود کیا تھا۔ وہ ان کی دین داری، زہد و تقویٰ اور فہم و فراست سے بہت متاثر تھے۔ سمح نے اندلس پہنچتے ہی تمام مفتوحہ زمینوں کا جائزہ لیا اور وہ جس جس طرح سے فتح ہوئی تھیں، ان کی تفصیلات تیار کیں تاکہ عُشر اور خراج کا فیصلہ شرعی احکام کے مطابق کیا جا سکے۔ انھوں نے ملک میں اقتصادی نظام قائم کرنے کے لیے مختلف شہروں کے حالات، ساحلی شہروں کے مکانوں کی کیفیت، تجارت کے وسائل اور سامانِ تجارت کی نوعیت اور زرعی اور معدنی دولت کی حدود متعین کرنے کے لیے موزوں لوگوں کا تقرر کیا۔ اُنھوں نے بنجر زمینوں کو آباد کرنے کیلئے کاشتکاروں کو ہر قسم کی مراعات دیں اور ان کی حوصلہ افزائی کی۔ سمح نے ملک کے شرعی خمس کو جو دمشق بھیجا جاتا تھا اندلس میں ہی ضروری منصوبوں کی تکمیل کے لئے روک لیا۔ اس رقم سے قرطبہ کے عظیم پل کی تعمیر

Marfat.com

کروائی اور شہر کی فصیل کو اَز سرِ نو تیار کروایا[1]۔ ان منصوبوں کی تکمیل سے اشیاءِ تجارت کی نقل و حمل اور بیرونی حملوں سے مدافعت میں بڑی مدد ملی۔

سمح نے مفید اصلاحات نافذ کرنے کے بعد نئے علاقوں کی فتح کے لئے قدم اُٹھایا۔ اُنھوں نے اپنے حملوں کی ابتدا ناربونینس (جنوبی فرانس) سے کی۔ یہ علاقہ اپنی زرخیزی اور تمدنی برتری کے لئے خاص اہمیت رکھتا تھا۔ سپٹیمانیہ کے پایہ تخت اربونہ کو تاخت و تاراج کیا گیا۔ اگرچہ یہ علاقہ موسیٰ کے زمانے میں بھی مسلمانوں کے زیرِ اقتدار آیا تھا لیکن کچھ مدت کے بعد مسلمانوں کی اس پر گرفت ڈھیلی ہو گئی تھی۔ اس مرتبہ مسلمانوں نے کلیساؤں کی دولت سے خوب ہاتھ رنگے۔ کلیسائے جہاں پر ذکر و فکر، عاجزی و فروتنی اور مجاہدہ و ریاضت کی جگہ ریاکاری، تن آسانی اور فساد و عناد نے لے لی تھی۔ عیسائیوں کو اربونہ کے چھن جانے کا بڑا افسوس ہوا۔ انھوں نے کئی بار اس شہر کو اپنی تحویل میں لینے کی کوشش کی لیکن وہ ہر بار ناکام رہے۔ یہ علاقہ ۷۹۱ء تک مسلمانوں کے پاس رہا۔

اربونہ کی فتح کے بعد مسلمانوں نے صوبہ ایکوتانیہ کا رُخ کیا۔ اور اس کے مرکزی شہر طلوشہ کا محاصرہ کر لیا۔ محاصرہ کئے ابھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ ڈیوک آف ایکوٹین جو کسی لڑائی سے واپس آ رہا تھا اچانک اسلامی فوج کے عقب میں آ پہنچا۔ مسلمان بڑی پامردی سے لڑے اور محاصرہ توڑنے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن بے سود۔

---

[1] تاریخ غزوات العرب، ص ۵۷

Marfat.com

سمح بن مالک خولانی شوقِ شہادت میں کئی بار آگے بڑھے آخر جام شہادت ان تک پہنچ ہی گیا۔ یہ حادثہ جون ۷۲۱ء میں پیش آیا۔ سمح کی شہادت نے مسلمان لشکریوں کو بددل کر دیا اور ان کے پاؤں اکھڑ گئے۔ کانڈے نے اس لڑائی میں مسلمانوں کی جرأت و ہمت اور عزمیت و استقلال کی دل کھول کر داد دی ہے۔ وہ لکھتا ہے " سمح بن مالک خولانی نے جنگ کے دوران اپنی آتش بیانی سے افواج کے حوصلوں کو بلند رکھنے کی کوشش کی اور انہیں دشمن سے ہراساں نہ ہونے کی تلقین کی۔ دونوں فوجیں ایک دوسرے سے اس طرح گتھم گتھا ہوئیں جیسے فرازِ کوہ سے گرنے والی دو آبشاریں آپس میں ٹکرا جائیں۔ کئی روز تک کامیابی کی گیند دونوں فوجوں کے درمیان معلّق رہی۔ کبھی وہ ایک طرف جھکتی اور کبھی دوسری جانب لڑھکتی نظر آتی۔ سمح ہر جگہ دکھائی دیتے۔ ایک بپھرے ہوئے شیر کی طرح۔ ان کی موجودگی سپاہیوں کو حوصلہ دلاتی اور انہیں حریف کے مقابلے میں مستقل مزاج رہنے کی جرأت دلاتی۔ فوج اگر کبھی ان کے الفاظ نہ سن سکتی تھی تو وہ ان کے عظیم کارناموں کو دیکھ سکتی تھی جو خلوص، عزم اور مردانگی سے عبارت تھے۔ دشمن کا خونِ رگِ جاں ان کی کہنیوں سے بہہ رہا تھا۔ وہ جونہی حملے کی غرض سے اُبھرتے، دشمن کی جان کانپ کانپ جاتی۔ وہ دشمن کی صفوں کو چیرتے ہوئے بے جھجک آگے بڑھتے گئے۔ قسمت کا لکھا پورا ہونا تھا کہ دشمن کا ایک تیر ان کے سینے میں پیوست ہو گیا"[۱] تیر نے دل کی پہنائیوں کی خوب داد دی

---

[۱] کانڈے، ج ۱، ص ۹۵-۹۶

Marfat.com

وہ خود تو اپنے مالکِ حقیقی سے جا ملے اور فوج کی کمان عبدالرحمٰن غافقی کے سپرد کر گئے جو شجاعت کے ساتھ ساتھ اخلاق کے اعلیٰ اوصاف سے بھی متصف تھے۔

عبدالرحمٰن غافقی نے بڑی مشکل سے مسلمان لشکریوں کو دشمن کے نرغے سے بچایا۔ اگرچہ مسلمانوں کی شکست نے باقی عیسائی ریاستوں کو بغاوت پر آمادہ کر دیا تھا لیکن غافقی نے اپنے تدبر اور فراست سے انہیں دبائے رکھا اور ان سے خراج کی وصولی کرتے رہے۔ انہیں قرطبہ لوٹے زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ انہیں معزول کر دیا گیا اور ان کی بجائے عنبسہ بن سحیم کلبی کو اندلس کی امارت سونپی گئی۔

عنبسہ بن سحیم کلبی ۷۲۱ء میں اندلس پہنچے۔ وہ عربوں کے اس گروہ سے تعلق رکھتے تھے جسے "کلبی" کہا جاتا ہے۔ غافقی کی معزولی غالباً اس لئے ہوئی تھی کہ وہ "قیسی" قبیلے کے فرزند تھے۔ عنبسہ نے انتہائی دانش مندی کا ثبوت دیتے ہوئے غافقی کو مشرقی اندلس کا گورنر مقرر کر دیا جسے انہوں نے بخوشی قبول کر لیا۔

عنبسہ چونکہ کلبی خانوادے کے چشم و چراغ تھے، اس لئے یمانیوں نے انہیں بھرپور تعاون کا یقین دلایا اور نظم و ضبط کو بہتر بنانے میں پوری طرح سے مدد کی۔ امیر حکومت کی بدنظمیوں کو دور کرنے کے بعد پلایو کو اپنے راستے سے ہمیشہ کے لئے ہٹا دینا چاہتے تھے تاکہ جلیقیہ میں عیسائیوں کی طاقت منتشر ہو جائے۔ اور مسلمان اندلس کو مرفہ حال بنانے کے لئے زیادہ دلجمعی سے کام کر سکیں۔ مسلمان افواج نے پلایو اور اس کی حامی جماعتوں پر اس قدر حملے کئے کہ وہ

Marfat.com

پہاڑوں کی ان کھوؤں سے بیزار ہو گئے جہاں انھوں نے نئی سلطنت کی داغ بیل ڈالنے کا خواب دیکھا تھا۔ تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ پلایو بے آسرا رہ گیا اور کوئی تیس کے قریب آدمی اس کی مفلسی میں اسے سہارا دینے کے لئے باقی رہ گئے۔ پلایو زیادہ عرصہ زندہ نہ رہا اور اس کی تنہائی اس کے لئے جان لیوا ثابت ہوئی۔ مقری کا کہنا ہے کہ:۔

"مسلمان اندلس کے عیسائیوں پر غالب آچکے تھے اور انہیں جلاوطن کر چکے تھے۔ مسلمانوں نے اربولہ (ناربون) جو ملک فرنگ میں واقع ہے اور بنلونہ جو جلیقیہ میں واقع ہے حاصل کر لئے تھے۔ صرف وہی ایک پہاڑی حصہ باقی رہ گیا تھا جہاں ان کا ایک حکمران (پلایو) چمٹ کر رہ گیا تھا۔ وہ تین سو آدمیوں کے ساتھ اس علاقے میں داخل ہوا تھا۔ مسلمان متواتر ان سے جنگ کرتے رہے یہاں تک کہ ان میں سے بہت سے آدمی فاقے سے مر گئے۔ صرف تیس مرد اور دس عورتیں باقی رہ گئیں۔ ان کی غذا سوائے شہد کے اور کچھ نہ تھی جس کو وہ چٹانوں سے نکالا کرتے تھے۔ اور وہی ان کی قوت لایموت تھی۔"

ابن حیان کا خیال ہے کہ اگر پلایو اور اس کے مددگار عیسائیوں کی بروقت خبر لی گئی ہوتی تو وہ آئندہ اپنی تعداد اور قوت میں اس قدر اضافہ نہ کر سکتے کہ ان کے جانشین اسلامی حکومت کے زوال کا باعث

Marfat.com

بلتے۔ جن مُٹھی بھر کوہ نشینوں کو عرب حقارت سے دیکھا کرتے تھے آخر وہی انتزاعِ سلطنت کا باعث ہوئے۔ اور جو آگ پلایو اور اس کے ساتھیوں نے لگائی تھی اُسی نے آٹھ سو سال بعد اندلس کی اسلامی حکومت کو جھُلس ڈالا" افعی کشتن و بچہ اش نگہداشتن کارِ خردمنداں نیست" جس طرح پہلے درست تھا اسی طرح آج بھی صحیح ہے۔

عنبسہ نے پلایو کو شکستِ فاش دینے کے بعد، فرانس پر حملہ کرنے کی تیاری شروع کی۔ تاکہ طلوشہ کی لڑائی کا بدلہ لیا جاسکے۔ فنِ حرب سے واقف لوگوں کو جمع کیا گیا۔ ان کی تنظیم و تربیت کی گئی۔ یہ یقین کر لینے کے بعد کہ جہاد میں شرکت کرنے والے جنگ کے مفہوم اور اسلوب سے واقف ہیں اور نظم و ضبط کے معنی سے آگاہ ہیں، افواج کو جنوبی فرانس کے علاقہ سپٹیمانیہ کیطرف کوچ کرنے کا حکم دیا گیا۔ اسلامی افواج دشمن کے خلاف جرأت و لبسالت سے لڑیں اور فرانسیسی افواج کو جھنجوڑ کر رکھ دیا۔ ۷۲۴ء میں قرقشونہ فتح ہوگیا اور دشمن کے ہزاروں سپاہی میدانِ جنگ میں کام آئے۔ یہ شہر آج بھی فرانس کے نقشہ پر ناربون کے پہلو میں نظر آتا ہے۔ شہر والوں نے اپنی پسپائی کے پیشِ نظر صلح چاہی۔ شرائطِ صلح درج ذیل ہیں:۔

۱۔ قرقشونہ کے ضلع کا نصف رقبہ اربونہ کی سلطنت کے تحت رہیگا جو اس کے انتظام کے لئے ذمہ دار ہوگی۔

۲۔ قرقشونہ کی عیسائی رعایا ناربون (داربونہ) کی سیادت اور نگرانی کو قبول کرے گی۔

۳۔ جزیہ کی مقررہ رقم ہر سال معینہ مدت کے اندر ادا کی جائیگی۔

Marfat.com

۴۔ قرقشونہ کی عیسائی حکومت اربونہ کی اسلامی سلطنت کی حلیف رہے گی۔

۵۔ قرقشونہ میں تمام مسلمان قیدیوں کو فوراً رہا کر دیا جائیگا۔

عنبسہ نے اپنی عالی ہمتی اور مستقل مزاجی سے سپٹمانیہ کے پورے صوبے کو روند ڈالا۔ جب تک ناربون مسلمانوں کے زیرِ اقتدار رہا یہ علاقہ حکومتِ اندلس کا باجگزار رہا۔ اس کے بعد مسلمانوں نے لوذدن پر تاخت کی۔ ایسے وقت میں جب دشمن میدانِ کارزار سے جان کے خوف سے بھاگ رہا تھا اور کامیابی مسلمانوں کے قدم چومنے والی تھی۔ عنبسہ بن سحیم کلبی کو ایک تیر نے گھائل کر دیا۔ یہ سانحہ جنوری ۷۲۶ء کا ہے۔ اسلامی افواج نے عذرہ بن عبداللہ فہری کو اپنا امیر مقرر کیا۔ عذرہ نے لوذدن کی فتح مکمل کرنے کے بعد قرب وجوار کے ان علاقوں پر حملے کئے جہاں کی رعایا شوریدہ سر ہو چلی تھی۔ عذرہ کو ان مہمات کی تکمیل کے بعد قرطبہ آئے ابھی دو ماہ بھی نہ گزرے تھے کہ انہیں معزول کر دیا گیا اور ان کی بجائے یحییٰ بن سلمہ کلبی کو امیر مقرر کیا گیا۔ ۷۲۶ء سے لے کر ۷۳۱ء تک چار والیوں نے یکے بعد دیگرے اندلس کی زمامِ حکومت سنبھالی[1]۔ اس عرصہ میں عرب قبائل کے درمیان پرانی عصبیتیں ایک بار پھر عود کر آئیں جن کے نتیجے میں جنگ و قتال کے متعدد واقعات

---

[1] ان چار والیوں کے نام ہیں یحییٰ(۷) بن سلمہ کلبی، عثمان(۸) بن ابی نسعہ خثعمی، حذیفہ بن الاحوص قیسی اور الہیثم(۱۰) بن عبید کلبی۔ بعض مورخین نے محمد بن عبداللہ(۱۱) اشجعی کو جنہوں نے ہیثم کی وفات کے بعد عارضی طور پر حکومت کی باگ سنبھالی تھی۔ والیان اندلس کی فہرست میں شامل کیا ہے۔ اس طرح وہ پانچویں امیر بنتے ہیں جو سربراہِ سلطنت ہوئے۔

Marfat.com

پڑھنے میں آتے ہیں۔ اگر کلبی اپنے مسلمان بھائی قیسی کا گلا کاٹتا نظر آتا ہے تو قیسی کلبی کی اہانت اور رسوائی کے لئے سرگرم عمل دکھائی دیتا ہے۔ فرقہ وارانہ کشمکش اس حد تک بڑھ چکی تھی۔ کہ ہشام بن عبدالملک کو خود مداخلت کرنا پڑی۔ ہشام نے عبدالرحمٰن بن عبداللہ غافقی کے نام حکم جاری کیا کہ وہ اپنے تجربہ اور ژرف نگاہی سے کام لیتے ہوئے اندلس کے حالات میں خوشگواری پیدا کریں۔ اور متحارب گروہوں (Conflicting Groups) کو ایک دوسرے کے قریب لاکر، ان میں سمجھ بوجھ پیدا کریں۔

عبدالرحمٰن غافقی نہ صرف ایک نڈر سپاہی تھے، بلکہ نظم و نسق کے تقاضوں سے بھی پوری طرح واقف تھے۔ انہوں نے حریف طاقتوں کی پروا نہ کرتے ہوئے ایک نئے عزم اور ولولے کے ساتھ ملک کے نظم و نسق کو سنبھالا۔ غافقی نے شامی عمائدین کو اپنے ساتھ ملا لیا اور ان کے تعاون سے اصلاحات کے دور کا آغاز کیا۔ انتظامی ڈھانچے میں جو خرابیاں پیدا ہو چکی تھیں انہیں دور کیا۔ سرکاری دفاتر میں بددیانت اور نااہل افراد کا محاسبہ کیا اور غفلت شعار لوگوں کو سزائیں دیں۔ ملک میں رشوت کا بازار گرم تھا، اس کی روک تھام کی۔ مسافروں کے لئے راستوں کو لٹیروں اور راہزنوں سے پاک کیا۔ لوگوں کو ان کی آبرو، جان اور مال کی حفاظت کا یقین دلایا۔ عیسائیوں کے ساتھ روا رکھی جانے والی بدسلوکی کا ازالہ کیا۔ ان کے جو گرجے مسمار کر دیئے گئے تھے ان کی تعمیر کروائی تاکہ دوسرے مذاہب کے لوگ بلا تفریق مذہب و ملت پُرسکون زندگی بسر کر سکیں۔ غافقی تھوڑی

Marfat.com

ہی مدت میں امن واماں بحال کرنے اور نظم ونسق کو بہتر بنانے میں کامیاب ہو گیا۔
انتظامیہ کے مسائل حل کرنے کے بعد غافقی نے فرانس پر حملہ کرنے کا منصوبہ تیار کیا۔ لوگوں میں نئے علاقوں کو فتح کرنے اور انہیں اسلامی سلطنت میں شامل کرنے کا شوق فراواں تھا۔ انھوں نے امیر اندلس کی اپیل پر نہ صرف سونے اور چاندی کے ڈھیر لگا دیئے بلکہ ہزاروں نوجوانوں اور بوڑھوں نے اپنے آپ کو فوج میں بھرتی کے لیے پیش کیا۔ کہا جاتا ہے کہ بھکاریوں نے بھی اس کارِ خیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔[1] غافقی ابھی ان انتظامات کو مکمل بھی نہ کر پایا تھا کہ اُسے عثمان بن ابی نسعہ کی بغاوت کی اطلاع ملی۔ عثمان کو عبدالرحمٰن غافقی کے امیر مقرر ہونے کا سخت رنج تھا۔ اسے یہ بھی خیال آیا کہ اگر غافقی اپنے ارادوں میں کامیاب ہو گیا تو اس کی حکومت بھی جو اندلس کے شمال مشرقی حصہ میں قائم تھی اس سے چھن جائے گی۔ عثمان نے امیر اندلس کے خلاف ڈیوک آف اکوٹین سے سازباز شروع کر دی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ڈیوک نے اُسے اطمینان دلانے کے لیے اپنی لڑکی کی شادی اُس سے کر دی۔ غافقی نے ایک فوجی افسر ابن زیان کو اس کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا۔ عثمان مقابلہ کی تاب نہ لا سکا اور میدانِ جنگ میں کام آیا۔ اُس کی نئی نویلی دلہن کو قید کر کے دمشق بھیج دیا گیا۔

اندرونی شورشوں کو فرو کرنے کے بعد غافقی نے ایک ٹڈی دل لشکر کے ساتھ فرانس پر چڑھائی کی۔ آرل کا شہر جو پہلے جزیہ کی شرط پر مسلمانوں کے زیرِ اقتدار آ چکا تھا اب دوبارہ فتح ہوا۔ یہاں کے

---

[1] اخبار الاندلس۔ ج ۱۔ ص ۲۹۱

Marfat.com

لوگوں نے عثمان کی بغاوت کے بعد جزیہ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ اب جو منہ کی کھانی پڑی تو جزیہ ادا کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ مسلمانوں کی فتح و کامرانی کی خبر سن کر لوذون کے باشندوں نے بھی اطاعت قبول کر لی۔

ڈیوک آف اکوٹین نے اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ مسلمانوں کا مقابلہ دریائے دور دوگل کے کنارے پر کیا۔ ڈیوک کو اپنی افواج کی صلاحیتوں اور ان کے مورال پر بڑا اعتماد تھا۔ جب دونوں فوجیں آمنے سامنے ہو گئیں تو اسے اپنی خام خیالیوں کا احساس ہوا۔ مسلمان افواج کا سیلاب عیسائی لشکریوں کو خس و خاشاک کی طرح بہالے گیا۔ ایکوٹین کو ناکامی اور نامرادی کا سامنا کرنا پڑا۔ اسلامی لشکر کے لئے میدان خالی پڑا تھا۔ وہ بورڈیو (Brodeaux) کیطرف بڑھے۔ یہ شہر بڑا بارونق تھا اور غلے کی بہت بڑی منڈی تھی۔ اکوٹین کے غذائی ذخائر بھی یہاں جمع تھے۔ اہل شہر نے ذرا سا ہی مقابلہ کیا تھا کہ لینے کے دینے پڑ گئے۔ اب پائی ٹی ارس (Poitiers) کی باری آئی۔ روباہ صفت لوگ مسلمانوں کے لشکر جرار کو دیکھ کر بھاگ نکلے اور اپنا قیمتی سامان وہیں چھوڑ گئے جو مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ ڈیوک آف اکوٹین نے جس کا احساس برتری مجروح ہو چکا تھا۔ اپنے حریف چارلس (مارٹل) کی کی مدد طلب کی اور یورپ کی دوسری جنگجو قوموں کو دعوت دی کہ وہ عیسائیت کی حفاظت کے لئے اکٹھی ہو جائیں۔ یہ پہلا موقعہ تھا کہ جرمن، فرانسیسی اور برگانی سپاہی چارلس کے جھنڈے تلے جمع ہوئے دونوں فوجوں میں گھمسان کا رن پڑا۔ فرانسیسی سپاہی غرق آہن تھے۔

Marfat.com

ان کے بھاری نیزوں نے نیم برہنہ عربوں میں آفت مچادی۔ مسلمان جنگ کے شدائد کے باوجود سات روز تک اپنی جگہ پر ڈٹے رہے۔ آخری روز چارلس نے مسلمان افواج کے عقب پر ایسا حملہ کیا کہ ان کے قدم اکھڑ گئے۔ چارلس کے حملے کے وقت مسلمان تمام اس مالِ غنیمت کی جو انہوں نے مختلف شہروں اور گرجاؤں سے حاصل کیا تھا اور اپنے عقب میں سنبھال رکھا تھا، حفاظت کے لیے پیچھے لوٹے ان کا پیچھے مڑنا تھا کہ نیزوں اور تیروں کی بارش نے ان کا منہ موڑ دیا۔ غافقی نے مورچے کو سنبھالنا چاہا لیکن وہ بُری طرح زخمی ہوکر نیچے گر پڑا۔ جریانِ خون اس قدر زیادہ تھا کہ جسم اور روح کا رشتہ زیادہ دیر قائم نہ رہ سکا۔ مسلمان نیزوں اور بھالوں کی تاب نہ لاکر راتوں رات واپس قرطبہ بھاگ گئے۔ چارلس نے اسلامی افواج کا تعاقب نہ کیا۔ اُسے یہ ڈر تھا کہ مبادا مسلمان کہیں کمین گاہوں میں چھپے بیٹھے ہوں اور ان کا تعاقب عیسائی افواج کے لیے مضر ثابت ہو۔ دوسری بات جو اُسے بھاگئی وہ مسلمانوں کی شجاعت اور بلند حوصلگی تھی۔ یہ واقعہ رمضان ۱۱۴ھ یا اکتوبر ۷۳۲ء کا ہے۔ عیسائی مورخین کے نزدیک ٹورس (طلوشہ) کی لڑائی ایک خاص اہمیت کی حامل ہے۔ اس لڑائی کے بعد مسلمانوں کی فرانس میں پیش قدمی رک گئی۔ چارلس کو قوم نے "مارٹل" کا خطاب دیا جس کے معنی "ہتھوڑے" کے ہیں۔

ٹورس کی لڑائی کے بعد عبدالملک بن قطن الفہری کو امیرِ اندلس مقرر کیا گیا۔ بعض اہم امور کو سلجھانے کے لیے اُنھوں نے چند

Marfat.com

روز قرطبہ میں قیام کیا اور پھر کوہ پیرانیز کی طرف روانہ ہوگئے۔
فوجی افسران نے موسمی حالات کی نامساعدت کی بنا پر حملے کو ملتوی کر دینے کی تجویز پیش کی لیکن امیر اس سے متفق نہ ہوئے۔ یہ وقت ناموزوں تھا۔ پہاڑی ندی نالے موسم برسات کے سبب ہر گزرنے والے کا راستہ روکتے تھے۔ دشمنوں نے موقعہ کو غنیمت جانتے ہوئے مسلمان افواج کو سخت پریشان کیا۔ الفہری بمشکل تمام اپنی فوج کو اس مصیبت سے نکال، واپس لائے۔ عامل افریقہ کو جب پتہ چلا کہ مسلمان لشکریوں کو بلاوجہ زحمت گوارا کرنی پڑی ہے۔ اور انہیں الفہری کی کوتاہ اندیشی کے سبب جانی اور مالی نقصان اٹھانا پڑا ہے۔ تو انہوں نے الفہری کو اس منصب کا اہل نہ سمجھا اور ان کی جگہ عقبہ بن حجاج سلولی کو امارت کا پروانہ دے کر بھیج دیا۔

عقبہ بن حجاج سلولی شوال ۱۱۶ھ مطابق ۷۳۴ء میں اندلس پہنچے۔ وہ خوش اخلاق اور ستودہ صفات ہونے کے علاوہ اعلیٰ انتظامی صلاحیتوں کے مالک بھی تھے۔ انھوں نے انصاف کے حصول کو ممکن بنانے کے لیے محکمہ عدل دانصاف قائم کیا اور وہ ایسے قاضیوں کا تقرر عمل میں لائے جن کی دیانتداری شبہ سے بالاتر تھی، ناخواندگی اور جہالت کو دور کرنے کے لئے محکمہ تعلیم قائم کیا گیا۔ تعلیم کے فروغ کے لیے مدرسے کھولے جن کا خرچ ایک علیحدہ

Marfat.com

(CESS) لگا کر پورا کیا گیا۔ زراعت و فلاحت کی ترقی کے لیے جدید طریقے آزمائے۔ راستوں کی حفاظت اور امنِ عامہ کے قیام کے لیے محکمہ پولیس کی تنظیم نو کی گئی۔ پیدل سپاہ کے علاوہ گھوڑ سوار بھرتی کیے گئے جو "کاشف" کہلاتے تھے۔ وہ قوم کو صرف مہمات ہی میں الجھائے رکھنے کے قائل نہ تھے بلکہ اس کی خوش حالی اور زمانۂ امن کے علوم و فنون کی ترویج کی طرف بھی پوری توجہ دینا چاہتے تھے۔

ان معاملات سے فارغ ہونے کے بعد، عقبہ نے فوجی سرگرمیوں کا آغاز کیا۔ دریائے رَدَن کے کنارے دور تک افواج کے لیے نئی چھاؤنیاں قائم کیں۔ جنوبی فرانس کے چند نئے شہر مثلاً والنس، سینٹ پال تروی شاتو اور دوان زیرِی اسلامی مملکت میں شامل کیے۔ اب انھوں نے صوبہ الیسٹریاس اور جلیقیہ کی طرف توجہ دی جہاں عیسائی اپنی قوت کو مجتمع کرنا چاہتے تھے۔ عقبہ نے ان پر مکمل قبضہ کرلیا اور مسلمانوں کو آباد کیا۔ عقبہ دن کے وقت شمشیر بکف ہوتے اور رات کو اپنے مالکِ حقیقی کے سامنے عاجزی و فروتنی اور لاچارگی و بے بسی کی مکمل تصویر بنے ہوتے۔ جب کبھی وقت ملتا، عیسائی قیدیوں کے پاس جاتے اور انہیں اسلام کی خوبیوں سے آگاہ کرتے سینکڑوں عیسائی ان کی سادگی اور خلوص اور اسلام کی حقانیت سے متاثر ہوکر حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے۔

یہ بات بڑی اندوہناک ہے کہ عقبہ نے ناربون کے بیدار مغز والی یوسف بن عبدالرحمٰن سے مل کر توسیعِ مملکت کے جو منصوبے

Marfat.com

تیار کئے تھے وہ اس لئے دھرے کے دھرے رہ گئے کہ مسلمان قوم افتراق، اور انتشار کا شکار ہو رہی تھی۔ وہ عصبیتیں جنہیں شارع علیہ السلام نے اپنے پاؤں تلے کچل دیا تھا پھر سر اُٹھا رہی تھیں افریقہ میں جو جھگڑے قیسی اور کلبی قبائل میں اُٹھ کھڑے ہوئے تھے وہ اندلس کی معاشرتی اور سیاسی زندگی کو متاثر کئے بغیر نہ رہ سکے۔ یہاں پر بھی قیسیوں نے کلبیوں (یمانیوں) اور بربروں کو اپنے ظلم و تشدد کا نشانہ بنانا شروع کیا۔ مسلمان گروہوں اور دھڑوں میں بٹ گئے اور اتحاد و اتفاق کی تمام صورتیں مسخ ہونے لگیں۔

اندلس کی عیسائی حکومتیں اسلامی اندلس کے اس سیاسی پس منظر سے غافل نہ تھیں۔ انہوں نے مسلمانوں کی بٹی ہوئی طاقت سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے بہت سے علاقوں کو آزاد کرا لیا۔ لوذون مسلمانوں کے ہاتھ سے جاتا رہا۔ اویتون بھی کچھ عرصہ کے بعد علیحدہ ہو گیا۔ چارلس نے اربونہ کا محاصرہ کر لیا اور اُسے مسلمانوں سے لینے کی پوری کوشش کی۔ مسلمانوں کو جب احساس ہوا کہ اربونہ بھی ان سے چھن جائے گا تو اُنھوں نے اس کی حفاظت کے لئے ایک امدادی فوج روانہ کی۔ چارلس نے محاصرہ تو اُٹھا لیا لیکن ان بستیوں کو برباد کر دیا جو اربونہ کی اسلامی سلطنت کی حلیف سمجھی جاتی تھیں۔ ڈیوک آف مارسیلز نے جب چارلس کے خلاف اسلامی سلطنت کی اعانت چاہی تو مسلمان اس قدر ضعف اور کمزوری کا شکار ہو چکے تھے کہ وہ اس کی کوئی مدد نہ کر سکے۔

Marfat.com

ستم بالائے ستم یہ کہ عقبہ کو افریقہ بلایا گیا تاکہ وہ افریقہ میں بعض بغاوتوں کے فرو کرنے میں مدد دے سکے۔ عقبہ ایسے شریف النفس اور نڈر انسان کی روانگی کے بعد حالات اس قدر ابتر ہو گئے کہ نئے امیر اپنی مقدور بھر کوشش کے باوجود انہیں قابو میں نہ لا سکے۔

عبدالملک بن قطن الفہری (۷۳۹ء تا ۷۴۲ء) کے برسرِ اقتدار آتے ہی اسپین میں شامی اور مدنی آویزش کا سلسلہ پھر شروع ہو گیا۔ دونوں گروہ ایک دوسرے کے خلاف اس طرح صف آراء ہوئے کہ بعض زیرک اور مخلص انسانوں کی صلح کے لئے تمام کوششیں بے اثر ثابت ہوئیں۔ بقدورہ میں ہزاروں عرب بربروں کے ہاتھوں تنکوں کی طرح کٹ گئے۔ جو لوگ جان کے خوف سے بھاگ نکلے تھے وہ بھوک کے ہاتھوں جان گنوا بیٹھے۔ عبدالملک خود بربروں کے سخت خلاف تھا۔ اس نے کئی ایسے اقدام کئے جن سے بربریوں کی جمعیت کو پریشان کرنا مقصود تھا۔ اس نے ان شامی افواج کو بربروں کے استیصال کے لئے استعمال کیا جو بلج بن بشر کی سرکردگی میں یہاں پہنچی تھیں۔ عبدالملک نے جب شامیوں سے کام نکال لیا تو انہیں افریقہ واپس بھیجنے کی سہولتیں مہیا کرنے سے انکار کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ شامیوں نے اپنے اختلافات کا فیصلہ اپنی تلوار سے کرنا چاہا۔ وہ ایک روز اچانک عبدالملک کے محل میں داخل ہو گئے۔ اور اس کی گردن اڑا دینا چاہی۔ اگر اہلِ یمن اس کے آڑے نہ آتے تو وہ یقیناً شامیوں کے ہاتھوں اپنے انجام کو پہنچ چکا ہوتا۔ شامیوں نے اس وقت تو معاملے کو ٹال دیا لیکن انہوں نے بلج

Marfat.com

کے امیر اندلس بننے کے بعد عبدالملک کو سولی پر لٹکا دیا۔ اور اس کی توہین کے لئے لاش کی دائیں جانب ایک کتے اور بائیں جانب ایک سؤر کو معلق کر دیا۔ عبدالملک کی لاش تمام دن دیکھنے والوں کے لئے موعظت و عبرت کا باعث بنی رہی۔ آخر ایک بربری غلام نے لاش کو رات کی تاریکی میں اٹھا لیا اور تجہیز و تکفین کی رسم ادا کی۔ عبدالملک کے قتل نے قبائلی نفرت کو ایسی ہوا دی کہ اندلس کا خرمن امن مدتوں باہمی جنگ و جدل سے جلتا رہا۔ بلج کا انجام بھی اتنا ہی خوفناک تھا جتنا کہ عبدالملک کا۔ ایک خوں ریز لڑائی میں عبدالرحمٰن بن علقمہ نے اُسے گھائل کر دیا۔ وہ زخموں کی تاب نہ لاکر ۱۲۴ھ میں رنج و محن کی دنیا سے چل بسا۔

بلج بن بشر کے قتل کے بعد ثعلبہ نے امارت کی ذمہ داریاں سنبھالیں۔ وہ بڑا خونخوار اور شقی القلب انسان تھا۔ اس نے عربوں اور بربروں کے ساتھ جو اہانت آمیز سلوک کیا ہے، تاریخ میں اس کی مثال ملنا محال ہے۔ عرب قیدیوں کو جو اس کے ہاتھ لگے تھے، منڈی میں فروخت کرنے کی غرض سے لے آیا۔ اور ان کی بولیاں دلوائیں۔ بعض اکابر شیوخ جن کی بولی دس دینار سے شروع ہوئی تھی ایک کتے کے بدلے میں فروخت کئے گئے۔ ثعلبہ کو کوئی دس مہینے تک برسراقتدار رہا۔ اس کے بعد والیٔ افریقہ نے یہاں پر ابوالخطار حسام بن ضرار کلبی کو امیر مقرر کیا۔

ابوالخطار اپنی بالغ نظری، متانت اور انتظامی قابلیت کیلئے منفرد شخصیت تھا۔ اس نے مختلف گروہوں کے درمیان اتحاد اور

یکجہتی پیدا کرنے کی کوشش کی تاکہ عوام جو پہلے ہی ہنگامہ آرائیوں سے تنگ آ چکے تھے سکون اور طمانیت کی زندگی بسر کر سکیں۔ اس نے پہلا کام یہ کیا کہ اندلس کے بعض عمائدین اور شامی قائدین کو قصرِ امارت میں طلب کیا اور انہیں سیاسی نزاکتوں سے آگاہ کرتے ہوئے درخواست کی کہ وہ اندلس سے ترکِ سکونت کر کے افریقہ چلے جائیں۔ جہاں بربروں کی بغاوت کو فرو کرنے کے لیے ان کی خدمات کی زیادہ ضرورت تھی۔ اندلس کے حالات اس بات کے متقاضی تھے کہ ان تمام لوگوں کو جو لڑائی جھگڑے اور شر و فساد کی حوصلہ افزائی کرتے رہتے تھے۔ فوراً جلاوطن کر دیا جائے۔ تاکہ نظم و نسق کو بحال کیا جائے اور ملک کی معیشت اور معاشرت کو مضبوط بنیادوں پہ کھڑا کیا جا سکے۔ ابوالخطار نے ارطباش کے مشورے پہ نووارد شامیوں کی قوت کو کمزور کرنے کے لیے انہیں ایسے علاقوں میں آباد کیا جہاں کی آب و ہوا ان کی طبائع کے موافق تھی تاکہ وہ قرطبہ میں غالب اکثریت حاصل نہ کر سکیں۔ امیر اندلس کی اس موثر پالیسی سے ملک کا بگڑا ہوا ماحول پھر سے خوشگوار بن گیا اور لوگوں نے معمولاتِ زندگی میں دلچسپی لینا شروع کر دی۔

ابھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ ابوالخطار کے بدخواہوں نے امن و سکون کی فضا کو بگاڑنے کی ٹھان لی۔ جن لوگوں نے ہوا کو بگاڑنے کی کوشش کی ان میں صمیل بن حاتم[۱]، ابوالعطار قیسی، امیہ بن

[۱] صمیل حضرت امام حسینؓ کے قاتل شمر بن ذی الجوشن کا پوتا تھا۔ شمر مختار کے ہاتھوں واصلِ جہنم ہوا۔ اس کا لڑکا حاتم کوفہ کو چھوڑ کر الجزیرہ میں سکونت پذیر ہو گیا تھا۔ (باقی اگلے صفحہ پہ)

Marfat.com

عبدالملک اور ثوابہ بن سلمہ کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ ابوالخطار کو جس نے اپنی متانت اور سنجیدگی سے تمام حالات پر قابو پالیا تھا اور ملک میں امن و رافت کے دور کا آغاز کیا تھا آخر الامر اس مفسد ماحول میں کودنا پڑا۔ جس سے ملک کی تمام فضا ایکبار پھر مکدّر ہونے والی تھی۔

اس کی ابتداء یوں ہوئی کہ ایک یمنی عرب کا جو رشتے میں امیر کا چچیرا بھائی لگتا تھا ایک کنانی سے جھگڑا ہو گیا۔ کنانی اپنا معاملہ امیر کے پاس لے گیا تاکہ عدل کے حصول میں تاخیر نہ ہو۔ ابوالخطار نے انصاف کے تقاضوں کے خلاف اپنے رشتہ دار کی مدد کی۔ کنانی نے صمیل بن حاتم کو تمام قصّہ کہہ سنایا۔ صمیل ابوالخطار کے پاس پہنچا اور بجائے شائستگی سے گفتگو کرنے کے اس نے تند و تیز لہجہ میں گفتگو شروع کی۔ امیر کو یہ بات بُری لگی۔ اس نے اپنے نوکروں سے کہہ کر صمیل کو باہر نکلوادیا۔ اس رگڑے جھگڑے میں صمیل کا عمامہ ٹیڑھا ہو گیا۔ وہ جب باہر کے دروازے سے نکلنے لگا تو حاجب نے آواز دی۔ شیخ صاحب! آپ کے عمامے کو کیا ہوا؟ وہ ایک طرف کو لٹک گیا ہے۔ صمیل غصے میں جل رہا تھا۔ معنی خیز لہجے میں کہنے لگا۔

(بقیہ حاشیہ سابقہ) قنسرین کے لوگ جب آباد کاری کے لئے اندلس آئے ہیں تو حاتم کا لڑکا صمیل بھی ان کے ساتھ تھا۔ صمیل بن حاتم میں قائدانہ صلاحیتیں موجود تھیں، وہ سخی تھا اور بادل، جرأتمند تھا اور بے باک سیاسی زندگی میں اسے بلند مقام حاصل تھا یمنی اُسے اپنا قبلہ حاجات سمجھتے تھے۔ خیال رہے کہ ابوالخطار نے قنسرین سے آنے والے لوگوں کو جیان میں آباد کیا تھا جبکہ اہلِ دمشق البیرہ میں، اہلِ حمص اشبیلیہ میں اور اہلِ فلسطین شذونہ میں اور اہلِ مصر باجہ اور تدمیر میں آباد کئے گئے۔

Marfat.com

اگر میری قوم میں زندگی ہوئی تو اس ٹیڑھے عمامے کو درست کرے گی۔

صمیل نے ثوابہ بن سلمہ جذامی کو اعتماد میں لیا۔ اور اپنی قوم سے تقاضا کیا کہ وہ ابوالخطار کو ملک سے نکال باہر پھینکے۔ ابوالخطار کو صمیل اور اور ثوابہ کے ارادوں کا علم ہو چکا تھا۔ وہ ایک عظیم لشکر کے ساتھ دریائے شذونہ کے کنارے لڑائی کے ارادے سے نکل پڑا۔

دونوں فوجوں کے درمیان سخت لڑائی ہوئی۔ ابوالخطار شامی فوجوں کو پسپا ہوتا دیکھ کر میدانِ جنگ سے بھاگ نکلا۔ مگر پکڑا گیا۔ اُسے ۱۲۵ھ میں قرطبہ کی جیل میں ڈال دیا گیا۔

ابوالخطار کے مقید ہونے پر مسندِ اقتدار ثوابہ بن سلمہ کو سونپی گئی۔ ثوابہ بھی کامیاب امیر ثابت نہ ہوا۔ ملک میں بدامنی کا دور دورہ تھا۔ قیسی اور کنانی قبائل کے درمیان نفرت و حقارت کا ایسا بیج بویا جا چکا تھا کہ شر و فساد کا قلع قمع کرنا امیر سلطنت کے لئے ایک مسئلہ بن گیا تھا۔ قومی عصبیتوں اور گروہی دشمنیوں کو صرف وہی آدمی ختم کر سکتا تھا جو نسلی امتیازات اور گروہی وفاداریوں سے بلند ہو کر قوم کے وسیع تر مفاد کو پیش نظر رکھتا۔

مسلسل دھڑے بندیوں نے اندلس کو جہنم کا نمونہ بنا دیا تھا۔ ظاہر ہے کہ ایسے ماحول میں جو اندرونی سازشوں اور گروہی مناقشات سے مکدر ہو چکا ہو لوگوں کا نہ صرف سکون ہی چھن جاتا ہے بلکہ ان کے لئے کئی ایک معاشی اور معاشرتی مسائل بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔ انتظامی مشینری کے بیکار ہونے کے سبب لوگوں پر قانون کی گرفت ڈھیلی پڑ جاتی ہے۔ مفسد اور شرپسند لوگ پُرامن شہریوں کا

Marfat.com

جینا دوبھر کر دیتے ہیں۔ ان کی عزت محفوظ ہوتی ہے نہ ان کا مال وجان۔ شورشوں اور بلووں کے درمیان دولتمند طبقہ عوام کے استحصال کی کوشش کرتا ہے۔ اشیاء صرف نایاب ہو جاتی ہیں۔ اگر مل بھی جائیں تو غریب عوام کو گراں قیمت ادا کرنی پڑتی ہے۔ قرب وجوار کے غیر مہذب اور ناشائستہ لوگ شہروں میں پہنچ کر دنگا فساد اور لوٹ مار شروع کر دیتے ہیں۔ حکومت پر لوگوں کا اعتماد اُٹھ جاتا ہے۔ بے اعتمادی کی یہ فضا ایک ایسے منحوس دائرے کو جنم دیتی ہے جسے توڑنا مشکل ہو جاتا ہے۔

ان حالات میں قرطبہ کے معززین کا ایک وفد یوسف بن عبدالرحمٰن الفہری کے پاس پہنچا اور انہیں اندلس کی امارت قبول کرنے کے لئے کہا۔ لوگوں کے جذبات کا احترام کرتے ہوئے یوسف نے یہ ذمہ داری قبول کر لی۔ وہ حضرت عقبہ بن نافع رضؓ کی اولاد میں سے تھے۔ ان کی ولدیت جتنی دلکش تھی ان کی سیرت اتنی ہی زیادہ پاکیزہ تھی۔

یوسف بن عبدالرحمٰن فہری کے لئے یمانی اور مضری قبائل میں اتفاق اور یکجہتی پیدا کرنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ دونوں کے درمیان نفرت اور حقارت کی ایسی خلیج حائل تھی جسے پاٹنا مشکل تھا۔ صمیل بن حاتم نے اپنے وعدوں سے انحراف کر کے ایسی چنگاری مہیا کر دی تھی جس سے دونوں گروہوں کے درمیان نفرت کی آگ پھر بھڑک اُٹھی[1]۔ امیر شکیب ارسلان کا خیال ہے کہ یمانیوں اور مضریوں

---

[1] دونوں گروہوں کا اس بات پر اتفاق ہو گیا تھا کہ اندلس کی امارت کو ایک ایک سال کیلئے

(باقی اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

کے درمیان جو لڑائی اس مرتبہ ہوئی پہلے اس کی کوئی مثال ہے نہ نظیر۔ اسلام کی تاریخ میں یہ پہلی لڑائی ہے جو "قبیلہ" کے نام پر لڑی گئی۔ اس لڑائی میں گھوڑے بیکار ہوگئے، نیزے ٹوٹ گئے، تلواریں کند ہوگئیں اور جب لڑائی کے تمام آلات ناکارہ ہوگئے تو سپاہی دھینگا مشتی پر اُتر آئے۔ صمیل نے بازار سے دوکانداروں کو بلا لیا۔ ان میں وہ قصاب بھی تھے جو گوشت بنانے کے چھرے اپنے ساتھ لے آئے تھے[۱] یمانی اس تازہ کمک کے بارہ میں غافل تھے۔ بازاریوں نے جب لاٹھیوں، لوہے کی سلاخوں اور چھروں سے یمانی فوج پر حملہ کیا تو وہ اس "غیبی امداد" سے ڈر کر میدان سے بھاگ نکلے۔ ابوالخطار اور ابن حریث دونوں پکڑے گئے اور موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ امیر اندلس (یوسف بن عبدالرحمٰن) کو جو ملکی حالات سے بددل ہوکر واپس البیرہ چلے گئے تھے قرطبہ لایا گیا۔ ابن اثیر کا خیال ہے کہ حکومت تو یوسف کی تھی لیکن حکم صمیل کا۔

اس زمانہ میں جب مسلمان ایک دوسرے سے دست و گریباں تھے، جلیقیہ کے عیسائیوں کو پر پرزے نکالنے کا موقع مل گیا۔ انہوں نے الفانسو کی قیادت میں جلیقیہ کے گرد و نواح پر اپنا تصرف جمالیا۔ لیوان، استورقہ اور قشتالہ کے شہر بھی مسلمانوں کی سیادت قبول کرنے

(بقیہ حاشیہ گذشتہ) مضراور یمانیہ میں تقسیم کرلیا جائے۔ اس معاہدہ کے مطابق یوسف بن عبدالرحمٰن کو پہلے سال کے لئے امیر منتخب کرلیا گیا۔ اگلے سال جب یمانیوں نے اپنے امیر کے تقرر کا مطالبہ کیا تو صمیل اس معاہدہ سے منحرف ہوگیا جس کے نتیجے میں ایک خونریز جنگ شروع ہوگئی۔

[۱] تاریخ غزوات العرب، ص ۹۰۔

سے انکار کر بیٹھے۔ فرانس کا پورا علاقہ سوائے ناربون کے جہاں مسلمانوں کی اکثریت تھی آزاد ہو گیا۔ بہت سے مسلمان جو ان شہروں میں آباد ہو گئے تھے ہجرت کرنے پر مجبور کر دیئے گئے۔ جس کسی نے ترکِ وطن نہ کیا، اس نے عیسائیت کو قبول کر لیا۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق اندلس کا ایک چوتھائی حصہ جو پہاڑوں سے گھرا ہوا تھا عیسائیوں کے اقتدار میں آ گیا۔ یہ بات درست ہے کہ ولاۃ کی خود غرضیوں اور عربی قبائل کی دھڑے بندیوں کے سبب اندلس میں ایک مستقل عیسائی حکومت وجود میں آ گئی۔ ابتداءً اس کا حدود اربعہ بڑا مختصر تھا لیکن آگے چل کر جب مسلمانوں میں طوائف الملوکی نے قدم جمائے تو اسی عیسائی سلطنت نے جس کی داغ بیل اس زمانے میں ڈالی جا چکی تھی مسلمانوں کے لئے تباہی مچا دی اور انہیں اس طرح بے دخل کیا کہ آسمان زمین کھا گئے۔

اس دورِ فتن کا خاتمہ اس وقت ہوا جب اموی شہزادہ عبدالرحمن (الداخل) ۱۰ ذی الحجہ ۱۳۸ھ / ۷۵۵ء کو قرطبہ میں داخل ہوا۔ یوسف نے ۹ سال اور کچھ مہینے حکومت کی۔ اس کے جانے کے ساتھ ہی ولاۃ کا دور ختم ہوا۔

باوصف ان مشکلات کے جن میں سے ہر ایک بجائے خود ایک پہاڑ تھی مسلمانوں نے اندلس میں نصف صدی کے اندر ایک ایسے درخشاں تمدن کی بنیاد ڈالی جس کے سبب یورپ کے وحشی اور جاہل آبادکار تہذیب و شائستگی کے راستوں پر گامزن ہو گئے۔ اس زمانے میں جب کہ مغربی معاشرے پر خشونت، گنوارپن اور وحشیانہ

Marfat.com

شہوت پرستی چھائی ہوئی تھی، مزدور اور کاشتکار طبقہ بڑے زمینداروں کی بے ہودگیوں اور چیرہ دستیوں سے لرزاں و ترساں دکھائی دیتا تھا۔ پادریوں کے فسق و فجور نے نظامِ خانقاہی کو رسوا کر دیا تھا۔ مسلمانوں نے معاشرہ کی فکری قوتوں کو توانائی بخشی، اقتصادی استحصال کو ختم کیا اور روباہ صفت انسانوں کو عملی زندگی کا سبق دیا۔ مسٹر ایس۔پی اسکاٹ کا خیال ہے کہ اندلس زیرِ حکومتِ اسلامی پچاس سال کے اندر اندر تہذیب کے اس نقطہ پر پہنچ گیا کہ جہاں تک اٹلی کو زیرِ حکومت پوپ پہنچنے میں ایک ہزار برس لگے تھے۔

اب ہم اُس عہدِ زریں کی طرف توجہ کرتے ہیں جو ہماری کتاب کا اصل مبحث ہے اور جس میں رعایا کی خوش حالی، زراعت اور تجارت کی ترقی، اور ملک کی دھن دولت کی کثرت کے علاوہ علوم و فنون اور تہذیب و تمدن اس نقطۂ عروج تک پہنچے جہاں اغیار کو اپنے تمدن کے گھروندے تیار کرنے کے لیے قرطبہ اور اشبیلیہ کی یونیورسٹیوں میں ہمارے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرنا پڑا—

دانایانِ فرنگ کو اس بات کا اعتراف ہے کہ بنو اُمیہ کے دارالسلطنت اور ممالکِ محروسہ میں جو ذہنی انقلاب یا دماغی روشنی ہر جگہ چمکی اس کی تکمیل میں ایک صدی سے بھی کم وقت صرف ہوا۔ اور اگر یہ تعلیمات ان تک بروقت پہنچ چکی ہوتیں تو یورپ آج سے ۵۰۰ سال پہلے متمدن اور ترقی یافتہ ہوتا۔

Marfat.com

Marfat.com

○ عبدالرحمٰن الداخل کا اپنے وطن سے فرار اور اندلس میں داخلہ۔

○ حصولِ مقصد کے لیے الداخل کی مسلسل جدوجہد۔

○ یوسف اور صمیل کے خاتمے پر نئی حکومت کی داغ بیل۔

○ الداخل کو ہٹانے کے لیے منصور کی کوششیں مگر ناکامی۔

○ عبدالرحمٰن "قریش کا باز" شارلیمان کے حربے اور الداخل کی کامیابی۔

○ اندرونی شورشوں اور بیرونی بغاوتوں کو کچلنا۔

○ الداخل کی اصلاحات تعمیرات اور ذوق شعری۔

○ الداخل کی سیرت۔

Marfat.com

باب

اب وہ وقت آگیا کہ ذلّت کو اموی خاندان پر مسلط کر دیا جاتا۔ سیاہ رو زوال گرد و پیش منڈلانے لگا اور ان کا نصیبہ ایسا سویا کہ پھر بیدار نہ ہوسکا۔ خلافتِ ارضی کے نئے دعویداروں نے اموی خاندان کے افراد کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالا اور چن چن کر مارا۔ جب ان میں سے اکثر روپوش ہوگئے تو شام میں امویوں کو عام معافی دینے کا ڈھنڈورا پیٹا گیا۔ خاندانِ اُمیہ کے یہ بقیتہ السیف ان کے وعدوں پر اعتبار کرتے ہوئے اپنی محفوظ جگہوں سے نکل آئے اور نہرابی فطرس کے قریب جہاں سفاح مقیم تھا جمع ہوگئے۔ ایک دیدہ زیب محل میں ان کے لئے کھانے پینے کا انتظام کیا گیا۔ فرشِ مرمریں پر چاندنی بچھی تھی اور قسم قسم کے کھانے چن دیئے گئے تھے۔ قسمت کے مارے مہمان ابھی بیٹھے بھی نہ تھے کہ جلاد اپنی تلواروں کو بے نیام کئے سر پر آکھڑے ہوئے اور آن واحد میں ان سب کو مہمان نوازی کی قربان گاہ پر ذبح کر دیا۔[1]

---

[1] مولوی خلیل الرحمن صاحب کا خیال ہے کہ ابوالعباس عبداللہ کو سفاحؔ کا لقب اس لئے دیا گیا تھا کہ وہ سخی تھا اور مہمان نواز نہ اس لئے کہ وہ سفاک تھا اور ظالم۔ سفّاح کے معنی خوں ریز اور ظالم کے بھی ہیں اور مہمان نواز کے بھی (سَفَحَ، سَفْحًا وسُفُوحًا۔ الدّم او الدّمعَ۔ سفکہ واراقہ)۔

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

عبداللہ نے اس کے بعد ان نیم بسمل لاشوں پر دسترخوان بچھا کر کھانا کھایا دراں حالانکہ نیچے سے جاں کنی کی سسکیوں کی آوازیں آرہی تھیں۔ ہشام کی لاش کو قبر سے کھدوا کر نذرِ آتش کیا گیا۔[1]

اتفاق سمجھیے کہ عبدالرحمٰن بن معاویہ بن ہشام[2] ان کی شمشیر خوں آشام سے بچ نکلا۔ وہ فرات کے کنارے ایک گاؤں میں عرصہ تک چھپا رہا۔ لیکن جب اضطراب اور بے چینی بڑھی تو اس نے اپنے بال بچوں اور دونوں بہنوں (امّ اصبغ اور امتہ الرحمٰن) کو اپنے وفاکیش خادم بدر کے سپرد کیا اور خود جاں گسل مصائب برداشت کرکے تا فلسطین کے ایک گاؤں میں پہنچا۔

اس نے خون بہایا یا اس نے آنسو بہائے یا آنسو بہ پڑے (لازم و متعدی) یقال تزوّجَ المرأۃَ سِفاحًا۔ اَیْ بغیرِ سُنّۃٍ وَلا کِتابٍ۔ اس نے بغیر کتاب و سنت کے شادی کی۔ مراد ہے زنا کیا۔ السِّفاح۔ کثیرُ العَطاءِ ۔ الفصیحُ المُقتَدِرُ علی الکلام۔ سفّاح کے معنی باذل اور سخی کے ہیں۔ اور ایسے انسان کے بھی جسے زبان پر عبور ہو۔ (المنجد)

خوب! روایاتِ عرب تو یہ بتاتی ہیں کہ عرب سخی تھے اور مہمان نواز۔ وعدے کے پکے تھے اور سچے۔ جب کسی سے عہد باندھتے تو اس کے ایفاء کی پوری کوشش کرتے۔ اگر کسی قاتل سے لاعلمی میں امان دینے کا وعدہ کیا جاتا تو اس سے بھی پتہ چل جانے پر بدلہ لینا قومی روایات کے خلاف سمجھا جاتا۔ لیکن ایسا کبھی نہیں ہوا کہ رات کو آنے والوں کی ضیافت دودھ اور بھنے ہوئے گوشت کی بجائے شمشیر بے نیام سے کی گئی ہو۔ ممکن ہے عباسی دور میں اخلاقی اقدار بدل گئی ہوں اور اب مہمان کی مدارات عمدہ کھانوں کی بجائے خون بہانے سے کی جاتی ہو۔

[1] ابنِ اثیر، ج ۵۔ ص ۱۶۱

[2] وہ ۱۱۳ھ میں بمقام دمشق پیدا ہوا۔ وہ بمشکل سترہ برس کا تھا جب مصائب کا نزول ہوا۔

Marfat.com

یہاں پر مختصر سے قیام کے بعد وہ افریقہ پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ افریقہ میں فضا سازگار تھی۔ عبدالرحمٰن ابن حبیب نے ابھی تک عباسی خلافت کی دعوت کو قبول نہیں کیا تھا۔ اسی لئے اس نے عبدالرحمٰن کا شایانِ شان خیر مقدم کیا اور اُسے ہر قسم کی سہولتیں مہیا کیں۔

عبدالرحمٰن نے جلد ہی ایک بہت بڑی سلطنت کا خواب دیکھنا شروع کر دیا۔ اُسے بچپن کا وہ واقعہ یاد تھا جب مسلمہ بن عبدالملک نے ہشام کی موجودگی میں اُس کی پیشانی کو بوسہ دیتے ہوئے کہا تھا کہ یہ بچہ عنقریب بہت بڑا حکمران بننے والا ہے۔ ابنِ حبیب کو پتہ چل گیا کہ عبدالرحمٰن اس کی سلطنت کا تختہ الٹنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اُس نے اموی خاندان کے تمام لوگوں کو جو اس کے ہاتھ لگے مروا ڈالا اور ان کی جائدادوں کو ضبط کر لیا۔ عبدالرحمٰن پھر بچ نکلا۔ وہ کبھی ایک قبیلہ کے پاس پناہ لیتا اور کبھی دوسرے کے پاس۔ وہ نہ جانتا تھا کہ سر کہاں چھپائے۔ اکثر ایسا بھی ہوا کہ جاسوس کی دور رس نگاہ سے بچنے کے لئے اُس نے یا تو کسی پرانی قبر میں پناہ لی یا کسی عورت کے برقعے میں جا چھپا۔ اس آنکھ مچولی میں اُسے پانچ سال گذر گئے اس پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹے، شدائد کی بجلیاں کڑکیں، موت نے اُسے گھور گھور کر دیکھا لیکن اس کا خمیر ایسی مٹی سے اٹھایا گیا تھا کہ وہ ڈرنے والا نہ تھا۔ ہر آنے والی تکلیف کا اُس نے مردانہ وار مقابلہ کیا۔ اگر مل جاتی تو نانِ جویں کو غنیمت سمجھتا ورنہ غم کھانے کا عادی تو وہ بن ہی چکا تھا۔

اب آزمائش کا دور ختم ہوا۔ اور یہ خانماں برباد اپنے ننھیال

Marfat.com

بنو نفوسہ[1] کے پاس جو سبتہ کے قریب آباد تھا۔ پہنچنے میں کامیاب ہوگیا۔ اس کی خوش اخلاقی، مصائب میں صبر و قناعت اور بیدار مغزی نے بربروں کو ایسا گرویدہ بنا لیا کہ وہ اس پر مٹے جاتے تھے۔ یہاں پہنچنے کے بعد اُسے محسوس ہوا کہ وہ اپنے گھر آگیا ہے۔ کامیابی کا ہرا بھرا میدان اس کی آنکھوں کے سامنے تھا۔ ایک آوارہ کوئے تمنا کو دور دراز کے ملک کے باشندوں اور نئی قوم نے ایک عظیم سلطنت کی بنیاد رکھنے کے لئے بلا لیا، جو آئندہ بہت وسیع اور نامور ہونے والی تھی[2]۔

عبدالرحمٰن جس حالت میں بھی رہا، اس نے اپنے مقصد کو پیش نظر رکھا۔ قسطنطنیہ سے مغرب کی طرف فرار اس کے بلند ارادوں کی غمازی کرتا ہے۔ اگر عامل افریقہ مضبوط اور ہوشمند انسان نہ ہوتا تو عبدالرحمٰن افریقہ میں ہی نئی سلطنت کی داغ بیل ڈالنے میں کامیاب ہو جاتا۔ لیکن یہاں پر اس کے ارادے شرمندۂ تعبیر ہوتے نظر نہ آتے تھے۔

اندلس کے حالات سرعت سے بدل رہے تھے۔ مختلف قبیلے اور خانوادے اقتدار کے لئے ایک دوسرے سے برسرپیکار تھے۔ باغیوں نے اپنی نت نئی شورشوں کے سبب ملک کو جہنم کا نمونہ بنا رکھا تھا۔ امیر یوسف اگر ایک مقام پر جنگ کے شعلوں کو ٹھنڈا کرنے میں کامیاب ہوتا تو اشرار دوسرے مقامات پر علم بغاوت بلند کر دیتے۔ ملک میں فتنہ و فساد کی آگ بھڑک رہی تھی، قتل و غارت کا بازار گرم تھا اور قحط و وبا کی مصیبتیں ملک کو گھیرے ہوئے تھیں۔

---

[1] المقری۔ جزء الاول، ص ۳۰۷۔ [2] اخبار الاندلس، ج ۱، ص ۳۹۰

Marfat.com

موسم بہار آچکا تھا اور تجدیدِ خونِ کیساتھ نئی سلطنت کے قیام کی امنگیں انگڑائیاں لے رہی تھیں۔ عبدالرحمٰن نے اپنے مخلص خادم بدر کو ایک خط دیکر اندلس روانہ کیا۔ اندلس میں ایسے لوگوں کی کمی نہ تھی جنھیں اموی خلفاء کے ساتھ محبت اور عقیدت ہو۔ امیر نے اپنے خط میں ہشام کے ساتھ اپنی نسبت، افریقہ میں عبدالرحمٰن ابن حبیب کے غیر ہمدردانہ برتاؤ۔ اپنے فرار کی روئیداد اور نئی حکومت قائم کرنے کی آرزو مندی ظاہر کی۔

عبیداللہ بن عثمان اور عبداللہ بن خالد نے بڑے بڑے شامی سرداروں سے ساز باز کی اور امیر یوسف کے خلاف سازش کا ایک نیا جال بچھانا شروع کیا۔ ابن عثمان نے یہ بھی کوشش کی کہ امیر یوسف کی افواج کے سپہ سالار اور اس کے دستِ راست صمیل بن حاتم کو اپنے ساتھ ملالے۔ لیکن اُس نے اپنے ولیٔ نعمت کے ساتھ کفران نعمت سے انکار کر دیا۔ ان لوگوں نے صمیل کے سامنے تو برأت ظاہر کر دی لیکن خفیہ طور پر عبدالرحمٰن کے داخلے کے لئے فضا کو سازگار بنانے کی کوششیں جاری رکھیں۔ انہیں البیرہ، شذونہ اور مقربہ میں ایسے ہزاروں لوگ مل گئے جو امیر یوسف کی حکومت کا تختہ الٹنے کے لئے تیار تھے۔

امیر عبدالرحمٰن الداخل ستمبر ۷۵۵ء ۱۳۸ھ[1] میں المیو نے کار (Almunicar) پر لنگر انداز ہوئے۔ ہزاروں لوگ جن میں امیر بھی تھے اور غریب بھی استقبال کی خاطر وہاں موجود تھے یمنی گروہ کے

---

[1] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، ج ۴، ص ۱۰۰۵۔

بعض سرکردہ آدمی بھی عبدالرحمٰن کو خوش آمدید کہنے کے لئے وہاں آئے تھے۔ اگرچہ اموی خلفاء نے انہیں ہمیشہ ہی ظلم وستم کا نشانہ بنایا تھا لیکن انہیں عبدالرحمٰن سے زیادہ امیر یوسف سے نفرت تھی۔ عبدالرحمٰن کو لُوجا کے قریب ایک قلعہ میں جگہ دی گئی اور یہی مقام نئی خلافت کے قیام اور نئے دعدوں کی تشہیر کا مرکز بنا۔

یوسف اس وقت تک جلیقیہ کی مہمات میں مصروف تھا۔ اُسے ان حالات کا قطعاً علم نہ تھا جو اُسے تاج وتخت سے محروم کر دینے والے تھے۔ واپسی پر جب اُسے علم ہوا، تو اس کے اوسان خطا ہو گئے۔ اس نے سمجھا کہ جنگ کی بجائے صلح سے کام لینا بہتر ہے۔ لیکن جب صلح کے لئے تمام کوششیں ناکام ہو گئیں تو امیر یوسف نے لڑائی لڑنے کا ارادہ کر لیا۔ اب افواج منتشر ہو چکی تھیں، عوام کی وفاداری مشتبہ تھی اور امراء کے جذبات خلوص میں اختلال واقع ہو چکا تھا۔ ان حالات میں امیر یوسف کی کامیابی غیر یقینی تھی۔ لوگ جوق در جوق عبدالرحمٰن کی وفاداری کا حلف اُٹھا رہے تھے۔ اشبیلیہ، ریہ، شذونہ اور موزور[1] کے وہ آزمودہ کار سپاہی جو امیر یوسف کے ساتھ کئی ایک لڑائیوں میں کامگار رہے تھے، اس سے علیحدہ ہو کر امیر عبدالرحمٰن کے پرچم تلے جمع ہونے شروع ہو گئے۔ غنیم کے پاس سامانِ رسد تھا نہ آلاتِ حرب۔ لیکن وہ فتح وکامرانی کی نئی امنگیں سینے میں دبائے آگے بڑھتا جا رہا تھا۔ عبدالرحمٰن نے اپنی فوجوں کو میدانِ مصارہ میں اُترنے کے لئے کہا۔

---

[1] المقری، جزو الاول - ص ۳۰۷

ایک دن جب کہ اہلِ قرطبہ عید منانے میں مصروف تھے، عبدالرحمٰن کی افواج نے دریائے کبیر کو عبور کر لیا اور امیر یوسف کی فوجوں پر ایسا شدید حملہ کیا کہ ان کے پاؤں اکھڑ گئے۔ امیر یوسف اور صمیل دونوں میدانِ جنگ سے بھاگ نکلے۔ یوسف نے صوبہ جیان میں اور صمیل نے مریدہ میں پناہ لی۔ بات یہیں پر ختم نہیں ہوتی۔ یوسف اور صمیل نے ایک بار پھر اپنی منتشر فوجوں کو جمع کرنے کی کوشش کی اور ہمت آزمانا چاہی۔ لیکن وہ لوگ جو گذشتہ کئی سالوں کی خانہ جنگی اور بدنظمی سے اکتا چکے تھے، اب یوسف کے جھوٹے وقار کو سہارا دینے کے لئے تیار نہ تھے۔ وہ ایک ایسے آدمی کو سریر آرائے اورنگ دیکھنا چاہتے تھے جو تمام گروہ بندیوں کو ختم کر کے ملک میں امن و امان اور نظم و ضبط قائم رکھ سکے، اور معاشی ترقی کے لئے راہ ہموار کر سکے۔ یوسف نے جب اپنی فوج پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالی تو اُسے محسوس ہوا کہ وہ شیرِ قالین سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔ اس فوج کے سہارے لڑنا موت کو دعوت دینا تھا۔ یوسف اور صمیل نے عبدالرحمٰن سے پھر صلح کر لینی چاہی۔ عبدالرحمٰن نے ان کی تمام کوتاہیوں کو معاف کرتے ہوئے ان سے اس شرط پر صلح کر لی کہ وہ دونوں قرطبہ میں مقیم رہیں گے اور اسے ہر روز ایک مرتبہ صورت دکھا جایا کریں گے۔ یوسف نے ان شرائط کو قبول تو کر لیا لیکن اس کا دل مطمئن نہیں ہوا۔ ایک دن اس نے بھاگ نکلنے کی سوچی۔ وہ قرطبہ سے مریدہ پہنچا۔ پرانے نمک خواروں نے اسے ایک بار پھر قسمت آزمانے کا حوصلہ دلایا۔ یوسف

Marfat.com

نے ایک مختصر سی فوج اکٹھی تو کر لی لیکن نہ تو وہ قواعد دان تھی، نہ نظم و ضبط کے تقاضوں سے واقف اور نہ ہی مرمٹنے کے جذبے سے سرشار۔ عبدالرحمٰن کو علم ہوا تو اس نے اپنے ایک تجربہ کار جرنیل عبدالملک بن عمر بن مروان کو اس کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ یوسف کی فوج ابتدائی جھڑپوں میں ہی مات کھا گئی۔ سینکڑوں آدمی میدانِ جنگ میں کام آئے۔ امیر یوسف خود جان کے خوف سے بھاگ نکلے۔ وہ طلیطلہ پہنچے ہی تھے کہ عبداللہ بن عمر الانصاری کے خوں آشام خنجر کا شکار ہو گئے۔ صمیل بن حاتم بھی زیادہ عرصہ زندہ نہ رہا۔ کسی کے ہاتھوں اس نے زہریلا رس پی لیا جس سے اس کی زندگی اپنے انجام کو پہنچی۔

اس لڑائی نے عبدالرحمٰن کی قسمت کا فیصلہ کر دیا۔ وہ فاتحانہ انداز میں قرطبہ کے شاہی محلات میں داخل ہوا۔ اُس نے عفو و درگزر اور احسان مندی سے کام لیتے ہوئے یوسف کے اہل و عیال کو معاف کر دیا اور انہیں محفوظ مقام پر پہنچا دیا گیا۔ یہیں اسے حلل نامی لونڈی ملی جسے ہشام کی والدہ ہونے کا شرف حاصل ہے۔

عبدالرحمٰن نے قرطبہ کا والی ہونے کی حیثیت سے سب سے پہلا خطبہ مئی ۷۵۶ء کو مسجد قرطبہ میں پڑھا اور عوام سے اچھا سلوک کرنے کا وعدہ کیا۔ ملک میں نظم و ضبط کا قیام، راستوں کی حفاظت، کاروبار کی بحالی اور ضروری اصلاحات کا نفاذ کوئی آسان کام نہ تھا۔ ابھی اسے کئی ایک بغاوتوں کو فرد کرنا تھا جنہیں شارلیمان (شاہِ فرانس) اور المنصور عباسی (شاہِ بغداد) کی تائید حاصل تھی۔

Marfat.com

ابو جعفر المنصور نے ۷۶۳ء میں اپنے ایک امیر العلا ابن مغیث کو ایک عظیم فوج کے ساتھ اندلس روانہ کیا تاکہ عبدالرحمٰن ایسے "باغی" کو قرارِ واقعی سزا دی جا سکے۔ امیرالمومنین نے العلا کو یمن و برکت اور تائید و نصرت کے لئے اپنا سیاہ علم بھی عطا کیا۔ اس جنگ کو مذہبی رنگ دیا گیا اور عبدالرحمٰن کو خارجی اور کافر بنایا گیا۔ الداخل کے لئے تربیت یافتہ سپاہیوں کا اکٹھا کرنا اور انہیں منظم کرنا ایک دشوار مرحلہ تھا۔ اشبیلیہ کے قریب دونوں فوجوں کی مڈھ بھیڑ ہوئی۔ الداخل پامردی سے لڑا۔ وہ جانتا تھا کہ اس لڑائی میں کامیابی مسرّتوں اور بہجتوں کا پیغام لائے گی اور خدانخواستہ اگر وہ ہار گیا تو "ہاویہ زاویہ ہوگا اور سقر مقر"۔ ایک رات الداخل نے موقعہ پاکر ایسا شبخون مارا کہ دشمن کی فوج میں سراسیمگی پھیل گئی۔ وہ ہتھیار سنبھالنا بھول گئے۔ الداخل کے لشکریوں نے العلا کے سپاہیوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ دیا۔ جو باقی بچے وہ خیمہ و خرگاہ چھوڑ کر بھاگے۔ سرکردہ باغی سرداروں کے سَر اور اہم فوجی افسروں کی لاشیں نمک پاشی کے بعد تھیلوں میں بند کر کے ایک سوداگر کے ہاتھ قیروان بھجوا دی گئیں[1]۔ جب المنصور کو اس بدقسمت فوج کے انجام کا پتہ چلا تو وہ پکار اُٹھا کہ یہ تو کسی شیطان کا کام ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ اُس نے میرے اور اس دشمن کے درمیان سمندر حائل کر دیا ہے[2]۔

کچھ عرصے کے بعد شارلیمان نے عباسی حکومت کی شہ پر

---

[1] کانڈے، ج ۱، ص ۱۹۷

[2] تاریخ غزوات العرب، ص ۱۱۸، ۱۱۹

Marfat.com

سلیمان بن یقظان کے ساتھ ساز باز شروع کی اور اندلس پر حملے کی تیاریاں کرنے لگا۔ شارلیمان جو اس وقت تک فرانس کی کئی ایک خود مختار ریاستوں کو ختم کر کے اپنی سیاسی برتری کے جھنڈے گاڑ چکا تھا، ۱۶۱ھ میں ایک لشکرِ جرار کیساتھ اندلس میں داخل ہوا۔ سلیمان اُسے ساتھ لے کر سرقسطہ چل دیا۔ دونوں فوجیں جب سرقسطہ کے قریب پہنچیں تو انہیں معلوم ہوا کہ یحییٰ بن حسین انصاری پہلے سے ہی سرقسطہ پر قبضہ کرنے کے بعد قلعہ بند ہو کر بیٹھ گیا۔ شارلیمان نے شہر کا سختی سے محاصرہ کرنا چاہا تاکہ یحییٰ بن حسین کو اس کے گناہ کی سزا دی جا سکے لیکن اُسے معلوم ہوا کہ سیکس قوم نے اس کی غیر حاضری سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے فرانس پر حملہ کر دیا ہے۔ اور دریائے رائن تک بڑھ آئی ہے۔ شارلیمان نے واپس لوٹنے میں ہی عافیت سمجھی۔ وہ تیزی کے ساتھ سرقسطہ سے واپس جا رہا تھا کہ مطروح اور عیشون[1] نے اثنائے راہ میں شارلیمان کی فوج کے عقب پر حملہ کر دیا[2]۔ اس کی فوج کا بہت بڑا حصہ تباہ ہو گیا۔ اور بہت سے آزمودہ کار جرنیل مارے گئے۔ یہ واقعہ پمپلونہ کے قریب پیش آیا۔ اس کے بعد شارلیمان خود تو کبھی بھی اندلس کیطرف آنکھ اُٹھا کر نہ دیکھ سکا لیکن بعض عیسائی ریاستوں کے نوابین کو اندلس پر حملہ کے لئے اکساتا رہا۔

---

[1] مطروح اور عیشون سلیمان کے لڑکے تھے۔ انھوں نے اپنے باپ کو چھڑانے کیلئے جسے شارلیمان نے قید کر لیا تھا، فوج پر حملہ کر دیا۔ [2] امیر شکیب ارسلان کا خیال ہے کہ شارلیمان پر اس وقت حملہ ہوا جب وہ وادیٔ رونسفو میں داخل ہو چکا تھا۔ اسی لڑائی میں رولینڈ (Roland) بھی قتل ہوا جو ایک عظیم گھوڑسوار تھا۔ (تاریخ غزوات العرب، ۱۲۲)

Marfat.com

عبدالرحمٰن جس کس مپرسی کی حالت میں اپنے وطن سے نکلا تھا، اس نے یکہ وتنہا جس تحمّل سے مصائب و آلام کا مقابلہ کیا تھا اور مغرب میں جن حوصلوں سے نئی حکومت کی بنیاد رکھی تھی، اس کی مثال بہت کم لوگوں کی زندگی میں ملتی ہے۔ خوشگوار اور مساعد حالات میں کاکل گیتی کی آرائش کوئی مشکل کام نہیں لیکن نامساعد اور ناموافق حالات میں سلطنت کی تاسیس صرف ان شخصیتوں کا حصّہ ہے جو تاریخ ساز اور عہد آفرین ہوتی ہیں۔ المنصور عباسی سے بڑھ کر عبدالرحمٰن کا اور کون دشمن ہو سکتا ہے لیکن حقیقت ہے کہ المنصور بھی اس کے جواں عزم اور بلند ہمتی کا معترف تھا۔

ایک دن خلیفہ منصور نے اعیانِ دولت سے پوچھا: "قریش کا باز کون ہے؟" انہوں نے جواب دیا: "اے امیرالمومنین! یہ اعزاز تو آپ ہی کو زیب دیتا ہے۔ آپ ہی ہیں جنہوں نے متکبّر اور سرکش بادشاہوں کی گردنوں کو جھکا دیا ہے۔"

منصور نے کہا: "میں ایسا نہیں ہوں۔"

"معاویہؓ ہوں گے یا پھر عبدالملک بن مروان۔" انہوں نے عرض کی۔

"نہیں۔ وہ بھی نہیں۔" منصور نے کہا۔

"پھر آپ ہی فرما دیجئے۔" انھوں نے لجاجت سے عرض کی۔

منصور نے کہا "قریش کا باز عبدالرحمٰن بن معاویہؓ ہے جو نیزوں کی انی اور تلواروں کی دھار سے اپنی حیلہ گری کے ذریعے بچ نکلا۔ چٹیل میدانوں کو عبور کیا، سمندر پہ سوار ہوا یہاں تک کہ ایک اجنبی

Marfat.com

ملک میں داخل ہوا، شہروں پر شہر بسائے اور فوجوں پر فوجیں ترتیب دیں۔ اور اپنی تدبیر کی خوبی اور عزم کی پختگی سے اپنی کھوئی ہوئی حکومت دوبارہ قائم کر لی۔"[1]

عبدالرحمٰن ابھی بیرونی حملہ آوروں کی روک تھام سے فارغ نہ ہوا تھا کہ ملک کے اندر سوئے ہوئے فتنے جاگ اُٹھے۔ سنہ ۱۵۱ھ میں یمنیوں نے بغاوت کر دی۔ اور قرطبہ پر فوج کشی کی۔ عبدالرحمٰن نے عبدالملک بن عمر حاکم اشبیلیہ کو حکم دیا کہ باغیوں کی فوراً سرکوبی کی جائے عبدالملک نے اپنے لڑکے امیہ کو ہراول دستے کا سردار مقرر کیا۔ اور خود اس کے عقب میں روانہ ہوا۔ امیہ نے دیکھا کہ دشمن کی تعداد ہزاروں تک ہے۔ اور وہ آلاتِ حرب و ضرب سے پوری طرح لیس ہے۔ اُس نے گھبرا کر پیچھے ہٹنا شروع کر دیا۔ عبدالملک کو اپنے بیٹے کی بزدلی اور کم ہمتی پر سخت افسوس ہوا۔ اُس نے حکم دیا کہ ایسے ضعیف الارادہ شخص کو قتل کر دیا جائے۔ جس کی فوراً تعمیل کر دی گئی۔ اس کے بعد عبدالملک اپنی افواج سے مخاطب ہوا اور کہا: کیا ہم مشرق سے اس ملک کی انتہا تک بغیر محنت اور مشقت کے پہنچ گئے ہیں؟ کیا ہم ان مشکلات کو بھول گئے ہیں جو ہمیں اپنی فتوحاتِ سابقہ میں اُٹھانا پڑی ہیں! کیا ہمارے بدنوں میں خون کی حرارت کم ہو گئی ہے جس نے ہمیں لڑائیوں میں کامیاب و کامگار رکھا تھا!" ان الفاظ کے بعد اُس نے اپنی فوج کو آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ اب کیا تھا! فوج کا ہر سپاہی شوقِ جہاد سے سرشار نظر آتا تھا۔ یمنی اس بلند حوصلہ فوج کے مقابلہ کی تاب نہ

---

[1] المقری، جزء الاوّل، ص ۳۱۰

لاتے ہوئے میدانِ جنگ سے بھاگ نکلے۔ فتح مند فوج نے یمنیوں کا دُور تک تعاقب کیا اور انہیں چن چن کر مارا۔ اسی اثنا میں الداخل خود بھی فوج کا ایک دستہ لیکر وہاں پہنچ گیا۔ وہ فوج کی جرات و ہمت اور عزم و استقلال کو دیکھ کر بے حد متاثر ہوا۔ اس نے اسی وقت ہشام (ولیعہد) کی شادی عبدالملک کی لڑکی کیساتھ کرنے کا اعلان کر دیا۔

عبدالرحمٰن کی تمام عمر مصائب کا مقابلہ کرنے میں گزر گئی۔ اس میں شک نہیں کہ اس نے گوہر مقصود کو پالیا اور اندلس میں ایک عظیم سلطنت کی بنیاد ڈالی لیکن یہاں تک پہنچنے کے لئے جن پُر خار راستوں سے اُسے گزرنا پڑا ہے اور دیو مالائی قسم کے جن عفریتوں سے اُسے سابقہ پڑا ہے، وہ اصحابِ عزم و ہمت کا ہی حِصّہ ہے۔ ابنِ حیان کے خیال کے مطابق عبدالرحمٰن نے اندلس کے لوگوں کو ایک شاہراہ پر لا کھڑا کیا۔ ان کی تنظیم کی اور حکومت کو مختلف شعبوں میں تقسیم کیا۔ جن میں حاجب، مدارالمہام، کاتب، قاضی، پولیس آفیسر، اور سپہ سالار اہم عہدے تھے۔

اس نے قرطبہ میں ایک ٹکسال قائم کی جس میں مختلف قسم کے سکے تیار کیے جاتے۔ امیر نے محلات بنوائے، عطایا مقرر کیے اور فوج کی از سرِ نو تنظیم کی۔ مسلسل ریاضت اور توجہ سے حکومت کی تعمیر کا یہ محل آسمان تک پہنچا اور اس کی بنیادیں زمین میں مضبوط ہو گئیں[1]۔ عبدالرحمٰن عوام کے ساتھ بے تکلف ملتا، ان کے دکھ درد میں شریک ہوتا۔ ان کی شکایات سنتا اور انہیں حل کرنے

---

[1] المقری۔ ج ۱، ص ۳۱۰

Marfat.com

کے لئے پوری کوشش کرتا۔ علامہ المقری نے اپنی فاضلانہ تصنیف میں ایسے واقعات بہ کثرت بیان کئے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ ضرورت مند لوگ اُس کے خچر کی لگام تھام لیتے اور کہتے ! " اے امیر! میں آپ کو اس جگہ سے آگے بڑھنے نہ دونگا جب تک آپ قاضی کو انصاف کرنے اور معاملہ کو بلا تاخیر نپٹانے کا حکم صادر نہ فرمائیں "۔

عبدالرحمن کو عمارات بنوانے، باغات لگوانے اور نزہت گاہیں تیار کرانے کا بے حد شوق تھا۔ قرطبہ کی فصیل کی تعمیر، قصرِ حکومت میں مفید اضافے اور رصافہ کا وجود اس کے ذوقِ حسن پہ شاہد ہیں۔ قرطبہ کی جامع مسجد جس کا نقشہ امیر نے خود تیار کیا تھا اور جس کا سنگِ بنیاد بھی خود ہی رکھا تھا اُس کے جمالیاتی ذوق کی منہ بولتی تصویر ہے۔ دو سال کے عرصے میں اس پر کوئی ۸۰ ہزار دینار خرچ آئے۔

عبدالرحمن خود عالم تھا اور علماء کا قدر دان۔ دربار میں شعراء اور علماء کا جمگھٹا لگا رہتا۔ دربار کی شہرت نے دنیا بھر کے باصلاحیت لوگوں کو قرطبہ میں جمع کر لیا۔ مذاکرات علمی اور مشاعرے منعقد ہوتے اور طالبانِ جوُد و کرم منہ مانگی مرادیں پاتے۔ عبدالرحمن کی اپنی نظمیں فصاحت و بلاغت کا بہترین نمونہ ہیں۔ اُن میں الفاظ کا شکوہ، تخیّل کی بلندی اور جذباتِ رنج والم اور فراق و مہجوری کی عکاسی پائی جاتی ہے۔ اُس نے رصافہ میں کھجور کا ایک تنہا درخت لگا رکھا تھا جس سے اس کے آبائی وطن کی یادیں تازہ ہوتی تھیں اسے وہ حسرت کی نگاہوں سے دیکھتا اور یوں گنگناتا ؎

Marfat.com

تبدّت لنا وسط الرُّصافة نخلة
تناءت بأرضِ الغرب عن بلدِ النخلِ
فقلتُ شبيهي بالتغرب والنوى
وطولِ التنائي عن بنيّ وعن أهلي
نشأتِ بأرضٍ أنتِ فيها غريبة
فمثلكِ في الاقصاءِ والمنتأى مثلي
سقتكِ غوادي المزنِ من صوبها الذي
يسحُّ ويستمري السماكين بالوبلِ

(ترجمہ) ۱۔ رُصافہ کے وسط میں ہمیں کھجور کا تنہا درخت نظر آیا جو نخلستانی شہر سے جدا ہو کر مغرب کی زمین میں اُگ آیا ہے۔

۲۔ میں نے اس درخت سے کہا: تو اجنبیت، علیحدگی اور اہل وعیال سے ایک مدت تک دور رہنے کی حیثیت میں میرے جیسا ہے۔

۳۔ تونے ایسی زمین میں جنم لیا ہے جہاں تو بالکل پردیسی ہے اپنے وطن سے دور پھینک دیئے جانے میں تو میری مانند ہے۔

۴۔ تجھے ابرِ بہار اپنے اس بارانِ رحمت اور میٹھے پانی سے سیراب کرے جس کے برسنے سے آسمان سے لیکر زمین تک ہر چیز سیراب ہو جاتی ہے۔

یہ اشعار عبدالرحمٰن کے جذبہ حب الوطنی اور احساسِ فرقت دیار کی غمازی کرتے ہیں جو "وادیٔ غربت" کے بادیہ پیما جانتے ہیں کہ اپنے

Marfat.com

وطن کے کانٹے نئی جگہ کے لالہ وگل اور سنبل و ریحان سے عزیز تر اور خوش تر ہوتے ہیں۔ جذباتِ رنج والم اور درد و فراق جو عبدالرحمٰن کے نہاں خانۂ دل میں مدتوں پلتے رہے تھے، غزل کے قالب میں ڈھل گئے ہیں۔ ان میں سادگی ہے اور بے تکلفی؛ آمد ہے اور بے ساختہ پن۔

عمر کا ایک بڑا حصہ مخالف طاقتوں کے ساتھ نبرد آزمائی میں گزر گیا اپنوں اور بیگانوں کی دشمنی نے قواء مضمحل کر دیئے تھے۔ امیر اب باقیماندہ وقت تنہائی میں گزارنا چاہتے تھے۔ انھوں نے ہشام کی بیعت لے لینے کے بعد مریڈا چلے جانے کا ارادہ کیا۔ جہاں وہ ۵۹ برس کی عمر میں ۱۷۲ھ میں راہیِ ملکِ عدم ہوئے۔ ان کی لاش قصرِ قرطبہ میں سپردِ خاک کی گئی۔ علامہ المقری نے ان کے خدوخال اور ان کی خصوصیات اس طرح بیان کی ہیں۔

"عبدالرحمٰن بردبار، بہترین علم اور اعلیٰ ذہن رکھنے والا، پختہ ارادے کا مالک، اپنے عزم کو پورا کرنے والا، عجز سے بے نیاز، جلد کوچ کرنے والا، مستقل حرکت میں رہنے والا، مہم جُو، تکلیف سے گھبرا نہ اُٹھنے والا، اپنے کاموں کو دوسروں پر نہ چھوڑنے والا، ہر کام کو پورا کرنے والا، شجاع، بہادر، ہر معاملے پر فکر کرنے والا، بلیغ، بلند آواز شاعر، احسان کرنے والا، فیاض اور زبان آور تھا۔ وہ سفید لباس پہنتا اور سفید عمامہ باندھتا تھا۔ اس کے دوست اور دشمن سبھی اس سے ڈرتے تھے۔

لوگوں کے جنازہ میں شرکت کرتا۔ جمعہ اور عیدین میں شمولیت کرتا اور امامت خود کرتا تھا۔ مجمعوں میں خطاب کرتا اور میل جول سے سب کو اپنی طرف مائل رکھتا۔"

المقری نے یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ جب وہ پہلی مرتبہ اندلس کی سرزمین پر اُترا تو اس کے سامنے شرابِ ارغوانی کا جام پیش کیا گیا۔ اس نے یہ کہہ کر جام ٹھکرا دیا کہ "مجھے ایسی چیز کی ضرورت ہے جو عقل و فہم کو بڑھائے نہ کہ کم کرے۔" ایک دوسرے موقع پر اس کے سامنے ایک چنچل کنیز پیش کی گئی۔ امیر نے اس حسنِ معصوم کو دیکھ کر کہا: یہ آنکھوں کی طراوت ہے اور دل کا سرور۔ مجھے ڈر ہے کہ اگر میں اس میں مشغول ہو گیا تو اپنے مقصد کو بھول جاؤں گا۔ میں نہ تو مقصود کو بھولنا چاہتا ہوں نہ اس لونڈی پر ظلم کرنا چاہتا ہوں۔ اسے مجھ سے دُور لے جاؤ۔" یہ ظاہر ہے کہ الداخل نے کبھی بھی اپنی مردانہ خوبیوں کو عیاشی اور تن پروری میں ضائع نہیں کیا۔ اس کے مقاصد بلند اور اعلیٰ تھے۔ وہ جانتا تھا کہ کوئی انسان بھی اس وقت تک اعلیٰ مقامات کو نہیں پا سکتا جب تک وہ اپنی خصوصیات کے لحاظ سے اپنی تمام رعایا سے برتر نہ ہو۔

تاریخ کے طالب علم کو جو بات کھٹکتی ہے وہ امیر کی ضد اور ہٹ دھرمی ہے۔ وقت کے گزرنے کے ساتھ امیر کے مزاج میں چڑچڑاپن آگیا تھا۔ جو کہہ دیتے اس پر اڑ جاتے اور جب کسی سے خفا ہو جاتے تو پھر راضی نہیں ہوتے تھے۔ بدر کا یہی حال ہوا۔ اس کی تمام عمر کی خدمات ضائع گئیں۔ اُس خاتون کی خدمت بھی اکارت گئی جس نے امیر کو ان کی جلاوطنی کے زمانے میں اپنی گود میں پناہ دی تھی۔

Marfat.com

- ہشام بن عبدالرحمٰن الداخل کی ابتدائی مشکلات۔
- ہشام کے بھائیوں کی طوطا چشمی اور اغیار کی سازشیں۔
- جلیقیہ کی عیسائی حکومت کا سر اٹھانا۔
- ڈیوک آف لوڈوس کی شکست۔
- مسلمان قیدیوں کی عیسائی حکمرانوں کے چنگل سے نجات۔
- امیر کی پاکیزہ سیرت اور عربی ثقافت کا پروان چڑھنا۔
- فقہ مالکی کا فروغ اور ہشام کی آخری وصیت۔

Marfat.com

باب ۸

امیر عبدالرحمٰن بڑے جہاندیدہ انسان تھے۔ یہ دیکھتے ہوئے کہ ہشام روشن دماغ ہے اور انتظامی صلاحیتوں کا مالک، اُنھوں نے اس کے لئے اپنی زندگی میں ہی بیعت لے لی تھی۔ ہشام کا کامیابی کیطرف راستہ بڑا طویل اور کٹھن تھا۔ آشناؤں کی بیوفائی، بھائیوں کی طوطا چشمی اور اغیار کی غداری نے اس کی "تکالیف میں معتدبہ اضافہ کر دیا۔ ہشام نے جہاں ذوقِ علمی میراث میں پایا تھا، وہاں شجاعت و شہامت اور جینے کا حوصلہ بھی اُسے میراث میں ملے تھے۔

سلیمان اور عبداللہ (برادرانِ ہشام نے) اُسے تاج و تخت سے محروم کرنے کے لیے ہر ممکن کوشش کی۔ لیکن ہشام نے ۷۹۰ء میں انہیں تدمیر کے قریب شکستِ فاش دی۔ سلیمان بھاگ نکلا اور بلنسیہ کے علاقے میں بربرہ کے درمیان پناہ لی۔ ابنِ اثیر کی روایت کے مطابق برادرانِ ہشام نے اندلس کو چھوڑ کر مغرب میں سکونت اختیار کی۔ اور اس طرح اندلس میں برادرانہ کشمکش کا خاتمہ ہو گیا۔[1]

اس دوران میں جب ہشام اپنے راستے کے نوکیلے کانٹوں کو چننے

---

[1] ابنِ اثیر ج ۶، ص ۸۰

Marfat.com

میں مصروف تھا، عیسائی حکمرانوں میں علیحدگی پسندی کا رجحان بڑھتا جا رہا تھا۔ جلیقیہ کی عیسائی حکومت نے خلافت اندلس کی غلامی کا جوا اُتار پھینکا، اربونہ اور جرندہ کے علاقے بھی علیحدہ ہو گئے۔ ہشام نے جس کا ستارۂ اقبال درخشاں نظر آتا تھا، ہمت ہارے بغیر نہ صرف سعید کی بغاوت کو ہی فرو کیا بلکہ مشرقی اندلس پر اپنا کھویا ہوا اقتدار بھی دوبارہ حاصل کر لیا۔ ابو عثمان نے تمام جنگی چالوں کو استعمال میں لاتے ہوئے جو دشمن کی طاقت کو کمزور کرنے کے لئے ضروری ہیں، سرقسطہ کا سختی سے محاصرہ کر لیا اس نے اپنی فوج کو حکم دیا کہ وہ شہر کے گرد و نواح میں پیدا ہونے والی سبزی اور پھلوں کی نقل و حرکت پر کڑی نگرانی کرے۔ اس نے ہر قسم کی مالی امداد اور خوردنی اجناس کو محصورین تک پہنچنے سے روک دیا۔ اور انہوں نے ہشام کی سیادت قبول کر لی۔

ان حالات پر قابو پا لینے کے بعد ہشام نے عیسائی حکمرانوں کی طرف توجہ دی جنہوں نے گزشتہ چند سالوں میں اپنی دکانیں چمکائی تھیں۔ عبدالملک بن عبدالواحد کی سرکردگی میں جو فوج بھیجی گئی تھی اس نے جرندہ کو فتح کرنے کے بعد اربونہ پر چڑھائی کی۔ مسلمان لشکریوں نے کثیر دولت اکٹھی کی۔ شہر کی فصیل کو جس میں عمدہ اور قیمتی پتھر استعمال کیا گیا تھا گرا دیا۔ اور اس کا ملبہ قرطبہ لایا گیا۔ اس ملبے سے ایک حسین و جمیل مسجد تعمیر کی گئی جو مسلمانوں کی معاشرتی زندگی کا مرکز اور ان کی کامیابی کا نشان تھی۔

۷۹۴ء میں ایک اور لشکر البہ اور جلیقیہ کی طرف روانہ کیا گیا۔ ڈیوک آف تولوس نے مزاحمت کی لیکن اسلامی لشکر کے تہوّر اور رعب

Marfat.com

کے سامنے نہ ٹھہر سکا۔ عبدالکریم نے یہاں سے جلیقیہ کا رُخ کیا اور اس شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ ہشام کی افواج نے چند ہی سالوں میں برموڈو (Burmude) شاہ ایسٹریاس کو شکست دی۔ پائرنیس کو تہ و بالا کیا۔ سپٹی مینیا اور اربونہ کے علاقوں[1] کو فتح کر کے سیم و زر سے خوب ہاتھ رنگے۔ مالِ غنیمت کا ۱/۵ حصہ جو بادشاہ کا اپنا حصہ تھا اور مالیت میں ۴۵ ہزار دینار کے لگ بھگ[2] تھا جامع مسجد قرطبہ کی تعمیر پہ خرچ ہوا۔ عیسائی علاقوں پر مسلمانوں کے متواتر حملوں نے انہیں اس قدر ہراساں کر دیا کہ وہ ایک مدت تک اسلامی سرحدوں کیطرف آنکھ اُٹھا کر نہ دیکھ سکے۔ ہشام نے ایک خاص فنڈ جاری کر رکھا تھا جس سے مسلمان قیدیوں کا زرِ فدیہ ادا کیا جاتا تھا۔ دولتمند اور مخیر انسان اس فنڈ میں دل کھول کر چندہ دیتے۔ ایک مرتبہ ایک متمول آدمی لاکھوں روپے اس خاطر چھوڑ کر مرا کہ اس سے ان قیدیوں کی رہائی مول لی جائے جو عیسائی حکمرانوں کی قید میں پڑے ہیں۔ مگر یہ تمام رقم وصیت کرنے والے کے ورثاء کو واپس کر دی گئی کیونکہ ایسا کوئی قیدی نہیں پایا گیا جو عیسائیوں کے ہاں زرِ فدیہ ادا نہ ہونے کے سبب قید میں پڑا ہو۔

ہشام کو اپنی رعایا کے غریب طبقے سے بڑی الفت تھی۔ وہ سب کے ساتھ شفقت اور نرمی سے پیش آتا۔ بیوہ عورتوں کی دل کھول کر مدد کرتا۔ بیماروں کی تیمار داری اور ضرورتمندوں کے مصائب میں شریک ہو کر لطف اٹھاتا۔ ثواب کے کاموں میں ان کو رات کی

---

[1] تاریخ غزوات العرب، ص ۶۷

تاریکی مانع آتی تھی نہ موسم کی سختی۔ ملک میں فقہ مالکی فروغ پا رہی تھی۔ علماء اور فضلاء دربار میں حاضر ہوتے اور منہ مانگی مرادیں پاتے۔

امیر ثقافت عربی کے حامی تھے۔ انہوں نے تمام مدارس میں جو مناسب جگہوں پر کثرت سے کھولے گئے تھے، عربی زبان کو لازمی قرار دیا یہ ایک ایسی دانشمندانہ پالیسی تھی جس سے چند سالوں کے اندر ایک سیاسی اور تمدنی انقلاب پیدا ہوگیا۔ یہ حقیقت ناقابل انکار ہے کہ جو قوم اپنی زبان کو چھوڑ کر کسی غیر قوم کی زبان کو اپنا لیتی ہے وہ یقیناً اپنی ہستی کو گم کر دیتی ہے۔ "معاملات و مراسم مذہبی کی پابندی سے جو تمدنی تفریق پیدا ہوتی ہے وہ بھی اتنی دائمی اور گہری نہیں ہوتی جتنی کہ زبان کی تبدیلی سے۔ فاتحین کی زبان جب مفتوحین کو بہ جبر استعمال کرنی پڑی تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مفتوحین اپنے فاتحین کے مذہب، خصوصیات اور آراء سے روز بروز واقف ہوتے چلے گئے۔ تعصب آہستہ آہستہ نکلنا شروع ہوا۔ اختلاط اور دوستی بڑھنے لگی۔ گاتھک لباس کی جگہ عمامے باندھے اور ایشیاء کے ڈھیلے ڈھالے کپڑے پہنے جانے لگے۔ اب جو بچے پیدا ہوئے وہ سوائے عربی کے اور کوئی زبان جانتے ہی نہ تھے۔"

ہشام نے ملک میں امن و امان قائم کیا۔ ٹیکسوں کو کم کر کے رعایا کی خوشحالی کو بڑھایا اور محاصل میں تخفیف کر کے تجارت کو فروغ دیا۔ شہروں کی خوبصورتی اور باغات کی رونق کو دوبالا کیا۔

اپنوں اور پرایوں کی بدعہدیوں اور ایذا رسانیوں نے امیر سے ان کی رجائیت چھین لی تھی۔ ان کی طبیعت پر قنوطیت اور یاس چھائی

Marfat.com

رہتی تھی منجم الملک حنبی کے قیاسات کے بعد وہ خلوت گزیں ہو گئے اور اپنا زیادہ وقت عبادت میں ہی گزار دیا۔ المقری کا کہنا ہے کہ ہشام اپنی سیرت و کردار میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کے نقش قدم پر چلتے تھے انھوں نے اپنے لڑکے حکم (بن ہشام) کو رسم بیعت ادا ہونے کے بعد جو وصیت کی وہ بڑی پُر مغز ہے اور امیر کے احساسات و جذبات اور خیالات و معتقدات کی پوری طرح غمازی کرتی ہے۔

"عدل و انصاف کرنے میں امیر و غریب کا امتیاز نہ کرنا، جو لوگ تمہارے دست نگر ہوں، ان سے لطف اور نرمی سے پیش آنا۔ سب لوگ اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں۔ اپنے صوبوں اور شہروں کی حفاظت وفادار اور تجربہ کار لوگوں کے سپرد کرنا۔ تمہارے جو عمال رعایا کو تنگ کریں ان کو سخت سزا دینا۔ اپنے سپاہیوں پر اعتدال اور استقلال سے حکومت کرنا۔ یہ یاد رکھنا کہ انہیں ہتھیار اس لئے دیئے جاتے ہیں کہ وہ ملک کی حفاظت کریں نہ اس لئے کہ ملک تباہ کر ڈالیں۔ یاد رکھو ان کو تنخواہیں وقت پر دیتے رہنا۔ اور ان سے جو وعدے کرنا، ان کو پورا کرنا، ہمیشہ اس کوشش میں رہنا کہ تمہاری رعایا تمہاری گرویدہ رہے۔ کیونکہ ان کی محبت ہی سے تمہاری سلطنت کا قیام اور دوام ہے۔ اگر وہ تم سے ڈریں گے تو تمہارے لئے خطرناک ہوں گے۔ اگر وہ تم سے نفرت کریں گے تو یاد رکھو یہی تمہاری بربادی کا سبب ہوگا۔ ان لوگوں کی حمایت و حفاظت کرنا

Marfat.com

جو کاشتکار کہلاتے ہیں اور ہمارے لئے روٹی مہیا کرتے ہیں۔ خبردار! ان کی فصلیں خراب نہ ہونے پائیں۔ اور ان کے جنگل اور چراگاہیں تباہ نہ ہو جائیں۔ ہر بات میں ایسا طرزِ عمل رکھنا کہ تمہاری رعایا تمہیں دعائیں دے اور تمہارے زیرِ سایہ خوشی اور خرمی سے اپنی عمریں گزار دے۔ یہی اور صرف یہی طریقہ ہے جس سے تمہاری نیک نامی ہو گی اور تمہارا نام شاندار بادشاہوں کی فہرست میں آجائے گا۔[۱]

---

[۱] اخبار الاندلس، ج ۱، ص ۲۴۴۔ ۲۴۳۔

Marfat.com

Marfat.com

- ابوالعاص حکم بن ہشام کا دور۔
- حکم کی بے راہروی۔ محافل طرب ونشاط کا انعقاد۔ شاہد وشراب سے رغبت۔
- داخلی شورشیں اور بیرونی بغاوتیں۔
- عمروس کا طلیطلہ میں گورنر مقرر ہونا اور یوم الخندق میں باغیوں کی سرکوبی۔
- جرندہ کی فتح۔ فرانس پر تاخت اور رولینڈ کی موت۔
- وادی الحجارہ کا واقعہ۔
- علمائے وقت کی پریشانی۔ حکم میں "بوئے اسداللہی" کا فقدان۔
- قرطبہ کی بغاوت۔ ربض کی گلیوں میں خون کی ارزانی۔
- حکم کے آخری سال۔

Marfat.com

باب ۹

ابوالعاص حکم بن ہشام کی اُٹھتی جوانی تھی جب اس نے حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لی۔ شباب کی سرمستیوں، جوانی کی ناتجربہ کاریوں اور ذہن کی خامیوں نے حکم کو ایسی راہ پر ڈالدیا جو غیر محتاط تھی۔ صلحاءِ امت اور اصحابِ رشد وہدایت نے جن میں حضرت یحییٰ بن یحییٰ لیثی اور ان کے سگے بھائی، حضرت شیخ عیسیٰ بن دینار، حضرت ابو یحییٰ زکریا مطر غسانی اور حضرت موسیٰ بن سالم خولانی کے اسماء قابلِ ذکر ہیں حکم کو صحیح راہ پر لانے کی کوشش کی۔ مگر ع

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

وہ لوگ جو ہشام کی صحبتوں سے لطف اُٹھاتے رہے تھے جہاں رنگ دلنور کے فوارے پھوٹتے تھے، علم وادب اور شعر وسخن پروان چڑھتے تھے اور علوم شرعیہ و نقلیہ پر اجتہادی نگاہ ڈالی جاتی تھی جب حکم کی رندی اور لااُبالی پن کو دیکھتے تو ان کے دل سے ہوک اُٹھتی۔ بادہ خواری درحقیقت ان صفات کی ضد ہے جو ایک مدبّر کو ہوش، عزم اور تعقل بخشتی ہیں۔ کتاب وسنت سے اعراض اور شاہد و شراب سے رغبت نے حکم کے لیے ان گنت مسائل پیدا کر دیئے۔ ملک کے اندر

Marfat.com

مشرقی اور مغربی اندلس کی بغاوتوں اور علماء حق کی مخالفت نے اختلاف و انتشار کی صورت پیدا کر دی اور ملک کے باہر عیسائی حکومتوں کے پے درپے حملوں نے ملک کے وجود اور اس کی سالمیت کو خطرے میں ڈال دیا۔ ایک طرف اُسے ذاتی حفاظت کے لئے سخت تدابیر اختیار کرنی پڑیں۔ اور دوسری طرف ان شوریدہ سر اور مفسد لوگوں سے لڑائی لڑنی پڑی جنہوں نے امنِ عامہ کو خاکستر اور ملکی وحدت کو پارہ پارہ کر دیا تھا۔

حکم نے عیسائی حکمرانوں سے نمٹنے کا پروگرام تو بنا لیا تھا لیکن داخلی بغاوتوں نے اس کے تمام منصوبوں کو خاک میں ملا دیا۔ بہلول بن مرزوق نے سرقسطہ پر اپنا تسلط جما لیا؛ عبداللہ (برادرِ ہشام) نے بلنسیہ پر اپنا جھنڈا گاڑ دیا؛ عبیدہ نے طلیطلہ میں علمِ بغاوت بلند کر دیا اور سلیمان (برادرِ ہشام) نے قرطبہ میں ہی بربری قبائل کو آمادۂ پیکار کر دیا۔ اگر عمروس بن یوسف والئ طلبیرہ کی پر خلوص عزیمت اور اعانت حکم کے شاملِ حال نہ ہوتی تو وہ ہمیں خاک چھانتا نظر آتا۔

عمروس نے سب سے پہلے بنو مخشی کی مدد سے عبیدہ کو قتل کروا دیا جس نے طلیطلہ کی شوریدہ سر آبادی کو بغاوت پر آمادہ کیا تھا۔ سلیمان چار سال کی تگ و دو کے بعد ۱۸۴ھ میں قتل ہوا اور اس کی لاش قرطبہ کے بازار میں لٹکا دی گئی۔ عبداللہ نے جو اپنے بھائی کے انجام کو دیکھ چکا تھا گوشہ نشینی اختیار کر لی بعض مورخین کا خیال ہے کہ حضرت یحییٰ بن یحییٰ لیثی نے حکم اور ان کے چچا عبداللہ کے درمیان مصالحت کرا دی۔ طلیطلہ کو جو اندلس میں

Marfat.com

باغی عناصر کی آماجگاہ بنا ہوا تھا، مفسد لوگوں سے پاک کرنے کے لئے ایک جامع سکیم تیار کی گئی۔ عمروس کو حکم نے طلیطلہ کا گورنر مقرر کر دیا جس نے وہاں پہنچ کر لوگوں کا اعتماد حاصل کرنے کی کوشش کی۔ وقت گزرنے کے ساتھ عوام و خواص اُسے اپنا مربی اور محسن سمجھنے لگے۔ پروگرام کے مطابق ایک سہانی صبح کو یہ اعلان کر دیا گیا کہ اندلس کی سرحدات پر عیسائی حکمران اپنی افواج جمع کر رہے ہیں۔ جن کے مقابلے کے لیے امیر ایک لشکرِ جرار اپنے لڑکے عبدالرحمن کی سرکردگی میں روانہ کر رہے ہیں۔ چونکہ سرحدی علاقے کو راستہ طلیطلہ سے گزرتا ہے اس لئے عبدالرحمن سرحدوں کی طرف روانہ ہونے سے پیشتر شہر سے باہر جیارین میں شب بسری کرنا چاہتے ہیں۔ فوج کے لئے ایک کھلے میدان میں خیمے نصب کر دیئے گئے اور شہزادے کے لئے "بارگاہ" تیار کی گئی۔

اگلے روز لوگوں کو یہ خوش آئند پیغام سنایا گیا کہ دشمن نے اپنی افواج ہٹالی ہیں اس لئے اسلامی افواج کو سرحدات پر بھیجنے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ عمروس نے بڑی ہوشیاری سے عمائدین شہر کو شہزادے کے حضور میں باریاب ہونے کی ترغیب دی۔ شہر کے رؤساء اس تجویز سے اتفاق کرتے ہوئے شہزادے کی پذیرائی کے لئے جیارین پہنچے اور اُسے شام کے کھانے کی دعوت دی تاکہ وہ شہر کی عظمت و نفاست کو بچشم خود دیکھے؛ ان کی مشکلات کا جائزہ لے اور ان کے حل کیلئے اربابِ حکومت کو مناسب تدابیر اختیار کرنے کے لئے کہے۔ عبدالرحمن نے پہلے تو انکار کیا لیکن بعد میں وزراءِ سلطنت اور عمائدین شہر کے

Marfat.com

اصرار پر دعوت کو قبول کر لیا۔

پہلے روز تو شہر والوں کی طرف سے معزز مہمان کو دعوت دی گئی تھی لیکن دوسرے روز حکومت کی طرف سے شہر کے معززین کے کام و دہن کی ضیافت کا انتظام کیا گیا۔ ضیافت کا انتظام قلعے (سرکاری عمارت) کے اندر کیا گیا تھا۔ جسے عمروس نے شہری آبادی سے ہٹ کر ایک ٹیلے پر تعمیر کروایا تھا۔ شرکت کرنے والے حضرات صدر دروازے سے داخل ہو رہے تھے اور ان کی سواریاں قلعے کی عقبی دیوار کے ساتھ باندھ دی گئیں، مہمان ایک خاص اہتمام کے تحت چھوٹے چھوٹے گروہوں میں قلعہ میں داخل ہو رہے تھے جس کے صحن کے وسط میں ایک عمیق گڑھا کھود دیا گیا تھا۔ جونہی مہمان اس گڑھے کے قریب پہنچتے جلاد اپنی بے نیام تلواروں سے ان کا سر تن سے جدا کر دیتے۔ اور انہیں گڑھے میں دھکیل دیتے۔ شام سے لیکر اگلی صبح تک جلاد عمائدین شہر کی گردنوں میں نامۂ اجل باندھتے رہے۔ سواریاں تمام رات اپنے سواروں کا انتظار کرتی رہیں لیکن وہ ایسی جگہ پہنچ چکے تھے جہاں سے کوئی واپس لوٹ کر نہیں آیا۔ عبدالرحمن ایک طرف کھڑا رقص بسمل دیکھتا رہا۔ شہر کے لوگ اگلی صبح چہ میگوئیاں کر رہے تھے کہ معزز مہمانوں کا کیا ہوا۔ پہرہ دار ہر سوال کرنے والے کو یہی بتاتے کہ کھانے کے بعد مہمان گھر جا چکے ہیں۔ لیکن یہ عجیب معمہ تھا جو حل ہوتا نظر نہ آتا تھا۔ طلیطلہ کے ایک طبیب نے جو صاحبِ فراست تھا محل کی فضا کو دیکھ کر بتایا کہ جو دھواں بر سرِ بام دکھائی دے رہا ہے باورچی خانے سے نہیں اُٹھ رہا بلکہ خونِ سیال کے

Marfat.com

بخارات ہیں۔[1] اسی وقت شہر میں کہرام مچ گیا۔ مگر آگے بڑھنے کی جرأت کون کرتا؟ جن لوگوں نے ذرا بھی آواز بلند کی وہ دھر لئے گئے۔ ابن عذاری کا خیال ہے کہ قتل ہونے والوں کی تعداد سات ہزار کے لگ بھگ تھی۔ عبدالرحمن اس خونی منظر کو تمام رات دیکھتا رہا۔ تلوار کی چمک سے اس کی آنکھوں میں غمزہ پیدا ہو گیا تھا جو تمام عمر باقی رہا۔[2] طلیطلہ کا یہ واقعہ جو ۱۸۱ھ میں پیش آیا "یوم الخندق" کے نام سے مشہور ہے۔

مشرقی اندلس کی بغاوتوں کو فرو کرنے کے بعد حکم نے مغربی اندلس کی طرف توجہ دی۔ ماردہ، باجہ اور موردر ایسے مقامات تھے جہاں بغاوت اور سرکشی کے جراثیم پلتے تھے۔ اگرچہ یوم الخندق کے واقعات کا ماردہ کے لوگوں پر گہرا اثر ہوا تھا لیکن اصبغ کی غیر مستقل مزاجی نے معاملہ کو ختم نہیں ہونے دیا۔ ایک طویل کش مکش کے بعد اصبغ معافی مانگنے پر مجبور ہو گیا اور ماردہ کی سکونت ترک کر کے قرطبہ میں آباد ہو گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اصبغ کے یہاں سے چلے جانے کے بعد بھی، طلیطلہ والوں نے اپنی روش نہیں بدلی۔ یہ صورت حال ۱۸۹ھ سے لیکر ۱۹۱ھ تک متواتر جاری رہی۔ تا آنکہ حکم نے خود ایک عظیم فوج کی مدد سے اہل شہر کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا۔

باجہ کی بغاوت حزم بن وہب کی خود سری کا نتیجہ تھی۔ حکم نے ہشام کو اس کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ شاہی افواج نے باجہ کا سختی سے محاصرہ کر لیا۔ جب اہل شہر پر خواب و خور حرام کر دیا گیا تو وہ امان

---

[1] تاریخ مرآت العرب، ص ۱۳۵-۱۳۶۔ [2] ابن اثیر، ج ۶، ص ۱۳۵

کے طالب ہوئے۔ موردر کی بغاوت کو فرد کرنے کے لئے حکم کو بڑے جتن کرنے پڑے۔ یہاں پر ایک بربری نے اپنی حکومت کا اعلان کر دیا تھا بڑی مشکل سے بربری کو اس کے جرم کی سزا دی جا سکی۔ کہا جاتا ہے کہ امیر تین دن ایک ہی جگہ پر بیٹھا رہا تا آنکہ اُسے بربری پر قابو پا لینے کی اطلاع پہنچی۔

یوں تو شارلیمن، شاہِ فرانس اور لوئی، شاہِ ایکوٹین نے ہشام کی وفات کے بعد ہی اندلس کی سرحدات پر اپنی نظریں گاڑ دی تھیں لیکن حکم کے عہد میں اندرونی شورشوں اور بغاوتوں کے سبب ان کی دلچسپیاں اور بڑھ گئیں۔ جزیرہ مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ حکم اپنی خام عقلیوں اور فرومائیگیوں کے باوجود شارلیمن اور اس کے حلیفوں کو نیچا دکھا سکتا تھا اگر عبداللہ اور سلیمان نے ملک میں خانہ جنگی شروع نہ کر دی ہوتی۔ اور بہلول بن مرزدق، حزم اور عبیدہ ایسے نمک حراموں نے ملک کو جہنم کا نمونہ نہ بنا دیا ہوتا۔

حکم نے عبدالکریم بن مغیث کی رہنمائی میں ایک عظیم لشکر روانہ کیا جس نے جزیرہ کے شرپسند لوگوں کو تہ تیغ کر دیا۔ ان کے اموال کو لوٹ لیا اور ان کے گھروں کو پیوندِ زمین کر دیا۔ اس لشکر کا ایک حصہ خلیج بسکے کو عبور کر کے فرانس میں داخل ہو گیا۔ عیسائی یہ جانتے ہوئے کہ خلیج ناقابلِ عبور ہے بے غم سو رہے تھے کہ غنیم کے گھوڑوں کی ٹاپوں اور ان کی ہنہناہٹ نے انہیں بیدار کر دیا۔ ایسی حالت میں مسلمان افواج کا مقابلہ کرنا ناممکن تھا۔ فاتحین نے لوگوں سے اسلحہ جمع کر لیا، ان کے مال و منال کو اُن سے چھین لیا اور ہزاروں لوگوں کو قیدی بنا لیا۔ ۷۹۸ء

Marfat.com

کی شکست کے بعد جس میں نہ صرف شارلیمن کی فوج کا ایک بڑا حصہ غارت ہو گیا تھا بلکہ اس کا بھتیجا رولینڈ بھی جو ایک طویل مدت تک یورپ کے لوک گیتوں اور لوک کہانیوں کا موضوع بنا رہا ہے اس لڑائی میں کام آیا، شارلیمان نے اندلس کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا۔ اس نے اندلس کے مسلمانوں کی یورش سے بچنے کے لئے ۷۹۸ء میں الفانسو سے دوستی کا معاہدہ کیا اور لوئی، شاہ ایکوٹین کے مشورے سے کوہ پیرانیس اور اسلامی اندلس کی سرحد کے درمیان ایک بفرسٹیٹ (Buffer State) قائم کر دی جس کا نام "اسپنش مارچ" رکھا گیا۔ یہ بات قابل افسوس ہے کہ جب کبھی اسپنش مارچ کی افواج نے اسلامی سرحدات پر حملہ کیا تو حکم کی حکومت اپنی داخلی مصروفیتوں کے سبب ان لوگوں کی کوئی مدد نہ کر سکی جو عیسائیوں کی چیرہ دستیوں اور ان کے ظلم و ستم کا نشانہ بنے ہوئے تھے۔ برشلونہ کا محاصرہ جو ۸۰۱ء میں عیسائیوں کے متحدہ لشکر نے کیا تھا، مسلمانوں کو حکم کی طرف سے بروقت امداد نہ ملنے کے سبب وہاں سے ہجرت کرنی پڑی۔ اور انہیں اپنے گھروں سے ایک تنکا بھی اٹھانے کی اجازت نہ ملی۔ یہی حال طرطوشہ کا ہوا۔

عرب مورخین نے وادی الحجارہ کے اس واقعہ کو غیر معمولی اہمیت دی ہے جس میں ایک مسلمان عورت کو چند عیسائی غنڈوں نے پکڑ لیا، اس کے ہمراہیوں کو قتل کر دیا اور ان کا ساز و سامان لوٹ لیا۔ حکم کو جب اس واقعہ کی اطلاع ملی تو اس کا ضمیر جاگ اٹھا۔ اس نے مسلمان عورت کیساتھ زیادتی کا بدلہ لینے کے لئے جہاد کا اعلان کر دیا۔ مسلمان ہزاروں کی تعداد میں عیسائیوں کے علاقے میں گھس گئے، اشرار کو چن چن کر مارا اور

Marfat.com

سینکڑوں مردوں اور عورتوں کو قیدی بنا لیا۔ کچھ روز کے بعد جب قیدیوں کا تبادلہ ہونے لگا تو حکم نے اس خاتون کے بارہ میں دریافت کیا جس نے اُسے اپنی مصیبت میں پکارا تھا۔ معلوم ہوا کہ قیدیوں کے تبادلے میں وہ عورت مسلمانوں کو واپس لوٹا دی گئی ہے۔ حکم اپنے انتقام کی آگ ٹھنڈی کرنے کے بعد قرطبہ واپس لوٹ آیا۔[1]

اس کے بعد حکم نے عبدالکریم بن مغیث کی سرکردگی میں ایک منظم لشکر جنوبی فرانس بھیجا تاکہ عیسائیوں کو ان کی گستاخیوں کا مزا چکھائے مسلمان افواج نے مختلف سمتوں میں خوف و ہراس پھیلا دیا۔ عیسائی کسی محفوظ مقام کی تلاش میں بدحواس ہو کر بھاگ رہے تھے۔ لیکن کوئی ملجا تھا نہ ماویٰ۔ کچھ دنوں کے بعد ان کا لشکر دریائے ابرو کے کنارے جمع ہوا۔ اور مسلمانوں کو آگے بڑھنے سے روکنا چاہا۔ عبدالکریم نے ایک گہری چال چلی اور پیچھے ہٹنا شروع کیا۔ عیسائیوں نے سمجھا کہ مسلمان ان کی کثرت اور جنگی آلات کی برتری سے گھبرا کر پیچھے ہٹ رہے ہیں۔ وہ دریا عبور کر کے اُس پار پہنچ گئے جہاں مسلمان کھڑے تھے۔ چنانچہ مسلمانوں نے پوری قوت سے ان پر حملہ کر دیا۔ عیسائی لشکری اس حملے کی تاب نہ لا کر بھاگ نکلے۔ تقدیر کا لکھا کون ٹال سکتا ہے۔ مسلمانوں نے بھاگنے والی فوج کو اس طرح ذبح کیا کہ میدانِ جنگ دشمن کے خون سے سُرخ ہو گیا۔ اور فضا ان کے خونی بخارات سے بوجھل ہو گئی۔ مسلمانوں نے آگے بڑھنا چھوڑ دیا۔[2]

---

[1] ابنِ اثیر، ج ۶، ص ۱۶۲

[2] عرب مورخین کا خیال ہے کہ عبدالکریم کی واپسی اس لئے ہوئی تھی کہ دریا چڑھ آیا تھا اور مسلمان افواج کے لئے آمد و رفت مشکل ہو گئی تھی۔ (ابنِ اثیر)

Marfat.com

اور واپس قرطبہ لوٹ آئے۔

شارلیمن نے محسوس کیا کہ مسلمان قوم بھی عجیب ہے کہ اندرونی جھگڑے ہوں یا آویزشیں، گروہ بندیاں ہوں یا بغاوتیں، مسلمانوں کو جب بھی کسی بیرونی طاقت سے مقابلہ کرنا ہوتا ہے تو وہ سب اپنے تفرقات کو چھوڑ، جسدِ واحد کی طرح کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اس نے جھگڑے کو ختم کرنے کے لئے حکم سے دوستانہ معاہدہ کر لیا۔ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں ہے کہ

"عربوں اور فرنیک سے لڑائی کا طویل سلسلہ خشکی و تری دونوں طرف سے جاری رہا۔ یہاں تک کہ ۸۱۰ء میں شارلیمان اور الحکم شاہِ قرطبہ کے درمیان معاہدہ صلح طے پایا۔"

یہ بات ہم شروع میں کہہ آئے ہیں کہ حکم کی عادات وخصائل شروع سے ہی غیر اسلامی سانچے میں ڈھل چکے تھے۔ اتباع کتاب وسنت کو چھوڑ وہ شیشہ و مے کا طلبگار تھا اور حسن وجمال کا پرستار۔ یہ بات ان لوگوں کی آنکھوں میں کھٹکتی تھی جو ہشام ایسے مرد مومن کے جانشین میں "خوئے اسد اللہی" دیکھنا چاہتے تھے۔ اندلس کی سرزمین میں ہمیں وہ گلہائے رنگا رنگ نظر آتے ہیں جن کی خوشبو سے ایک دنیا مہکتی رہی ہے۔ اور ایک زمانہ معطر رہیگا۔ شہرت کے آسمان پر بہت کم ستاروں کو دوام حاصل ہوا ہے۔ لیکن وہ ستارے جو اندھیری راتوں میں انسانی قسمت کی راہنمائی کرتے رہے ہیں ان میں حضرت امام مالکؒ کے شاگردِ رشید حضرت یحیٰی بن یحیٰی لیثی، فقیہہِ اندلس حضرت عیسٰی بن دینار، قاضیٔ وقت حضرت مصعب بن عمران اور حضرت سفیانؒ کے ارشد تلامذہ حضرت موسٰی بن سالم خولانی اور حضرت ابو یحیٰی زکریا بن مطر غسانی ایسے یگانۂ روزگار لوگ شامل

Marfat.com

ہیں۔ ان میں سے صرف پہلے دو حضرات حکم کی دست برد سے بچ گئے لیکن دوسروں کو کئی درجن علماء سمیت سولی پر چڑھنا پڑا۔ اس طرح اندلس کی سرزمین ان کے فیوض و برکات سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے محروم ہو گئی۔ یہ سانحہ ایسا نہ تھا کہ لوگ اسے بطیبِ خاطر قبول کر لیتے۔ اس پر بڑا ہنگامہ ہوا۔ حکم اگر ماردہ کی مہم سے جلدی واپس نہ لوٹ آتا تو شاید قرطبہ کے دروازے حکم پر ہمیشہ کیلئے بند کر دیئے جاتے۔ ۸۱۳ء میں قرطبہ والوں نے شاہی محل کا محاصرہ کر لیا۔ حکم ہتھیار لگا کر ایک مسلح دستے کے ہمراہ میدان میں کود پڑا۔ لوگوں کے جذبات مشتعل تھے۔ ممکن تھا کہ حکم کی تکہ بوٹی کر دی جاتی اگر بزیع جو قید خانے میں حبس دوام کی سزا بھگت رہا تھا قید خانہ کے محافظ کی اجازت سے لڑائی میں نہ کود پڑتا۔ اور عبداللہ (حکم کا چچا زاد بھائی) عقب سے حملہ آوروں پر نہ ٹوٹ پڑتا۔ عبداللہ نے شہر میں آگ لگا دی۔ لوگ اپنے اہل و عیال کی فکر میں بدحواس ہو کر دوڑے۔ فوج نے جب لوگوں کو افراتفری کی حالت میں دیکھا تو وہ شہریوں پر درندوں کی طرح جھپٹے۔ اور ایک قیامت برپا کر دی۔ بہر حال عبدالکریم بن عبدالواحد کے کہنے پر عوام کا قتل موقوف کر دیا گیا اور انہیں عام معافی دے دی گئی۔

قرطبہ میں جو خون خرابہ ہوا اس کا حکم کی زندگی پر گہرا اثر پڑا۔ ربض کی گلیوں میں جو خونِ ناحق بہایا گیا تھا۔ اس نے حکم کو توبہ و استغفار کرنے پر مجبور کر دیا۔ اس کی زندگی کے آخری سال انتہائی تلخ گزرے۔ ابن القوطیہ لکھتا ہے۔

"ربض کے حادثہ کے بعد اس کو بیماریوں نے گھیر لیا . . . . وہ

Marfat.com

قرآن مجید کی تلاوت میں رات گزار دیتا یہانتک کہ اس نے وفات پائی"۔

علامہ مقری کا کہنا ہے:۔

"ابنِ حزم نے اس کے متعلق رائے ظاہر کی ہے کہ وہ گناہوں کو چھپا کر نہیں کرتا تھا۔ خون بہانے میں سفاک تھا۔ اسی وجہ سے فقہا اور صلحاء اُس کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے۔ ایک سے زیادہ مورخین کا بیان ہے کہ وہ اخیر میں گناہوں سے بیزار ہو گیا تھا اور توبہ کر لی تھی۔ اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرمائے"[1]

حکم نے ۵۲ سال کی عمر میں ۲۰۶ھ ۸۲۱ء میں ابتلاء و آزمائش کی زندگی سے چھٹکارا پایا۔ ان نقائص کے باوجود جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے وہ بہادر اور صاحبِ عزیمت تھا۔ حکام و عمال کا بہتر انتخاب کرتا اور عدل و انصاف کے قیام میں گہری دلچسپی لیتا۔ ایک مرتبہ ایک لونڈی جو حسن و جمال میں اپنا ثانی نہیں رکھتی تھی حکم کے محل میں داخل کی گئی۔ جس شخص سے لونڈی چھینی گئی تھی وہ قرطبہ میں قاضی صاحب[2] کے پاس پہنچا اور تمام قصہ کہہ سنایا۔ انہیں جب واقعات کی صحت کا علم ہوا تو وہ قصرِ شاہی میں پہنچے اور امیر سے یوں مخاطب ہوئے: عوام کا انصاف اس وقت تک پورا نہیں ہو سکتا جب تک خواص میں بھی اس کو نافذ نہ کیا جائے۔ حکم نے قیمت ادا کر کے لونڈی کو خرید لینا چاہا لیکن قاضی صاحب نے

---

[1] المقری، جذوۃ الاول، ج ۱، ص ۳۲۰ - ۳۲۱

[2] مصعب بن عمرانؒ

حکم سے اتفاق نہ کرتے ہوئے جو دلیل پیش کی وہ ان کے علم اور ان کی بصیرت پر شاہد عادل ہے۔ کہنے لگے: جو لوگ کورہ جیان سے حق طلبی کے لئے یہاں پہنچے ہیں اگر مایوس واپس لوٹ گئے تو کہنے والے کہہ سکتے ہیں کہ بیچنے والے نے ایسی چیز بیچی ہے جس پر اس کو تصرف حاصل نہ تھا۔

قاضی صاحب نے جب اس دنیا سے رختِ سفر باندھا تو ایک دنیا غمگیں تھی، نوحہ خواں تھی اور سینہ کوبی کر رہی تھی لیکن حکم سب سے زیادہ رنجیدہ اور ملول تھا۔ ان کی زندگی میں حکم کو رعایا کے امور کی طرف سے پورا اطمینان تھا لیکن اُن کے دنیا سے اُٹھ جانے کے بعد اُسے یہ اندیشہ تھا کہ کوئی صحیح جانشین نہ مل سکے گا۔ اس خلا کو قاضی محمد بن بشیر کے تقرر سے پورا کیا گیا جو علم و فضل اور زہد و ورع میں اپنی مثال آپ تھے۔

حکم کی اولادیں بہت زیادہ تھیں۔ اس نے عبدالرحمن کو اپنا جانشین مقرر کیا جو علم و فضل اور شعر و ادب میں قد آور تھا اور شجاعت و شہامت میں بے مثال۔

Marfat.com

Marfat.com

- ○ عبدالرحمٰن کی ابتدائی دشواریاں اور عبداللہ کی بغاوت
- ○ یمانی اور مضری قبائل کی باہمی آویزش۔
- ○ گاتھک مارچ کی عیسائی حکومت کی ناکامی۔
- ○ ماردہ، طلیطلہ، برشلونہ اور جلیقیہ کی سازشوں کو فرو کرنا۔
- ○ عیسائی حکمرانوں کے امیر کے ساتھ تعلقات۔
- ○ علوم و فنون کی ترویج اور عیسائی مذہبی دیوانوں کی بیہودگیاں۔
- ○ امیر کے باغ کی چار اچھوتی کلیاں۔ بیگم ملکہ طروب، غلام، نصر، عاشق اندلس، یحییٰ بن یحییٰ اور موسیقار زریاب۔

Marfat.com

باب ۱۰

وہ تمام خوبیاں جن کا ہونا کسی حکمران کے لئے ضروری ہے۔ عبدالرحمٰن میں بدرجہ اتم موجود تھیں۔ امن کے دنوں میں وہ منتظم تھا اور انصاف پسند، جنگ کے دنوں میں وہ باہمت تھا اور نڈر۔ رعایا کے لئے خدماتِ جلیلہ نے لوگوں کو اس کا گرویدہ بنا ہی دیا تھا اس پر حسنِ صورت اور زبان کی حلاوت نے رعایا کی فریفتگی کو اور بھی زیادہ کر دیا۔

عبدالرحمٰن اس لحاظ سے خوش قسمت ہے کہ اس کے بھائیوں نے دانشمندی اور فہم و فراست کا ثبوت دیتے ہوئے اس کے ساتھ پوری طرح تعاون کیا اور ملک کی معاشرتی، معاشی اور ثقافتی زندگی کو بہتر بنانے کے لئے اس کی پوری مدد کی۔ ایک معمولی سا واقعہ جو حکومت کے ابتدائی سالوں میں رونما ہوا وہ عبداللہ بن عبدالرحمٰن (الداخل) کی بغاوت ہے۔ عبداللہ ہشام کے عہد سے ہی بغاوت کرتا چلا آرہا تھا۔ اس مرتبہ بھی اُسے خیال آیا کہ وہ قسمت آزمائی کرے شاید "بخت و اتفاق" اسے کوچۂ گمنامی سے نکال کر "قصرِ امارت" تک پہنچا دے۔ اس کے بیٹوں نے جو عبدالرحمٰن کے عہد میں اعلیٰ انتظامی عہدوں پر مامور تھے، اُسے سمجھایا کہ وہ نمک حرامی چھوڑ دے اور اپنی بقیہ عمر سکون و راحت سے

Marfat.com

گزار دے لیکن عبداللہ طاقت آزمانے پر تلا ہوا تھا۔ عبدالرحمٰن نے اس کی طاقت کو کچلنے کے لئے فوج کا ایک دستہ روانہ کیا۔ فوج کے آنے کی خبر سُن کر وہ بلنسیہ کیطرف بھاگ گیا۔ جہاں ۲۲۳ھ میں موت نے اُسے آلیا۔

اس دور میں بھی ہم یمانی اور مضری قبائل کو برسرِ پیکار دیکھتے ہیں۔ لورقہ میں دونوں قبائل اور ان کے حلیف ایک دوسرے سے دل کھول کر لڑے۔ سینکڑوں لوگ لقمۂ اجل بن گئے اور ہزاروں بے دست دپا ہو گئے۔ شاہی لشکر کو جب کبھی بھی اس لڑائی کے فرد کرنے کے لئے بھیجا جاتا، متحارب گروہ (Conflicting groups) بھاگ جاتے اور لڑائی ختم کر دیتے۔ لیکن فوج کے واپس لوٹتے ہی وہ پھر لڑائی شروع کر دیتے۔ یمانی اور مضری قبائل کے درمیان اتفاق اور اتحاد پیدا کرنے کی ہر کوشش ناکام ثابت ہوئی۔ عبدالرحمٰن نے دونوں گروہوں کے درمیان لڑائی ختم کرانے کے لئے ابوالشماخ مضری کو فوج میں ایک اعلیٰ عہدہ پیش کیا اور تدمیر کی مرکزیت کو ختم کر کے مرسیہ کو اس علاقہ کا دارالخلافہ قرار دیا۔

عبدالرحمٰن نے اب ماردہ اور طلیطلہ کے شرپسند لوگوں کو قابو میں لانے کی کوشش کی۔ کئی سالوں کی طویل کشمکش کے بعد ان شہروں میں امن بحال ہوا اور لوگوں نے روزمرہ کے کاروبار میں دلچسپی لینا شروع کی۔ ان شورشوں کو دبانے کے بعد، امیر نے عیسائیوں کو جارحانہ اقدام سے باز رکھنے کے لئے ایک جامع منصوبہ تیار کیا۔ فرانسیسیوں کو جو اب پاؤں پھیلا رہے تھے ابن موسیٰ کے

Marfat.com

ہاتھوں سخت ندامت اٹھانی پڑی اور گاتھک مارچ کی حکومت اپنے ارادوں میں ناکام ہوگئی۔ عبدالرحمٰن نے اس لرزائیدہ مملکت کو اپنے حال پر چھوڑ دیا۔ اگر یہاں مستقل حکومت قائم کی جاتی تو یہ علاقے صخرہ بلائی کی طرح آنے والے سالوں میں مسلمانوں کے لئے دردِ سر نہ بنتے۔

برشلونہ کی نئی حکومت نے برن ہارٹ کی سرکردگی میں مسلمانوں کی زندگی دوبھر کردی تھی۔ قزاقوں کی چھوٹی چھوٹی ٹولیاں مسلمان آبادیوں کو سرِشام لوٹ لیتیں اور ان کا مال واسباب چھیننے کے بعد واپس لوٹ جاتیں۔ عبدالکریم نے ایک جری لشکر کے ساتھ برشلونہ پہ حملہ کیا اور یہاں کی عیسائی آبادی کو وہ سزا دی کہ انہیں چھٹی کا دودھ یاد آگیا۔ اسی قسم کا معاملہ نوار میں پیش آیا۔ جہاں کونٹ ایلس نے مسلمانوں کو سخت پریشان کر رکھا تھا۔ عبدالرحمٰن کی فوجوں نے غنیم کو ایسی ذلت آمیز شکست دی کہ وہ دوبارہ سر اٹھانے کی ہمت نہ کرسکا۔

عبدالرحمٰن نے ماردہ، طلیطلہ، برشلونہ اور نوار کے عیسائیوں کو رام کرنے کے بعد جلیقیہ کا رُخ کیا۔ الفانسو دوم مسلمانوں کے حملے کی تاب نہ لاکر میدانِ جنگ سے بھاگ نکلا۔ مسلمانوں نے تمام قلعوں کو مسمار کردیا، کلیساؤں کی دولت سمیٹ لی اور ہزاروں لوگوں کو قیدی بنا لیا۔ الفانسو دوم کی زندگی میں یہ آخری حملہ تھا جس میں ناکامی کا افسوس اُسے مرتے دم تک رہا۔ وہ ۸۴۲ء میں اس دنیا سے کوچ کرگیا۔ اور رومیرو اس کا جانشین مقرر ہوا۔

اسلامی حکومت کی سیاسی برتری نے بازنطینی بادشاہ میکائیل کو

Marfat.com

مجبور کر دیا کہ وہ ۸۴۰ء میں اپنا سفیر عبدالرحمٰن کے دربار میں بھیجے اور دوستانہ تعلقات قائم کرے۔ سُفراء کا پُرتپاک خیر مقدم کیا گیا۔ سفارت کا مقصد یہ تھا کہ اگر امیر عباسی سلطنت پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہو تو میکائیل اپنے تمام وسائل سے اس کی مدد کرے گا۔ چونکہ حالات کے پیشِ نظر ایسا ممکن نہ تھا، اس لئے سفیروں کو اعزاز و اکرام کے ساتھ واپس لوٹا دیا گیا۔ امیر نے یحیٰی الغزالی کو جو اپنے وقت کا بہترین شاعر اور مدبر تھا بازنطینی شہنشاہ کے پاس روانہ کیا کہ وہ دوستانہ جذبات کے لئے اس کا شکریہ ادا کرے۔ اندلس کی بہترین مصنوعات بطور ہدیہ روانہ کی گئیں۔ یہ واقعہ اپنی نوعیت کا پہلا ہے۔

تمدنی ترقی کی طرف ایک قدم اور بڑھایا گیا۔ اب ہم دربارِ شاہی کے تکلفات کے متعلق سنتے ہیں۔ دربار میں شان و شوکت پیدا کی گئی۔ شعراء، علماء اور صناعوں پر بے دریغ خرچ کیا گیا۔ انہیں بیش قرار انعامات دیئے گئے اور انہیں قیمتی خلعتوں سے نوازا گیا۔

قرطبہ میں ایک ٹکسال قائم کی گئی جہاں سکے تیار ہوتے۔ یہ بازنطینی سکوں سے خالص ہوتے تھے اور نقش و نگار کی خوشنمائی میں کسی طرح کم نہ تھے۔ تونس میں دار الصناعت (کارخانہ جہاز سازی) کا قیام عبدالرحمٰن کے عہد کا ایک اہم ترین واقعہ ہے۔ اسی قسم کا دوسرا کارخانہ جزیرۃ الخضرا میں قائم ہوا[1]۔ موری خانوں کی ایجاد بھی اسی عہد میں ہوئی۔ ان میں اسلحہ اور آلاتِ حرب موسمی ضروریات کے مطابق محفوظ رکھے جا سکتے تھے۔

جامع مسجد قرطبہ میں مفید اضافے کئے گئے۔ مسجد کے دونوں طرف

---

[1] افتتاح الاندلس، ابن القوطیہ، حواشی، ص ۱۰۷

Marfat.com

کے صحنوں میں بڑی خوبصورت رواقیں بنائی گئیں۔ عوام کے لئے حمام، حوض اور فوارے بنا کر دارالخلافہ کی شان وشوکت کو بڑھایا گیا۔ اشیاءِ صرف (Consumer goods) کی قیمتوں پر کنٹرول کیا گیا تاکہ عوام کو مہنگے دام نہ ادا کرنے پڑیں۔ آب رسانی کا انتظام اتنا عمدہ تھا کہ سیرا موریناؔ[1] کا پانی سیسے کے نلوں کے ذریعے ہر گھر میں پہنچایا جاتا۔ مساجد کثرت کے ساتھ تعمیر کی گئیں۔ جن میں عمدہ لکڑی، سنگِ مرمر اور سنگِ سماق کا استعمال ہوا۔ مسجد کے ساتھ ایک شفاخانہ اور ایک مدرسہ ہوتا جہاں مفلس اور نادار لوگوں کے لئے مفت علاج اور مفت تعلیم کا انتظام کیا گیا تھا۔ وادیٔ الکبیر کے دونوں کناروں پر سرسبز اور وسیع باغات تھے۔ جہاں لوگ صبح وشام تفریح کی خاطر آتے۔

امیر بھی ہشام کی طرح عربی ثقافت کے حامی تھے۔ انہوں نے مختلف تمدنی عناصر کو ایک قوم میں ضم کرنے کے لئے عربی زبان کو مدارس میں جاری کیا۔ اس عہد کا ایک عیسائی مورخ ہمیں بتاتا ہے کہ عام عیسائی لاطینی زبان کو بھولتے جارہے تھے اور عربی زبان زدِ عام تھی۔ ۷۲۴ء کے لگ بھگ اشبیلیہ کے پادری باپ جان نے انجیل مقدس کا عربی میں ترجمہ کیا تاکہ عربی زبان سے واقف عیسائی اس کا مطالعہ کر سکیں[2]۔

امیر کو فلاسفرِ یونانی کے ساتھ بڑی دلچسپی تھی۔ علمی مذاکرات، علماء کے مقالات، مغنیوں کے رس بھرے گیت اور شعراء کے مدحت

---

[1] سیرا موریناؔ ایک سلسلۂ کوہ ہے جو قشتالہ کے جنوب کی طرف واقع ہے۔

[2] پروفیسر ہٹی۔ ص ۵۱۶۔

(باقی اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

وجودت کے قصائد نے دربار کی شان کو بڑھا دیا تھا اور اُسے مرجع خاص وعام بنا دیا تھا۔

امیر کے عہدِ دولت کے آخری ایام عیسائیوں پر سختی اور تشدد کے کے سبب بہت بُرے گزرے۔ عیسائی مذہبی دیوانے بیہودہ شہرت اور لغو شہادت کی خاطر مسجدوں کو ناپاک بنا دیتے اور نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شانِ عالی میں بیہودہ باتیں کہتے[1]۔ سختی سے کام لیا گیا اور نرمی سے بھی۔ لیکن یہ سلسلہ کسی طرح بند نہ ہوا۔ ان واقعات نے امیر کی صحت پر بُرا اثر ڈالا۔ اور وہ مرضِ سکتہ کے سبب ۸۵۲ھ میں اللہ میاں کو پیارے ہوئے۔

امیر کے باغِ مراد کی چار اچھوتی کلیاں زیادہ شوخ اور نمایاں نظر آتی ہیں۔ ایک تو آپ کی چہیتی بیوی ملکہ طروب تھی، دوسرا ذہنِ رسا کا مالک نصر ایک غلام تھا، تیسرا عاقلِ اندلس یحییٰ بن یحییٰ[2] تھا اور چوتھا تہذیبِ جدید کا علمبردار زریاب تھا[3]۔

موخر الذکر ہارون الرشید کے دربار کا بلبل تھا اور مغرب

(گذشتہ سے پیوستہ) یہاں آبِ شیریں کے صاف چشمے جاری تھے۔ یہاں سے انتظامیہ نے شہر میں پانی پہنچانے کا بہترین انتظام کر رکھا تھا۔ مصنوعی آبپاشی کے لئے یہاں سے نہریں کھودی گئی تھیں۔

[1] تاریخ غزوات العرب، ص ۱۵۷، مسلمانانِ اندلس، ص ۵۹ - ۴۷

[2] ابنِ خلکان بحوالہ پروفیسر ہٹی، ص ۵۱۴۔

[3] پروفیسر ہٹی، ص ۵۱۴۔

Marfat.com

میں آنے سے پہلے عباسی دربار کی رونق رہ چکا تھا۔ وہ نہ صرف ایک مغنّی اور موسیقار ہی تھا بلکہ علم و ادب کا دلدادہ اور تہذیب نو کا علمبردار بھی تھا۔

Marfat.com

- سلطان محمد کے دورِ خلافت میں جلیقیہ کی فتح اور سلیٹ کی وادی میں عیسائیوں کی شکست۔
- جنوبی فرانس پر یورش اور گنجے چارلس کی لاچاری۔
- منذر کے عہد میں عیسائی حکمرانوں کا سر اُٹھانا اور ابن حفصون کی قلابازیاں۔

Marfat.com

باب ۱۱

عبدالرحمٰن (اوسط) نے اکتیس سال کی حکومت کے بعد ۸۵۲ء میں انتقال کیا۔ ان کا عہدِ حکومت علوم وفنون کی اشاعت، فلسفہ وموسیقی کی ترقی، محلات وقصور کی تعمیر اور ممالکِ غیر کی تسخیر کے لیے مشہور ہے۔ اِن کے دربار میں اہلِ قلم بھی تھے اور اہلِ سیف بھی؛ فلسفیانہ عقدِ مل کی گرہ کشائی کرنے والے بھی تھے اور تنگ نائے حرب میں کودنے والے بھی؛ باصلاحیت پیشہ ور بھی تھے اور رنگ و نور کی محفلیں سجانے والے بھی۔ ان کی وفات کے بعد سلطان محمد تخت نشین ہوا۔ نئے امیر کی تخت نشینی کے ساتھ ہی جلیقیہ کی عیسائی حکومت نے طلیطلہ کے باغیوں کے ساتھ مل کر بغاوت کر دی۔ سلطان محمد نے اپنی فراست اور جنگی چالوں سے واقفیت کا ثبوت دیتے ہوئے غنیم کی فوج کو وادی سلیط[1] کی گھاٹیوں میں ایسا محصور کیا کہ وہ اس پرندے کی مانند تھی جو نید سے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش میں اپنا ایک بازو پنجرے میں پھنسا دے۔ شاہی افواج نے دشمن کو بے دریغ قتل کیا۔ ایک جگہ پر تو آٹھ ہزار آدمیوں کے سروں کا ایک ٹیلا بن گیا۔ جو مفتوحین کی لاچارگی اور بے بسی کا دلدوز منظر پیش کر رہا تھا۔

---

[1] اخبار الاندلس، ج ۱، ص ۵۱۶۔

Marfat.com

سلطان محمد نے موسیٰ بن موسیٰ کی رہنمائی میں ایک فوج جنوبی فرانس کی طرف روانہ کی۔ موسیٰ "آتش بدست و شمشیر بکف" وہاں پہنچا۔ مسلمان افواج کے نظم وضبط اور جوش وخروش کا یہ عالم تھا کہ فرانسیسی وحشت کے عالم میں دوڑ رہے تھے۔ اور انہیں کوئی پناہ گاہ نہ ملتی تھی۔ "گنجے چارلس" نے ایک خطیر رقم اور قیمتی تحائف اس غرض سے پیش کیے کہ وہ (موسیٰ) واپس لوٹ جائے۔[۲] سلطان محمد نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ جنگیں لڑنے میں گزار دیا۔ وہ ایک توانا حکمران اور نڈر سپاہی تھا۔ امن کے دنوں میں اس کا دربار اصحابِ علم وفضل سے بھرا رہتا۔ ۸۸۶ء میں انہوں نے اپنی جان جان آفرین کے سپرد کی۔ ان کے بعد منذر تخت نشین ہوا۔

منذر کی تخت نشینی کے وقت اندلس ایک عجیب سیاسی بحران سے گزر رہا تھا۔ "سلطان محمد کی پرخلوص کوششوں کے باوجود طلیطلہ سر نہ ہو سکا عیسائیوں کی حدودِ سلطنت رفتہ رفتہ جنوب کی طرف بڑھ رہی تھیں یہاں تک کہ ان کا پرچم قرطبہ کی دیوار پر سے نظر آنے لگا تھا۔ وہ عظیم الشان سلطنت جو دریائے گیرون سے لیکر سواحل بحیرہ روم تک کے علاقے کو اپنی غلامی میں لئے ہوئے تھی اب سمٹ کر چھوٹی سی ریاست کے برابر رہ گئی تھی۔ سپٹے مینیا، لیون، اراگون اور قشتالہ کا بہت بڑا حصہ دشمنوں کے ہاتھ میں تھا.... جنوب میں ابن حفصون مطلق العنان حکومت کر رہا تھا۔ سڑکوں پر قزاقوں کے غول کے غول پھرتے تھے۔ حفاظت کا پورا سامان کئے بغیر سفر کرنا ممکن نہ تھا۔"

---

[۲] اخبار الاندلس، ج ۱، ص ۵۲۰

Marfat.com

ان حالات میں منذر کا کام بڑا کٹھن اور محنت طلب تھا۔ انھوں نے سب سے پہلے آرچیڈونہ کے قلعے کا محاصرہ کیا جہاں ابنِ حفصون کا ایک دوست قلعہ بند ہوکر بیٹھا ہوا تھا۔ منذر نے اسے زندہ گرفتار کرلیا اور ایک ذلت آمیز موت مرنے پر مجبور کردیا۔ اب وہ ابنِ حفصون کی طرف متوجہ ہوئے۔ ذی ہمت مگر مکّار ابنِ حفصون نے مقابلہ کی تاب نہ لاتے ہوئے صلح کرلینی چاہی۔ اس نے امیر کے سامنے ایسی عاجزانہ شکل بنالی کہ امیر کو عفو و درگزر سے کام لینے کے سوا کوئی چارہ نظر نہ آیا۔ منذر اندلس کی حدود کو وسیع کرنا چاہتا تھا اور اندرونی شورشوں کو فرد کرکے امن و راحت کے دور کا آغاز کرنے کا متمنی تھا لیکن موت اس کے انتظار میں کھڑی تھی۔ عبداللہ (منذر کا سوتیلا بھائی) ایک مدّت سے عنانِ حکومت اپنے ہاتھوں میں لینے کے منصوبے بنا رہا تھا۔ اتفاق کی بات ہے کہ امیر بیمار پڑ گئے حکیم نے مشورہ دیا کہ فوری علاج کے لئے فصد کھولا جائے۔ عبداللہ نے طبیب کو رشوت دے کر ساتھ ملا لیا۔ فصد کھولنے کے لئے ایک ایسا نشتر استعمال کیا گیا جو زہر میں بجھا ہوا تھا۔ فصد لیتے ہی امیر اللہ کو پیارے ہو گئے۔

المنذر کے بعد اس کا سوتیلا بھائی عبداللہ تخت نشین ہوا۔ حکومت جب ناخلف اور عیش پسند لوگوں کے ہاتھوں میں آجاتی ہے تو انتظام ملکی درہم برہم ہو جاتا ہے، سرکش لوگوں کو سر اٹھانے کا موقعہ مل جاتا ہے اور باجگزار علاقے مرکز سے کٹ جاتے ہیں۔ رعایا میں محرومی و یاس کا پھیلنا ان کے جذباتِ احسان مندی و شکر گزاری کو مشکوک بنا دیتا ہے۔ عبداللہ کی نااہلی نے نہ صرف رعایا کو برگشتہ کردیا بلکہ دور

Marfat.com

ونزدیک کے عیسائی حکمرانوں کو بھی جرأت دلائی کہ وہ اسلامی اندلس کو تاخت وتاراج کریں اور اس کے حصے بخرے کر دیں۔

ایسے آڑے وقت میں قدرتِ کاملہ نے مسلمانوں کی مدد کی اور موسیٰ بن نصیر اور عبدالرحمٰن الداخل کے ہاتھ کا روشن کیا ہوا چراغ جو اب بادِ صرصر کے تھپیڑوں کے سبب ٹمٹما رہا تھا دوبارہ روشن کر دیا۔ سلطان عبداللہ نے ۹۱۲ء میں سفرِ آخرت اختیار کیا اور اس کے بعد سلطان محمد کا لڑکا عبدالرحمٰن ثالث سریر آرائے سلطنت ہوا۔

Marfat.com

- عبدالرحمٰن (الناصر لدین اللہ) کا امرأ مملکت اور ممالک محروسہ کے حکمرانوں کو اطاعتِ امیر کا حکم
- ابن حفصون کا خاتمہ، طلیطلہ کا محاصرہ اور باغی عناصر کی ہزیمت۔
- اندلس کی اموی خلافت، نگہبان بحری بیڑہ اور اردن ثانی کی شکست۔
- زسلوں کی گھاٹی کی لڑائی۔
- عبدالرحمٰن کا امیرالمومنین اور "الناصر لدین اللہ" کا لقب اختیار کرنا۔
- عیسائی حکمرانوں کے ساتھ سفارتی تعلقات۔
- اس عہد کی مرفہ حالی، تہذیبی اور ثقافتی ترقی پر مسٹر ڈوزی کا تبصرہ۔

Marfat.com

باب ۱۲

عبدالرحمٰن جب تخت نشین ہوا تو وہ نہ صرف جواں سال اور جواں ہمت ہی تھا بلکہ جواں بخت اور نیک طالع بھی تھا۔ اس کے چہرے سے تمکنت اور وقار نمایاں تھا۔ اس کی پیشانی سے خوش خلقی ہویدا تھی اور اس کے اعمال سے سخاوت، مروّت اور شجاعت آشکارا تھی۔ اس نے زمامِ حکومت سنبھالتے ہی تمام والیوں کو تحریر کیا کہ وہ اپنے علاقوں میں امن قائم کریں اور ان اختیارات کا جائز استعمال کریں جو انہیں تفویض کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سرکش تھے اور جزیہ یا خراج کی ادائیگی سے انکار کر رہے تھے انہیں تنبیہہ کی گئی کہ اگر انہوں نے مقررہ وقت کے اندر محاصل کی رقم سرکاری خزانہ میں جمع نہ کرائی تو ان کے خلاف سخت تادیبی کارروائی کی جائیگی۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ بہت سے شرپسندوں نے اطاعت قبول کرلی، کچھ اپنے ضعف اور کمزوری کے سبب گردِ راہ میں کھو گئے اور کچھ راہیٔ ملکِ عدم ہوئے رعایا نے بھی جو سالہا سال کی شر انگیزیوں اور فتنہ سامانیوں سے اکتا چکی تھی آرام کا سانس لیا۔ قریش کے مختلف قبیلے جو نفاق اور پھوٹ کا شکار ہو رہے تھے یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ کیا وہ باہمی مناقشات کو جاری رکھیں یا صلح و آشتی کی راہ اختیار کریں۔

Marfat.com

عبدالرحمن کی مستقل مزاجی اور ژرف نگاہی نے ابنِ حفصون ایسے نڈر اور پہاڑی چوہے[1] کو اپنی چالوں اور کاروائیوں کا جائزہ لینے پر مجبور کر دیا۔ ابنِ حفصون اب بھی غیر محفوظ آبادیوں کو لوٹ لیتا اور شاہی فوجوں پر شبخون مار کر انہیں پریشان کرتا۔ اشبیلیہ[2] کی فتح کے بعد جہاں بنو حجاج کا خاندان حکمران تھا، عبدالرحمن نے لوٹوش کا محاصرہ کر لیا۔ اور ابنِ حفصون کو ختم کر دینے کے لیے ان تمام جنگی چالوں سے کام لیا جو ایک قابل اور تجربہ کار سپہ سالار کو اختیار کرنی چاہئیں۔

ابنِ حفصون نے اپنے محافظ دستہ کیساتھ امیر کی افواج پر ایسا شدید حملہ کیا کہ ایک بڑا حادثہ ہوتے ہوتے رہ گیا۔[3] لوٹوش فتح ہو گیا اور اس کے بہت سے قلعوں کو جو ہمیشہ رکاوٹ بنے رہے تھے مسمار کر دیا گیا۔ اسی اثناء میں امیر کو ابنِ حفصون کی موت کی خبر ملی۔ اس طرح اس باغی سے نجات مل گئی۔ جس نے تین امیروں کا ناک میں دم کر رکھا تھا

امیر نے اب طلیطلہ کی طرف توجہ دی۔ جس کی خاک سے وہ بگولے اُٹھے ہیں جن سے اندلس کا خرمنِ امن مدتوں جلتا رہا۔ یہ وہ مقام ہے جہاں کے اشرار کی ضد اور ہٹ دھرمی نے آزمودہ کار سپاہیوں کی تلوار کو کند بنا دیا تھا اور قلعہ شکن لشکریوں کے عزم و ہمت کو پست کر دیا تھا۔ عبدالرحمن نے جب محسوس کیا کہ اس شہر پناہ کی دیوار میں عام طریقوں

---

[1] یہ نام اس نسبت سے دیا گیا ہے کہ ابنِ حفصون اور اس کے ساتھی ہلالیو شیوا جی کی طرح پہاڑوں کی غاروں میں رہنا پسند کرتے تھے۔

[2] یہ فتح ۲۰ دسمبر ۹۱۳ء کو مکمل ہوئی۔

[3] اخبار الاندلس، ج ۱، ص ۵۷۷۔

سے رخنہ پیدا کرنا مشکل ہے تو اس نے محاصرے کو جاری رکھنے کے لئے قریب ہی میں ایک اور شہر جس کا نام "الفتح"[1] تھا آباد کیا۔ لوگوں پر رسد کے تمام ذرائع مسدود کر دیئے اور نقل و حرکت کے تمام راستے بند کر دیئے ۔ لوگ جب بھوکوں مرنے لگے اور اشیائے خوردنی حاصل کرنے کی تمام امیدیں منقطع ہو گئیں تو اُنھوں نے قلعہ کے دروازے کھول دیئے اور اطاعت قبول کر لی ۔ امیر کا طلیطلہ کو خون کا ایک قطرہ بہائے بغیر فتح کر لینا معجزے سے کم نہیں ۔ امیر نے اپنی افواج کی تعداد کو بڑھا کر اور انہیں لڑائی کے جدید طریقوں سے لیس کر کے شر و فساد کو بیخ و بن سے اکھاڑنا چاہا تاکہ ملک اقتصادی ترقی اور معاشرتی خوشحالی کی راہ پر گامزن ہو سکے ۔

اب افریقہ کی باری آئی جہاں فاطمیوں نے حکومت قائم کر لی تھی ۔ فاطمیوں کی للچائی ہوئی آنکھیں اندلس پر اُٹھ رہی تھیں ۔ امیر نے حسنِ تدبر اور مآل اندیشی سے کام لیتے ہوئے افریقہ میں افواج کو بھیجنے کی بجائے لوگوں میں مذہبی اختلافات کو ہوا دینی چاہی ۔ زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ عوام ان اختلافات کا شکار ہو گئے اور لگے ایک دوسرے سے لڑنے بہت سے مذہبی رہنماؤں کو جو حرص و آز کے بندے تھے ، داد و دہش سے رام کر لیا گیا ۔ مولوی صاحبان نے مسندِ ارشاد پر بیٹھ کر وہ فساد و عناد پھیلایا کہ عبدالرحمٰن کے لئے قلعہ سوطا کی فتح ایک معمولی کام تھا ۔ فاطمیوں کو اندلس پر تصرف جمانے کی بجائے اپنی حفاظت کرنا مشکل ہو گیا ۔ یہاں سے حاصل کردہ محاصل سے عبدالرحمٰن نے ایک عظیم جنگی

---

[1] خلافتِ اندلس ، ص ۱۰۶

Marfat.com

بیڑا تیار کیا جو آبنائے طارق اور بحرِ متوسط میں تیرتا رہتا۔ اور دشمنوں سے ساحل سمندر کی حفاظت کرتا۔

اندرونی سازشوں کو فرد کرنے کے بعد، عبدالرحمٰن نے ان عیسائی حکمرانوں کی طرف توجہ دی جنہوں نے گذشتہ سالوں میں مسلمانوں کے باہمی اختلافات اور مرکزی حکومت کی کمزوری کے پیشِ نظر نہ صرف شمالی علاقوں پر قبضہ ہی جما لیا تھا بلکہ وہ جنوب کی طرف اپنی سرحدوں کو وسیع کرتے چلے جا رہے تھے۔ ہم گذشتہ باب میں کہہ آئے ہیں کہ جلیقیہ اور تسالہ کے علاقے مسلمانوں کے دائرۂ اقتدار سے نکل چکے تھے۔ اردون ثانی، شاہِ لیون (Leone) کو ابنِ ابی عبدہٗ کی شکست کے بعد غیر معمولی اہمیت حاصل ہو چکی تھی۔ اس لڑائی میں جو جولائی، ۹۱۶ء میں لڑی گئی، مسلمانوں کو عیسائیوں کے ہاتھوں سخت نقصان اٹھانا پڑا۔ عیسائی مورخین کے خیال میں دریائے دویرہ سے لیکر انتیشہ تک تمام جگہ مسلمانوں کی لاشوں سے پٹی پڑی تھی[1]۔

ایک طرف اردون ثانی اپنی قوت کو بڑھا رہا تھا۔ تو دوسری طرف شانجہ اعظم، والیٔ نبرہ مسلمانوں پر قیامت ڈھا رہا تھا۔ وہ اسلامی اندلس کو ایسا شکار سمجھنے لگے تھے جو کبھی ان کے ہاتھوں سے نہ نکل سکتا تھا۔ پادری صاحبان عیسائیوں کو "آسمانی بادشاہت" میں شامل کرنے کے لئے مسلمانوں کے خون کو جائز اور ذریعہ نجات تبا رہے تھے۔ ان کے خیال میں مسلمانوں کی آبرو، ان کی جان اور ان کے مال کو لوٹنے میں دین و دنیا کی برکتیں مضمر تھیں۔ امیر عبدالرحمٰن کے لئے نہ صرف عیسائیوں

---

[1] عبرت نامۂ اندلس، ڈوزی، ج ۲، ص ۲۸ - ۲۹۔

Marfat.com

کی بالا دستی کو ہی ختم کرنا تھا بلکہ تہذیب و ثقافت کو بھی آفاتِ ارضی سے محفوظ رکھنا تھا۔

عبدالرحمٰن نے ۹۱۸ء میں اُردون ثانی کو مِنتونیا کے مقام پر دو مرتبہ شکست فاش دی۔ اور اس کا غرورِ باطل توڑ کر رکھ دیا۔ دو سال بعد قلعہ وشمہ فتح ہوا اور اُسے آگ لگا دی گئی۔ مسلمان افواج بے دریغ آگے بڑھ رہی تھیں۔ ان کی شمشیرِ بے نیام کے آگے بڑی سے بڑی سپاہ ہیچ نظر آئیں اور ان کے عزم صمیم کے سامنے مضبوط سے مضبوط قلعے رائی کی طرح کمزور اور حقیر دکھائی دیتے۔ مسلمان افواج جب قلمرہ کے قریب پہنچیں تاکہ شانجہ کو اس کی زیادتیوں کا مزہ چکھائیں تو پتہ چلا کہ وہ قلمرہ سے بھاگ کر ارنیط پہنچ گیا ہے۔ عبدالرحمٰن کی خوش بختی کا یہ حال تھا کہ اس کی فوجیں جہاں پہنچیں، کامرانی نے ان کے قدم چومے۔ اور مسرت و شادمانی نے ان کے ماتھے کو بوسہ دیا۔

شانجہ کی مسلمان افواج کے ساتھ مٹھ بھیڑ دریائے ابرہ کے دوسرے کنارے ہوئی۔ دونوں فوجوں کے درمیان گھمسان کا رن پڑا۔ شانجہ کے لئے یہ دن بڑا بھاری تھا۔ وہ جان کے خوف سے بھاگ نکلا اور اردون ثانی کو مدد کے لئے پکارا۔ دونوں کی متحدہ افواج نے نرسلوں کی گھاٹی میں مسلمانوں کو گھیر کر ان کے مکمل استیصال کا منصوبہ بنایا۔ عبدالرحمٰن اس خوفناک چال سے پہلے ہی آگاہ تھا۔ اس نے غنیم کا مقابلہ کسی تنگ گھاٹی میں کرنے کی بجائے کھلی جگہ پہ کرنا پسند کیا۔ عیسائیوں سے غلطی یہ ہوئی کہ وہ پہلے تو مقابلے کے لئے میدان میں اُتر آئے اور جب مقابلہ شروع ہونے لگا تو خوف اور دہشت سے میدان سے

Marfat.com

بھاگ نکلے۔ مسلمانوں نے بھگوڑوں کا غروبِ آفتاب تک پیچھا کیا۔ کتنے عیسائی اس روز "آسمانی بادشاہت" میں داخل ہوئے اور کتنے وہاں تک پہنچنے کے لئے سسکیاں لے رہے تھے، یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ ان میں دو بشپ[1] بھی تھے۔ جو مسلح ہوکر لڑائی میں شرکت کے لئے آئے تھے۔ تعلیماتِ عیسوی کے یہ مبلغ اس دن پکڑے گئے اور قتل کر دیئے گئے۔ اعمال اور نظریات میں یہ تفاوت عیسائیوں کے ہاں تاریخ کے ہر دور میں نظر آئے گا۔ برٹرنڈ رسل نے اپنی کتاب WHY I AM NOT A CHRISTIAN" میں اسی لئے عیسائی ہونے سے انکار کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اخلاقی تعلیمات زندگی کے بدلتے ہوئے تقاضوں کا ساتھ دینے سے قاصر ہیں۔ لیکن انسان جب تک کسی مسلک (Religion) کا پیروکار ہو اُسے چاہیئے کہ وہ اس کی تعلیمات پر سختی سے عمل کرے۔ مسلمان نبرہ میں داخل ہوگئے اور یہاں کے مال و منال سے خوب ہاتھ رنگے۔ یہ واقعہ ستمبر ۹۶۰ء کا ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ اردون ثانی اور شانجہ نے ایک بار پھر بعض علاقوں کو تاخت کرنے کی کوشش کی۔ اور ناجرہ اور بقیرہ پر قبضہ جمالیا۔ بقیرہ پر اپنی گرفت مضبوط کر لینے کے بعد شانجہ نے مسلمانوں کے گھروں کو لوٹ لیا اور ان کی مساجد کو جلا دیا۔ ذی وقار لوگوں کے ساتھ اہانت آمیز سلوک کیا گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلامی اندلس ایک بار پھر معصومین کے قتل سے بھنا اُٹھا۔ عبدالرحمٰن کو جب واقعات

---

[1] عبرت نامہ اندلس، ڈوزی، ج ۲، ص ۲۷

کا علم ہوا تو وہ نبرہ کی طرف چلدیا تاکہ "خدا اور خدا کے دین کا اس خبیث قوم کفار سے بدلہ لے۔" اس نے راستے میں کرکر، بیرالتہ اور کرکتیلو کے قلعوں کو فتح کیا۔ شانجہ نے کئی بار عبدالرحمن کا راستہ روکنا چاہا لیکن ہر موقعہ پر شکست کھائی۔

ان عظیم شکستوں نے عیسائیوں کے جنونِ مذہبی کو ٹھنڈا کر دیا اور "آسمانی بادشاہت" میں داخل ہونے کا احساس منجمد ہو گیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس "قحط سالی" کے دور میں عیسائی صبر و تسکین کے لیے حضرت داؤد علیہ السلام کے وہ اقوال دہرایا کرتے تھے جو آپ نے لڑائیوں کے غیر یقینی نتائج کے بارہ میں فرمائے تھے۔[1]

اس طرح ظلم و جہالت، شر و عدوان اور شقاوت و بدبختی کا دور ختم ہوا "وہ خون ریز لڑائیاں جنہوں نے ہزاروں آدمیوں کا خاتمہ کر دیا تھا، فنون و علوم کو مٹا دیا تھا اور قریباً پچاس برس تک قومی ترقی کو روک دیا تھا آخر ختم ہو گئیں۔ برشلونہ سے لیکر ساحلِ اطلانتک تک اور کوہ پیرانیس سے لیکر بحیرۂ روم تک امیر عبدالرحمن کا سکہ اور خطبہ جاری ہو گیا۔"[2]

عبدالرحمن جس طرح تنگ نائے حرب میں نہ جھجکنے والا، آگے بڑھنے والا اور حملہ کرنے والا تھا اسی طرح امن کے زمانہ میں سیاسی گتھیاں سلجھانے اور امورِ سلطنت کو بحسن و خوبی سر انجام دینے میں اس کا ناخنِ تدبیر چالاک تھا۔ نازک ترین معاملات کو وہ اس عمدگی سے

---

[1] عبرت نامہ اندلس، ڈوزی، ج ۲، ص ۳۳

[2] اخبار الاندلس، ج ۱، ص ۵۸۲؛ عبرت نامہ اندلس، ڈوزی، ج ۲، ص ۴۶

Marfat.com

سلجھا سکتا تھا کہ تجربہ کار، کہنہ مشق اور نمود کے سیاستدان حیران رہ جاتے امیر دُور اندیش، صاحبِ عزم وہمت اور توانا قیادت کا مالک تھا۔

اندلس کی تاریخ میں پہلی مرتبہ امیر عبدالرحمٰن (ثالث) نے ۱۶ر جنوری ۹۲۹ء کو جمعہ کے دن ایک فرمان[1] کے مطابق اپنا خطاب "امیرالمومنین" اور "الناصرلدین اللہ" قرار دیا۔

امیر نے اپنے ایک معتمد علیہ حسدائی[2] کو ملکہ نبرہ کے دربار میں بطور سفیر روانہ کیا۔ اس نے ملکہ طوطہ، اس کے بیٹے غرسیہ اور نواسے شانجہ کو دربارِ اندلس میں حاضر ہونے کے لئے کہا۔ ملکہ، الناصر کے اس اراد سے سے آگاہ ہوکر سخت برہم ہوئی۔ لیکن حسدائی کی فصاحت اور خوش تدبیری غالب آئی۔ چنانچہ یہ تینوں عیسائی حکمران رختِ سفر باندھ الناصر کے دربار میں حاضری کے لئے چل دیئے۔ قرطبہ پہنچنے پر شاہی گارڈ نے شایانِ شان استقبال کیا۔ الناصر اور ملکہ طوطہ کے درمیان دوستی کے معاہدہ پر دستخط ہوئے۔ اور قرار پایا کہ خلیفہ اندلس فرڈی نند کے خلاف ملکہ کی ہر ممکن مدد کرے گا۔[3] "دربارِ خلافت میں عیسائی بادشاہوں کی حاضری مسلمانوں کے قومی تفاخر کے لئے تو اطمینان بخش تھی ہی، لیکن یہودی بھی خوشی سے باغ باغ ہو رہے تھے۔ اور سمجھتے تھے کہ یہ کل کارنامہ انہی کے ایک ہم مذہب کا ہے۔ یہودی شاعروں نے حسدائی کی تعریف میں ایک دوسرے کو مات کرنا چاہا۔ ایک شاعر نے لکھا۔

---

[1] عبرت نامہ اندلس، ڈوزی، ج ۲، ص ۳۹؛ پروفیسر ہٹی، ص ۵۲۳

[2] حسدائی یہودی النسل تھا۔ طب میں حاذق ہونے کے علاوہ بہترین سیاستدان اور خطیب تھا۔

[3] اخبار الاندلس۔ ج ۱، ص ۵۹۷

"پہاڑو! یہودہ کے سردار کے سامنے سرنگوں ہو جاؤ۔ سب ہنسو اور خوش ہو۔ ویرانو اور جنگلو! نغمہ سرائی کرو۔ صحرا کی زمینو! پھولوں اور میووں سے باغ بن جاؤ۔ کیونکہ بیت الحکمت کا سردار تشریف لا رہا ہے۔ خوشی و خرمی اور نغمے اس کے ساتھ ساتھ ہیں۔ جس وقت وہ یہاں نہ تھا تو شہر کی دیواریں افسردہ تھیں اور شہر تاریک معلوم ہوتا تھا۔ غریب یہودی جن کو اس کی صورت دیکھنی نصیب نہیں ہوتی تھی مبتلائے الم تھے ...... خدا نے ہمارے سردار کو پھر ہمارے پاس بھیجا۔ دیکھو! وہ خلیفہ کے دائیں طرف کھڑا ہے۔ خلیفہ اس کو شہزادہ کہتا ہے .... جس وقت وہ قریب سے گزرتا ہے تو کسی کو لب کھولنے کی مجال نہیں ہوتی۔ بغیر تیر و تلوار کے صرف اپنی باتوں سے اس نے ان لحم بجس کھانے والوں کے متحصن شہروں کو فتح کیا۔"[1]

قسطنطنیہ کے بازنطینی بادشاہ کانسٹن ٹائن نے بھی اپنے سفیر دربارِ اندلس میں روانہ کئے۔ آنے والے سفیروں کو ایسے محلات میں جگہ دی گئی جہاں کمروں میں نقرئی اور طلائی پردے آویزاں تھے۔ محلات کے گرد سرسبز و شاداب باغات تھے جن میں حسین پھول کھلے تھے۔ ابو علی القالی ایسے ادیب لبیب نے مختصر سی تقریر میں بازنطینی وفد کو خوش آمدید کہا اور دوستانہ تعلقات قائم کرنے اور انہیں مزید مضبوط بنانے کی اُمید ظاہر کی۔[2]

---

[1] عبرت نامہ اندلس، ڈوزی، ج ۲، ص ۶۷-۶۸

[2] پروفیسر ہٹی، ص ۵۲۴، اخبار الاندلس، ج ۱، ص ۶۰۸

اس عہدِ ہمایوں میں ملک مرفہ حال تھا۔ لوگ خوش وخرم تھے، تجارت پھل پھول رہی تھی۔ آبادی متمدن اور مہذب تھی۔ شہروں میں تفریح گاہوں اور پارکوں کی کثرت تھی۔ جن میں ایشیاء کے نازک اور خوبصورت پودے یورپ کی جڑی بوٹیوں کے ساتھ نظر آتے تھے۔ قستالہ کا علاقہ جو گاتھ حکمرانوں کے زمانے میں شور بنجر نظر آتا تھا اب سرسبز تھا اور اس کا دامن اناج کے ذخیروں سے بھرا تھا۔ کاشتکاری سائنٹیفک طریق سے کی جاتی تھی اور آب رسانی کے جدید طریقے اس وقت بھی رائج تھے۔ غرناطہ، قرطبہ اور بلنسیہ کے شہر اپنی خوبصورتی اور تروتازگی میں بے نظیر تھے۔

وادی الکبیر کے دونوں کناروں پر تیس میل تک میوہ دار درخت لگائے گئے تھے۔ اس کا پل انجینئرنگ کا بہترین نمونہ تھا۔ یہ ۳۱۲ فٹ لمبا، تیس فٹ چوڑا اور سطح آب سے ۹۰ فٹ بلند تھا۔ اسے آگسٹس نے اپنے عہد میں بنوایا تھا اور کئی حکمران خانوادوں کی یادیں اس سے وابستہ تھیں۔

ایک بہت بڑا بحری بیڑہ سمندروں میں تیرتا رہتا اور ملک کی حفاظت کی خاطر تیار رہتا۔ تجارت کو اس قدر فروغ ہوا کہ اندلسی تاجروں نے یورپ، افریقہ اور ایشیاء میں اہم مقامات پر اپنی تجارتی کوٹھیاں قائم کیں۔ تجارت کے سبب اقوام وملل کے درمیان تعلقات قائم ہوئے۔ اخلاق وعادات میں نفاست پیدا ہوئی، علم وفن کے منافع اور فوائد کی قدر بڑھی اور تعصبات میں کمی آگئی۔ جو ہر زمانہ میں عقل و دماغ کو نہایت ذلیل غلامی میں پھنساتے رہے ہیں۔

اس تمام تمدن اور ثقافت کا مرکز قرطبہ تھا۔ جہاں صولت وشوکت

Marfat.com

شاہی کے تمام لوازمات موجود تھے "قرونِ وسطیٰ کی کوئی قوم کمالِ صنعت وحرفت، سائینٹیفک قابلیت اور عروجِ تہذیب و تمدن میں اس اعظم بلاد کا مقابلہ نہیں کرسکتی" اس کے اندر دل کشا باغات، بے شمار نزہت گاہیں، کثیر مرمریں بارہ دریاں اور عظیم محلات موجود تھے۔ شہر کی میونسپلٹی صفائی کے اہتمام میں اس قدر ذمہ داری محسوس کرتی تھی کہ غالباً آج بھی یورپ کے ممالک اس معیار کو نہ حاصل کرسکے ہوں گے۔

قرطبہ کی آبادی دس لاکھ کے قریب تھی، اس میں مکانات کی تعداد بیس ہزار تھی، دوکانیں اسی ہزار چار سو تھیں، مساجد تین ہزار کے قریب تھیں اور حمام تین سو کے لگ بھگ تھے۔ اس کی شہرت جرمانیہ کے ملک تک پہنچی ہوئی تھی۔ چنانچہ سیکسن قوم کی ایک راہبہ جسکا نام ہر دس ویتھا تھا لکھتی ہے کہ "قرطبہ دنیا کا گوہرِ آبدار ہے"۔

الزّہرا ایک اور آبادی تھی جو عبدالرحمٰن کی ایک کنیز کے نام پر بسائی گئی تھی۔ اس پر بیک وقت دس ہزار مزدور اور اٹھائیس ہزار جانور بار برداری کا کام کرتے رہے تھے۔ نومیڈیا، یونان اور اندلس سے سنگ مرمر، زبرجد اور سماق منگوایا گیا تھا۔ ناربون، طراکونہ اور قرطاجنہ کے صنم خانوں سے مرمریں ستون لائے گئے اور قسطنطنیہ سے سبز اور گلابی رنگ کا پتھر منگوایا گیا۔ یہ عمارت مدوّر تھی۔

ملک کی معاشی حالت بہت اچھی تھی۔ ملک کا خراج کوئی ۴۵،۰۰۰ دینار سالانہ تھا، اور اس وقت روپیہ کی قیمت کی نسبت وہ تھی جو ایک کو دس سے ہے۔ ملک میں ۸۰ اوّل درجہ کی میونسپل کمیٹیاں اور ۳۰۰ درجہ دوم کی میونسپل کمیٹیاں قائم تھیں جنہیں حکومتِ خود اختیاری کے اختیارات حاصل تھے۔

Marfat.com

ترسیلِ ڈاک کا انتظام بذریعہ گھوڑ سواروں کے کیا گیا تھا۔ مسافروں کی حفاظت اور مسالک کی دیکھ بھال کے لئے پولیس کی چوکیاں قائم تھیں۔ بیمار اور اپاہج لوگوں کے لئے ہسپتال قائم تھے، جن کی خبرگیری پر تمام مصارف حکومت خود برداشت کرتی تھی۔

اس تمام تمدنی ترقی کے باوجود جس پر بے دریغ خرچ کیا گیا، امیر المومنین وفات کے وقت پچاس کروڑ روپیہ خزانۂ عامرہ میں چھوڑ کر مرے۔ اس عہد کی عظمت و جلالت، تمدنی ترقی اور معاشی مرفہ الحالی کا اندازہ مسٹر ڈوزی کے ان الفاظ سے لگایا جا سکتا ہے جو نکلسن کی رائے میں مستند اور ثقہ ہیں :۔

"بنو امیہ کے ان حکمرانوں میں، جنہوں نے اندلس پر حکومت کی، بلاشک و شبہ سب سے پہلا درجہ عبدالرحمٰن الناصر لدین اللہ کو ملنا چاہیئے۔ اپنی حکومت کے دوران میں جو کارنامے انہوں نے دکھائے، وہ حقیقت میں معجزہ سے کم نہیں ہیں۔ جب وہ سریر آرائے اورنگ ہوئے تو سلطنت میں فتنہ و فساد بپا تھا۔ جنگ و جدال کا میدان گرم تھا اور فرقہ بندی نے ملک میں انتشار پیدا کر رکھا تھا۔ طوائف الملوکی تھی۔ ہر حکمران آزاد تھا۔ یک جہتی کے فقدان نے شمالی عیسائیوں کو موقع دے رکھا تھا کہ جب چاہیں (اندلس پر) جھپٹ لیں۔ لیون اور افریقہ کے لوگ ملک کو لقمۂ تر بنانے کے قریب تھے۔ لیکن عبدالرحمٰن نے ان تمام مشکلات کے باوجود اندلس کو نہ صرف بیرونی دشمنوں سے محفوظ رکھا بلکہ اندرونی شورشوں سے بھی پاک کر دیا۔ اس

Marfat.com

میں نئی روح پھونکی۔ اور اس کو گذشتہ زمانے سے کہیں زیادہ عظیم الشان، مرفہ الحال اور مستحکم بنا دیا۔ ملک کے اندر امن قائم کیا۔ اصلاحات نافذ کیں اور اسے فلاح بخشی۔ لیکن بیرونی طور پر اس کی عظمت اور ہیبت کو قائم کیا۔

خزانہ اس کی تخت نشینی کے وقت بالکل خالی پڑا تھا۔ لیکن اس کے عہد میں بھر گیا۔ شاہی محاصل سے سالانہ آمدنی ۶۲،۴۵،۰۰۰ دینار سرخ تھی۔ اس میں سے ⅓ خرچ کیا جاتا، ⅓ پس انداز کیا جاتا اور باقی ماندہ رقم تعمیرات پر خرچ کی جاتی۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ سنہ ۳۴۰ھ/۹۵۱ء میں ان کے خزانۂ عامرہ میں دو کروڑ دینار سرخ موجود تھے۔ ایک سیاح نے جو ماہر اقتصادیات بھی تھا، ہمیں بتایا ہے کہ اس وقت ناصر الدولہ ہمدانی، والیٔ الجزیرہ، اور عبدالرحمٰن ثالث دنیا کے سب سے زیادہ متمول انسان تھے، کاشتکاری، صنعت وحرفت اور علوم وفنون عروج پر تھے.... شہروں کی خوبصورتی اور قرطبہ کی نفاست کے علاوہ الناصر کی طاقت بھی زوروں پر تھی.... ایک عظیم بیڑے کے ذریعے بحیرہ روم میں فاطمی خلفاء سے نبرد آزما ہونے کے لئے تیار رہتا تھا۔ سبتہ پر قبضہ کرکے مراکش کی کنجی انہوں نے اپنے ہاتھ میں لے لی تھی۔ ایک باحوصلہ اور تربیت یافتہ فوج کے ذریعے، جو اغلباً اس زمانے کی بہترین فوج تھی، وہ شمالی عیسائیوں کی پیش دستیوں کو روکے ہوئے تھا۔ دنیا کے عظیم ترین بادشاہ اس کی دوستی کے خواہشمند تھے جرمنی، فرانس اور اٹلی کے سفراء اس کے دربار میں موجود تھے۔"

Marfat.com

مدیہ کارنامے اپنی جگہ پر قابلِ ستائش ہیں۔ لیکن سب سے زیادہ حیرت کن چیز ان امورات کو انجام دینے والا خود ہے۔ یہ اس عجوبۂ روزگار کا کام تھا، کہ اس کی نظر سے کوئی چیز چھپی ہوئی نہ تھی۔ وہ ہر امر کی جزئیات سے واقف تھا۔ وہ سیاسی گتھیوں اور سلطنت کے عقدہ ہائے لاینحل کو چٹکیوں میں حل کر ڈالتا تھا۔ وہ اتنا قابل تھا کہ اس نے مرکزیت قائم کی۔ قوم اور ملت میں اخوت اور مودّت کا بیج بویا۔ بیرونی قوتوں کے ساتھ توازنِ اقتدار قائم کرکے اپنی ساکھ کو قائم رکھا۔ رواداری اس قدر تھی کہ دیگر مذاہب کے پیروان کو اپنا مشیر بنایا۔ اگر بنظر عمیق دیکھا جائے تو وہ قرونِ وسطیٰ کا مطلق العنان حکمران ہی نہ تھا بلکہ زمانۂ حاضرہ کا آئینی اور دستوری بادشاہ بھی تھا۔

اس عہدِ ہمایوں میں جو عظمت اور خوشحالی قرطبہ کو ملی، جو دولت اندلس کو میسر آئی، اور جو فتح و کامرانی مملکت کو نصیب ہوئی، وہ اس کے بعد پھر نہ مل سکی۔

ضعف اور پیرانہ سالی نے امیر کے قویٰ کو مضمحل کر دیا تھا۔ آخر عمر میں انہوں نے اپنا زیادہ وقت عبادت میں گزارا اور ۷۳ برس کی عمر پاکر ۹۶۱ء میں داعی الی الاجل ہوئے۔

Marfat.com

Marfat.com

- حکم ثانی کے عہد میں عیسائی حکمرانوں کی ریشہ دوانیاں اور خلافت قرطبہ سے روگردانی۔
- امیر کا "صاحب قلم" اور "صاحب سیف" ہونا۔
- شانجہ کی شکست اور اردون چہارم کی دربار قرطبہ میں حاضری۔
- شانجہ کا غیر مشروط طور پر صلح چاہنا۔
- حکم ثانی کے عہد میں علوم و فنون کی ترقی۔ شاہی لائبریری کی تعمیر اور یورپ میں نشاۃِ ثانیہ کا آغاز۔
- کتب کی فراہمی اور دار الکتابت کا قیام۔
- تعلیم کو عام کرنے کے لیے سکولوں، کالجوں کا قیام اور جامع مسجد قرطبہ کی تزئین و آرائش۔

Marfat.com

باب ۱۳

عبدالرحمٰن ثالث (الناصرلدین اللہ) کی وفات کے فوراً بعد عیسائی حکمرانوں نے یہ خیال کرتے ہوئے کہ حکم (ثانی) میں فوجی محاسن کی کمی اور جرأت و بیباکی کا فقدان ہے، ان تمام وعدوں کو بالائے طاق رکھ دیا جو انھوں نے الناصر سے اس کے اقتدار کے زمانہ میں کئے تھے۔ شاہ شاہ لیون نے وعدہ خلافی کرتے ہوئے ان تمام قلعوں کو امیر کے سپرد کرنے سے انکار کر دیا جن کے بارہ میں پہلے فیصلہ ہو چکا تھا۔ غرسیہ شاہ نبرہ نے فرڈی نینڈ کو حکومتِ قرطبہ کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا اور اسے اس شرط پر قید سے رہا کر دیا کہ وہ اپنے داماد اردون چہارم سے کوئی واسطہ نہ رکھے گا۔ اسلامی اندلس کی پوری تاریخ اس بات پر گواہ ہے کہ جونہی کسی امیر یا خلیفہ نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا، عیسائی حکمرانوں نے اپنے مواعید جو اس خلیفہ یا امیر سے باندھ رکھے تھے توڑ دیئے اور خلافتِ قرطبہ کی اطاعت سے روگردانی کر لی۔ اگر نیا حکمران ملک کی سالمیت کا تحفظ کرنے کی اہلیت رکھتا اور بیرونی حملوں سے اپنی سرحدات کی حفاظت کر سکتا تو عیسائی حکمران دبک کر بیٹھ جاتے اور اس کی خوشنودی کے لئے سفارتی تعلقات

Marfat.com

قائم کر لیتے۔ امیر اگر بزدل، کم کوش اور عیش پسند ہوتا تو وہ سرحدی علاقوں کو نوالۂ تر بنا لیتے اور مسلمان آبادیوں کو اتنا ہراساں کرتے کہ انہیں بھاگتے ہی بنتی۔

امیر چونکہ شعر و ادب کے رسیا اور بحث و نظر کے ذہین طالب علم تھے عیسائیوں نے سوچا کہ حقائق و معارف کے اس شیدائی کو "آلات کی زبان" (Language of Weapons) کی کب واقفیت ہوگی۔

یہ حقیقت ہے کہ شعر و فلسفہ کا ذوق اور فنون سپہ گری میں مہارت ایک ہی وجود میں بہت کم جمع ہوئے ہیں۔ لیکن امیر اس سے مختلف تھے۔ وہ مشکل کتابوں پر مفید حاشیے لگانا بھی جانتے تھے اور شمشیر وسناں کے استعمال سے بھی واقف تھے۔ امیر نے جب دیکھا کہ نصاریٰ آمادۂ پیکار ہیں تو انہوں نے غالب کو روانہ کیا کہ عیسائیوں کی پیش قدمیوں کو روکے۔ قلعہ شنت اشتیبان جو قشتالیہ میں واقع ہے فوراً فتح ہوگیا۔ فرڈی نینڈ کو اتنیشہ کے مقام پر وہ ذلت آمیز شکست ہوئی کہ اس کا تمام نشہ اتر گیا۔ یحییٰ بن یحییٰ حاکم سرقسطہ نے غرسیہ کو مار بھگایا اور قلمرہ کا شہر مسلمانوں نے فتح کر لیا۔[1]

ان شکستوں نے عیسائیوں کے غرورِ باطل کو خاک میں ملا دیا۔ اب انہیں پتہ چلا کہ جس آدمی کو وہ "کتابی کیڑا" سمجھتے تھے وہ "مردِ میدان نکلا۔ "امیر الحکم (مستنصر باللہ) فی الواقع جنگ و جدل سے پرہیز کرتا تھا۔ اور لڑائی پر بہت تامل اور تذبذب کے بعد آمادہ ہوتا تھا لیکن جب لڑائی شروع کر دیتا تھا تو پھر اس شدومد سے لڑتا تھا کہ دشمن کو پناہ مانگنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہتا تھا۔"[2]

---

[1] اخبار الاندلس، ج ۱، ص ۶۴۸ [2] ڈوزی، عبرت نامہ اندلس، ج ۲، ص ۸۵۔

Marfat.com

اردون چہارم نے حالات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے الحکم ثانی کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے قرطبہ کا رخ کیا۔ الحکم کو جب علم ہوا تو اس نے غالب کو حکم دیا کہ وہ اسے امیر کے حضور میں پیش کرے اردون شاہی افواج کی شان وشوکت اور کرّوفر کو دیکھ کر بھونچکا رہ گیا۔ اس نے حفاظتی دستے کے انچارج سے الناصر کے مدفن کا پوچھا۔ اردون قبر پر حاضر ہوا، سر سے ٹوپی اُتار لی اور قبر کی طرف منہ کر کے اس کی مغفرت کے لئے دعائیں مانگنے لگا۔ ڈوزی کا خیال ہے کہ اردون (چہارم) لیون کی حکومت پر دوبارہ قابض ہونا چاہتا تھا جسے الناصر نے اس سے چھین کر شانجہ کے حوالے کر دیا تھا۔" اس مقصد کے حصول کے لئے کوئی ذلت بھی ایسی نہ تھی جس کا گوارا کرنا اسے شاق گزرتا۔"

اردون جب شاہی مہمان خانے کی طرف بڑھ رہا تھا تو وہ محلات کی زیب وزینت، افواج کی عظمت وشکوہ اور ان کے فاخرہ لباس کو دیکھ کر نہ صرف حیران تھا بلکہ خوف زدہ بھی۔ وہ نظریں نیچی کر کے نشانِ صلیب ہاتھ کے اشارے سے بنانے لگا۔ دربارِ شاہی میں پہنچنے کے بعد اس کی حالت اس سے بھی زیادہ متغیر تھی۔ جب قرطبہ کے اسقف (لاٹ پادری) نے اسے اپنا مقصد بیان کرنے کے لئے کہا تو وہ ایک لفظ بھی منہ سے نہ کہہ سکا۔ الحکم بھانپ گیا کہ دربارِ شاہی کی عظمت وصولت نے اس پر سکتہ طاری کر دیا ہے۔ اس نے خود ہی گفتگو کا آغاز کیا اور اردون کی حاضری کو باعثِ مسرت گردانتے ہوئے اسے یقین دلایا کہ اس کی خواہشات کا پورا احترام کیا جائے گا۔

Marfat.com

اور اُسے اس کے مانگے سے زیادہ دیا جائے گا۔

امیر کے احسان و کرم اور جود و سخا کا سن کر اردون سجدے میں گر گیا اور تخت کی سیڑھیوں پر جو غالیچہ پڑا تھا اُسے چومتے ہوئے کہنے لگا: میں امیرالمومنین کا غلام ہوں۔ ان کو اپنا آقا اور مالک جانتا ہوں۔ حضور کے مراحم خسروانہ پر بھروسہ رکھتا ہوں۔ مجھ پر اور میری رعایا پر خلافت پناہی کے پورے اختیارات حاصل ہیں۔ جہاں کہیں جانے کا ارشاد ہوگا وہیں جاؤں گا اور نہایت خلوص اور وفاداری سے حضور کی خدمت کرونگا۔[1]

اس کے بعد اردون نے اپنا قصہ بیان کیا اور بتایا کہ کس طرح امیر الناصر نے اس کی سلطنت اس سے چھین کر شانجہ کے حوالے کر دی تھی حالانکہ اس کی رعایا اسے نفرت کی نگاہ سے دیکھتی تھی۔ الحکم نے اسے بھرپور مدد کا یقین دلایا اور اُسے عزت کیساتھ واپس لوٹ جانے کی اجازت دی۔

اسی اثناء میں جب شانجہ کو علم ہوا کہ الحکم نے اردون سے صلح کر لی ہے تو اُسے سخت تشویش ہوئی۔ اسے یقین تھا کہ اگر امیر نے اپنی افواج کا کچھ حصّہ اردون کے حوالے کر دیا تو جلیقیہ کا علاقہ جو پہلے ہی اس کی اطاعت سے روگردانی کر رہا ہے، اس کے خلاف اُٹھ کھڑا ہوگا اور اُسے نکال باہر پھینکے گا۔ شانجہ نے بھی امیر کے دربار میں حاضری کا ارادہ کیا۔ اس نے چند سربرآوردہ پادریوں اور رئیسوں کو قرطبہ روانہ کیا کہ وہ بارگاہِ خلافت میں یہ عرض کریں کہ امیر انہیں اپنی عنایات سے محروم نہ رکھیں۔ اسی طرح برشلونہ اور طرکونہ نے بھی اس عالی مرتبت

---

[1] عبرت نامہ اندلس، ڈوزی، ج ۲، ص ۸۱ : خلافتِ اندلس، ص ۱۳۵

Marfat.com

امیر کے دربار میں حاضر ہو کر "نظرِ کرم" کی بھیک مانگی۔ امیر نے تمام درخواستوں کو چند شرائط کیساتھ قبول کرلیا: شرائط یہ تھیں:

۱۔ ممالکِ محروسہ کی سرحد کے قریب جتنے قلعے قائم کیے گئے ہیں گرا دیئے جائیں۔

۲۔ عیسائیوں کو اسلامی اندلس میں داخل ہو کر مسلمانوں یا رعایا کے دوسرے فرقوں کو ستانے کی اجازت نہ دی جائے۔

۳۔ اگر کوئی عیسائی حکمران اسلامی اندلس پر حملہ آور ہو تو اس کی مدد نہ کی جائے۔

۴۔ اگر کوئی مسلمان عیسائیوں کی قید میں ہو تو اُسے فوراً رہا کر دیا جائے۔

یہ عجیب اتفاق ہے کہ اردون چہارم پیشتر اس کے کہ اپنی "دعاؤں کی تاثیر" دیکھتا، ۹۶۲ء میں راہئی ملکِ عدم ہوا۔ شانجہ فرڈی نینڈ کے ہاتھوں زہر خوری کے سبب چل بسا اور فرڈی نینڈ خود ۹۷۰ء میں دکھوں کی دنیا سے نجات پا گیا۔ اس طرح امیر کو ان اشرار سے ہمیشہ کے لیے نجات مل گئی۔

الحکم ثانی نہ صرف علوم و فنون کا مربی ہی تھا بلکہ تدبیر و سیاست عدل و انصاف اور جرأت و ہمت میں بھی اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا۔ اس نے ایک طرف تو فنونِ لطیفہ کی ترویج و ترقی پر زور دیا اور دوسری طرف اپنی مردانہ وجاہت، سپاہیانہ خوبیوں اور مآل اندیشی سے عیسائی حکمرانوں کو خلافتِ قرطبہ کے سامنے جھکنے پر مجبور کر دیا۔ الناصر کا عہد جہاں دولت کی فراوانی، تمدنی ترقی اور معاشی خوش حالی کے لیے اہم

Marfat.com

ہے وہاں حکم کا دورِ حکومت فوجی عظمت اور علوم و فنون کی اشاعت کے لیے سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔

امیر کو علوم و فنون سے جو شغف تھا اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ امیر کے کارندے بڑے بڑے شہروں میں موجود رہتے اور جب بھی کوئی نئی کتاب تیار ہوتی، اس کا ایک نسخہ امیر کی لائبریری کے لیے خرید لیتے۔ اس زمانے میں بغداد، دمشق، قاہرہ، اسکندریہ اور قسطنطنیہ اہم علمی مرکز تھے۔ اگر اصل کتاب نہ مل سکتی تو معقول رقم ادا کر کے اس کی نقل حاصل کر لی جاتی۔ تلاشِ کتب کے لیے وفورِ شوق کاروانِ تہذیب و ثقافت کو آگے بڑھانے میں ممد ثابت ہوا۔ یونانی فلسفہ کی کتابیں عربی میں ترجمہ کی گئیں۔ ارسطو کا فلسفہ اور اقلیدس کی تصانیف فروخت ہونے لگیں۔ لوگوں کی دلچسپیاں اس حد تک بڑھیں کہ انھوں نے اپنے گھروں میں کتب خانے بنانے شروع کیے۔ الحکم (ثانی) نے ابوالفرج اصفہانی کو ایک ہزار دینار اس لیے بھیجا کہ وہ اپنی کتاب الاغانی مکمل ہونے پر اُسے روانہ کر دے۔

یہ پہلا ذخیرۂ علم ہے جو یورپ میں قائم ہوا۔ شاہی لائبریری سنگِ مرمر سے بنائی گئی تھی۔ اس کی چھتوں میں سنگِ رخام استعمال کیا گیا تھا کتب کی تقسیم مضمون اور موضوع کے لحاظ سے کر دی گئی تھی۔

دارالکتابت میں ایک بڑی جماعت خوش نویسوں اور جلد بندوں کی موجود تھی۔ القیاس ابن عمر الصیقلی اور یوسف البلوطی مشہور خطاط تھے۔ ان کے علاوہ ظفر البغدادی ایک اور خوشنویس تھا جسے امیر نے اس کے فنی کمالات اور حزم و احتیاط کے پیشِ نظر شاہی لائبریری میں

Marfat.com

کتابوں کے لکھنے اور نقل کرنے پر مامور کیا تھا۔

لائبریری کی نگرانی ان لوگوں کے سپرد کی گئی تھی جو علم کی مختلف شاخوں میں مہارت رکھتے تھے۔ قاسم ابن اصبغ، احمد، محمد بن عبدالسلام اور ثابت ابن قاسم ان سربرآوردہ لوگوں میں سے چند ہیں جنہوں نے لائبریری کو آراستہ کرنے اور ترتیب دینے میں کمال محنت اور ریاضت سے کام لیا۔

لائبریری میں کتب کی تعداد چار لاکھ سے چھ لاکھ تک بتائی جاتی ہے۔ اکثر کتابیں ایسی تھیں جنہیں امیر نے خود پڑھ لیا تھا اور اُن پر مفید حواشی چڑھا دیئے تھے۔ امیر کا حافظہ بلا کا تھا۔ وہ نظم و نثر کا بہترین ناقد تھا۔ اس نے اندلس کی تاریخ مدوّن کی تھی جو بدقسمتی سے بچ نہیں سکی۔

جامعہ قرطبہ میں دنیا کے اطراف و اکناف سے لوگ تحصیلِ علم کے لئے آتے۔ یہاں کی یونیورسٹی اور کالج آزادی اور آزاد خیالی میں رنگے ہوئے تھے۔ ان میں یہودی اور عیسائی طلبہ کو خوش آمدید کہا جاتا۔ مشرق سے علماء اور ناقدین فن کو دعوت دی جاتی کہ وہ یہاں آکر اپنی تحقیقاتِ علمی اور تجاربِ عملی سے طلبہ کو مستفید کریں۔ ان کے مشاہروں کے لئے بھاری رقوم وقف کر دی گئی تھیں۔ انہی اساتذہ میں ابو علی القالی بھی تھے جنہوں نے قدیم عربوں، ان کی زبان اور ان کی شاعری پر ایک نادر کتاب بنام آمالی تصنیف کی ہے۔ وہ اپنے عہد کے بہترین عالم، معلم اور خطیب تھے۔ جب شاہان ذی شان کی زبانیں گنگ ہو جاتیں تو وہ نہایت ہی شگفتہ اور فصیح زبان میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے۔

Marfat.com

مختلف کالجوں اور مدرسوں کے علاوہ سینکڑوں ایسے مدارس تھے جہاں لاوارث اور مفلوک الحال بچوں کو مفت تعلیم دی جاتی تھی۔ اور ان کے دیگر اخراجات کی کفالت حکومت خود کرتی تھی۔ تعلیم اس قدر عام ہو چکی تھی کہ "ہر شخص لکھ پڑھ سکتا تھا۔ جب کہ مسیحی یورپ میں لوگ حروفِ ابجد سے بھی واقف نہ تھے۔" باوجود اس قدر ترقی کے خلافت پناہی کو یہی یقین تھا کہ تعلیم کی اشاعت ابھی تک خاطر خواہ نہیں ہے غریبوں کے خیال سے خاص قرطبہ میں انہوں نے ۲۷ مدرسے ایسے کھول رکھے تھے جن میں غریبوں کے بچے مفت پڑھتے تھے معلموں کی تنخواہ بادشاہ کے صرفِ خاص سے ملتی تھی۔"

جامع مسجد قرطبہ جس پر اب تک کم وبیش نو بادشاہوں نے اپنے وسائل اور ذرائع کو استعمال کیا تھا، الحکم ثانی کے عہد ہمایوں میں تکمیل کو پہنچی۔ یہ طول میں ۶۲۰ فٹ اور عرض میں ۴۴۰ فٹ تھی۔ اس کے قریب ۱/۳ حصہ میں ایک چمن تھا جس کی آبیاری فواروں کے ذریعے ہوتی تھی۔ یہاں کی ہوا گلاب و یاسمن کی خوشبو سے بسی رہتی۔ مسجد کی چھت تقریباً ۱۴۰۰ مرمریں ستونوں پر کھڑی تھی جن کے نچلے حصے پر منقش طلائی چادریں چڑھی ہوئی تھیں۔ اور اوپر کے حصے پر پچی کاری کا کام کیا گیا تھا۔ مذاکراتِ علمی کے لئے محراب کے سامنے ایک مقصورہ بنایا گیا تھا۔ جو طول میں ۱۱۲ فٹ اور عرض میں ۳۲ فٹ تھا۔ اس کے گرداگرد صندل کی لکڑی کی باریک اور حسین جالیاں بنی ہوئی تھیں۔

ل عبرت نامہ اندلس، ڈوزی، ج ۲، ص ۸۸

ل ایضاً

Marfat.com

مقصورہ کا فرش چاندی کی اینٹوں کا بنا ہوا تھا۔ مسجد میں سینکڑوں فانوس سونے اور چاندی کی زنجیروں سے آویزاں تھے جو رات کے وقت دن کا سماں پیدا کر دیتے۔ رمضان المبارک میں ۲۰ ہزار چراغ روشن کیے جاتے اور ایک بہت بڑی بتی جس کا وزن تقریباً ۳۰ سیر تھا مقصورہ میں جلتی رہتی۔

فنِ تعمیر کے علاوہ تاریخ، فلسفہ، عمرانیات، جغرافیہ، فلکیات، طب، کیمیا، انٹیکس اور علم نباتات میں حیرت انگیز ترقی ہوئی۔ اندلسی علماء نے اس قدر تصانیف باقی چھوڑی ہیں کہ "جاہل یورپ" کے لیے مشعلِ راہ کا کام دیتی ہیں۔ اسلامی اندلس کے یہ کارنامے یورپ کی ذہنی تاریخ کا ایک درخشندہ باب ہیں۔ اس ذہنی ترقی نے دل و دماغ کو جلا بخشی، غور و فکر کی نئی راہیں کھولیں اور عقل کو آزادی دی۔

Marfat.com

- ہشام ثانی کی تخت سے معزولی کے لیے فائق اور جوذر کا ناکام منصوبہ۔
- ابن ابی عامر کا مغیرہ کو قتل کرنا اور اس کا سیدہ صبح کے ہاں تقرب۔
- غالب اور مصحفی کی معزولی اور ابن ابی عامر کا حاجب کے عہدے پر تقرر۔
- قلعہ الحمہ کی فتح اور روطہ کے مقام پر عیسائی متحدہ کمان کی شکست۔
- قشتالیہ کی ہزیمت، غرسیہ کی گرفتاری اور ابن قنون کی موت۔
- ابن ابی عامر کا "المنصور" اور "المؤید" کا لقب اختیار کرنا۔
- ہشام ثانی کا دورِ گمنامی میں چلا جانا اور المنصور کا تمام اقتدار سنبھالنا اور اس کی موت

Marfat.com

باب ۱۴

جس رات امیر الحکم ثانی[1] (مستنصر باللہ) نے اپنی جان جانِ آفرین کے سپرد کی، ان کے پاس دو خواجہ سرا تھے۔ خالق اور جوذر۔ ہر دو اپنے مقام اور منصب کا احساس رکھتے تھے۔ انھوں نے سوچا کہ وہ اپنی مرضی کا خلیفہ چنیں[2] جو ان کے مفادات اور اغراض کا خیال رکھے۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ ہشام کی بجائے جو ابھی کم سن تھا، اس کے چچا مغیرہ کو منصب خلافت سونپا جائے۔ اپنے پلاٹ کی تمام کڑیاں ملانے کے بعد انھوں نے ہشام کو قتل کر دینے کی ٹھانی اور مصحفی کو جو وزارت کے منصب پہ فائز تھا اپنے راستے سے ہٹا دینا چاہا۔ ہشام کو گزند پہنچی نہ مصحفی کا خون بہایا جا سکا۔ قدرت کو مغیرہ (برادر الحکم) کی قربانی درکار تھی تاکہ ملک انتشار و افتراق سے بچ جائے۔ مغیرہ کو قتل کرنے کی ذمہ داری ابنِ ابی عامر نے جو اس وقت دیوانی کا ایک ادنیٰ ملازم تھا خود لے لی۔ لوگ حیران تھے

---

[1] یکم اکتوبر ۹۷۶ء (مطابق ۲ صفر ۳۶۶ھ)

[2] باوجود اس بات کے کہ امیر مرنے سے پہلے ہشام ثانی کے لیے بیعت لے چکے تھے، ان دو خواجہ سراؤں نے اپنے آپ کو اتنا اہم اور مقتدر سمجھا کہ گویا خلیفہ کا تقرر اور انتخاب بھی ان ہی کی رائے اور مشورے پہ منحصر تھا۔

Marfat.com

کہ اسقدر اہم اور نازک کام ابنِ ابی عامر[1] نے کیونکر اپنے ذمہ لے لیا۔ اگر تاریخی واقعات کی روشنی میں ابن ابی عامر کی شخصیت کا مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلے گا کہ وہ ذہین اور فطین ہونے کے علاوہ جوشیلی طبیعت اور آتشیں مزاج کا مالک تھا۔ جو خیال ایکبار اس کے ذہن میں سما جاتا اسے پورا کرنے کے لئے وہ کوئی کسر نہ اٹھا رکھتا۔ اگر حالات تقاضا کرتے تو وہ فریب اور دھوکہ دہی سے بھی نہ چوکتا۔ حصولِ مقصد میں کسی قسم کا تردّد یا تذبذب مانع نہ ہوتا تھا۔ ڈوزی نے تکمیلِ آرزو کے لئے اس کی جرأت و ہمّت کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے۔

> "جو ارادہ ایک مرتبہ کر لیتا پھر اس کی پیروی نہایت ہمت اور شدید قوت سے کرتا۔ جہاں کسی چیز کو اپنا نصب العین قرار دیا پھر تمام قوائے ذہنی شدت سے تحریک میں آ کر صرف اسی ایک چیز کی طرف متوجہ ہو جاتے"[2]

ابنِ ابی عامر گھوڑے پر سوار ہو کر مغیرہ کے محل میں داخل ہوا اور اسے اپنی آمد کی اطلاع دی، مغیرہ باہر آیا تو دیکھا کہ ابن ابی عامر کھڑا ہے ابنِ ابی عامر کی آمد غیر متوقع تھی۔ مغیرہ گھبرا سا گیا اور آنے کا سبب پوچھا۔ جب اسے پتہ چلا کہ امیر الحکم (مستنصر باللہ) قیدِ حیات سے آزاد ہو گئے ہیں تو اسے بڑا دکھ ہوا۔ کہنے لگا: میں ہشام کی بیعت کر چکا ہوں۔

---

[1] نام ابو عامر محمد ہونا چاہیے تھا۔ اصل نام محمدؒ تھا اور کنیت ابو عامر۔ لیکن خاندان کا نام چونکہ بنی ابی عامر تھا اس لئے ان کا نام محمدؒ بن ابی عامر استعمال ہونے لگا۔

[2] عبرت نامہ اندلس، ڈوزی، ج ۲، ص ۹۰۔

Marfat.com

ان کا مطیع اور فرمانبردار رہوں گا ۔ اگر کوئی اور وعدہ لینا ہو تو اس کے لئے بھی تیار ہوں ۔ لیکن اگر تم کسی اور ارادے سے آئے ہو تو اپنے ارادے پر غور کرو اور میری جان بخش دو ۔ ابن ابی عامر پر رقت طاری ہو گئی ۔ اس نے مصحفی[1] کو لکھا کہ مغیرہ ہمارے راستے کا پتھر نہیں ہے ۔ اس کے بارہ میں کوئی بدگمانی پیدا نہ کی جائے ۔ لیکن مصحفی نے اس رائے سے اتفاق نہ کیا اور اُسے وہ کام کر گزرنے پر مجبور کیا جس کے لئے اسے مقرر کیا گیا تھا ۔ ابن ابی عامر خود تو محل کے باہر کھڑا رہا مگر سپاہیوں کو اندر بھیج دیا ۔ انھوں نے ایک مضبوط رسی سے مغیرہ کا گلا گھونٹ دیا ۔ مغیرہ کے خاتمے کے ساتھ ہی فائق اور جوذر کے منصوبے خاک میں مل گئے[2]

ابن ابی عامر نے ہشام ثانی کی خلافت کا ڈنکا بجا دیا ۔ ۷ر اکتوبر کو ایک عظیم جلوس جو اپنی شان و شوکت اور کرّوفر کے لئے بے مثال تھا قرطبہ کے بازاروں سے گزرا مصحفی جو اب وزیر اعظم کے عہدے پر فائز ہو چکا تھا اور ابن ابی عامر جو سیدہ صبح کی سفارش پر وزیر بن گیا تھا ہشام کی سواری کے ساتھ پیدل چل رہے تھے ۔ اسی روز یہ اعلان بھی کیا گیا کہ زیتون کے تیل پر جو محصول عائد کیا گیا تھا اور جس کی ادائیگی غریب عوام کے لئے بوجھل تھی معاف کر دیا گیا ہے ۔

ابن ابی عامر اب سیدہ صبح کے بہت قریب تھا ۔ انتظام و انصرام ملکی میں اُسے دخل حاصل ہوتا جا رہا تھا ۔ عزت و شہرت کی انتہائی بلندیوں کو پانے کے لئے اس نے نہ صرف مصحفی کو ہی راستے سے

---

[1] ابوالحسن جعفر بن عثمان ملقب بہ مصحفی ؛ [2] المقری ، جزء الرابع ، ص ۸۵ ، ۸۶ ۔

Marfat.com

ہٹانے کی تدبیریں سوچنی شروع کیں ملکہ غالب کو بھی جس نے الحکم ثانی کے عہد میں اپنی تلوار بے نیام سے عیسائی حکمرانوں کو خلافت قرطبہ کی اطاعت قبول کرنے پر مجبور کر دیا تھا اور موریتانیہ کے حملے میں ابن قنون ایسے بہادر اور آزمودہ کار سپاہی کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا تھا اقتدار سے محروم کرنے کی ٹھانی۔ اُس نے بے اعتمادی اور بے یقینی کی ایک ایسی فضا پیدا کرنے کی کوشش کی جس میں ملکہ صبح مصحفی اور غالب زیادہ دیر تک اشتراک و تعاون سے کام نہ کر سکتے تھے۔

ابن ابی عامر نے مصحفی کو سیاست اور تدبیر سلطنت میں کورا ثابت کرنے اور غالب کو سست اور کاہل بتانے کے لئے ان افواج کی کمان خود سنبھال لی جو شمال کے عیسائیوں کو جارحانہ اقدام سے روکنے کے لئے تیار کی گئی تھیں یہ سمجھتے ہوئے کہ ہشام ثانی ابھی بچہ ہے، شمال کے عیسائیوں نے حسب معمول لوٹ مار شروع کر دی اور کبھی کبھی وہ قرطبہ کے دروازوں تک پہنچ جاتے۔ فروری ۹۷۷ء میں ابن ابی عامر نے جن کی ابتدائی عمر پڑھنے پڑھانے میں گزری تھی اور وہ کوچہ جنگ وجدل کے بالکل نابلد تھے عیسائیوں کو ایسی شکست دی کہ وہ دوبارہ حملہ کرنے کی جرأت نہ کر سکے۔ قلعہ الحمہ جسے رودیر ثانی نے تعمیر کروایا تھا فتح ہو گیا۔ اس لڑائی کے دوران اس نے داد و دہش سے فوج والوں کو اپنی فیاضی کا ایسا گرویدہ بنایا کہ ان کے لبوں پر اسی کا نام تھا۔

ملکہ صبح اور مصحفی کے درمیان بد اعتمادی اور شکر رنجی بڑھتی جا رہی تھی۔ مصحفی اپنی بگڑی نہ بنا سکے۔ آخر کار انہیں حاجب (وزیر اعظم)

Marfat.com

کے عہدے سے سبکدوش ہونا پڑا۔ عمر بھر کی خدمت کا یہ صلہ ملا کہ ان پر بھاری جرمانے کئے گئے۔ ان کا مکان جو فنِ تعمیر اور خوبصورتی کے لئے اپنی مثال نہ رکھتا تھا ضبط کر لیا گیا۔ ایک وہ زمانہ تھا کہ وہ گھر سے نماز ادا کرنے کے لئے مسجد تشریف لے جاتے تو لوگ راستہ گھیر لیتے ضرورتمند اپنی تکالیف پیش کرتے، نادار اور بے کس لوگ اپنی مرادیں پاتے۔ ایک دن وہ بھی آیا کہ ان کا جنازہ اٹھ رہا تھا اور اس پر کوئی آنکھ اشکبار تھی نہ کوئی زبان نوحہ خواں۔ مصحفی نے ایک روز جب ان کی پیٹھ پر کوڑے لگائے جا رہے تھے یہ اشعار کہے۔

فَلِلّٰہِ اَیّامٌ مَضَت بِسَبِیلِھا — فَاِنّی لَا اَنسیٰ لَھَا اَبَدًا ذِکرًا

تَجَافَت بِھَا عَنّا الحَوادِثُ بُرھَۃً — وَلَا نَظَرَت مِنھَا حَوادِثُہٗ شَزرًا

لَیَالِی مَا یَدرِ الزَّمَانُ مَکَانَھَا — وَاَبدَت لَنَا مِنھَا الطَّلَاقَۃَ وَالبُشریٰ

وَمَا ھٰذِہِ الاَیّامُ اِلّا سَحَائِبٌ — عَلیٰ کُلِّ اَرضٍ تُمطِرُ الخَیرَ وَالشَّرّا

(اللہ تعالیٰ کے لئے ہی وہ دن ہیں جو حوادث کے راستہ میں گزر گئے۔ میں ان کا بھی ذکر نہیں بھول سکتا۔ ایک مدت تک حادثات ہم سے چھپے رہے اور انھوں نے ہمیں ٹیڑھی نگاہ سے نہ دیکھا اس لئے کہ وہ راتیں ایسی تھیں کہ زمانہ ان کا مقام نہیں جانتا۔ کشادہ روئی اور بشارت ہمارے لئے مقدر ہو چکی تھی۔ یہ دن ان ابر پاروں کی مانند ہیں جو زمین پر نیکی اور برائی کو برساتے ہیں)

(المقری، ج ۴، ص ۹۲-۹۱)

مصحفی کے بعد ابنِ ابی عامر نے غالب کے آشیانے کو تاکا۔ لیون کے عیسائیوں کے خلاف ایک لڑائی کے دوران غالب اور

Marfat.com

ابنِ ابی عامر کے درمیان گالی گلوچ تک نوبت پہنچی۔ غالب شدید غصے کی حالت میں ابنِ ابی عامر پہ اپنی تلوار کے ساتھ لپکے۔ ابنِ ابی عامر کو زخم تو آیا لیکن بچ گئے۔ غالب حالات سے مجبور ہو کر دشمن کے ساتھ مل گیا اور ان کا شریک ہو کر ابنِ ابی عامر پہ حملہ آور ہوا۔ لیکن دشمن کی فوج مغلوب ہو گئی اور غالب اس لڑائی میں مارا گیا۔ یہ واقعہ ۹۸۱ء کا ہے۔ غالب کے قتل کے بعد ابنِ ابی عامر نے الحاجب اور المنصور کا لقب اختیار کیا۔

المنصور نے لیون کے عیسائیوں کو ان کی گستاخیوں کا بدلہ چکانے کے لئے وہ عبرت ناک سزائیں دیں کہ وہ مدتوں اس جنگ کی ہولناکیوں کو نہ بھول سکے۔ ردمیر ثانی (شاہِ لیون) نے قشتالیہ کے قومس اور نبرہ کے بادشاہ سے اعانت چاہی۔ ان تینوں کی متحدہ فوجوں نے روطہ کے مقام پہ ابنِ ابی عامر کی فوج کو اچانک آلیا۔ مسلمانوں کا گھر جانا لازمی امر تھا۔ المنصور نے لشکریانِ صف شکن کو صبر و ہمت اور عزم و استقلال کی تلقین کی اور انہیں پامردی سے لڑنے کے لئے کہا۔ مسلمانوں نے نہ صرف عیسائیوں کی متحدہ کمان کو ہی پچھاڑ دیا بلکہ وہ تمام دھبے بھی دھو ڈالے جو الناصر لدین اللہ کے عہد میں اسی مقام پر مسلمانوں کی شکست سے ان کے دامنِ شجاعت پر پڑے تھے۔ شنت مانکش (سامنکاس) کا ناقابل تسخیر قلعہ فتح ہو گیا مسلمان افواج اب لیون کے شہر کی طرف بڑھیں۔ عیسائیوں نے ایک بار پھر جم کر مقابلہ کرنا چاہا لیکن مسلمانوں کے عزم اور حوصلے کے سامنے ان کے قدم نہ جم سکے۔ مسلمانوں نے دشمن کو بے دریغ قتل کیا یہاں

Marfat.com

تک کہ میدان جنگ خون سے لالہ زار ہو گیا۔ عیسائیوں کے لاشے ان پتنگوں کی طرح بکھرے پڑے تھے جن کے پر گرمی اور حرارت کے سبب جھڑ گئے ہوں۔ جو لوگ قیدی بنا لئے گئے تھے ان کی تعداد گنی نہیں جا سکی۔

المنصور لڑائی سے گھبرانے والے نہ تھے۔ فتوحات کے لئے ان کا شوق نہ مٹنے والا تھا۔ ان کے آہنی عزم کے سامنے مریسہ کے جیالے، سپاہی اپنے آپ کو کمزور محسوس کرنے لگے تھے؛ مسمورہ کے نڈر اور بیباک لوگ کسلان اور بزدلی کا شکار ہو رہے تھے اور قشتالیہ[1] کے عیسائی حکمران عافیت کوشی کا مسلک اختیار کر چکے تھے۔ برشلونہ کے عظیم قلعے جنہوں نے ابنِ قنون ایسے باغی کو اپنے دامن میں پناہ دی تھی آج پست دکھائی دیتے تھے۔ جو لوگ ابنِ قنون کی خطر پسند اور وہم جو طبیعت سے واقف تھے، وہ اس کا نام سن کر کانپ اُٹھتے تھے۔

لیکن ابنِ ابی عامر نے ان تمام دعدوں کو منسوخ کرتے ہوئے جو عسقلیجہ نے ابنِ قنون سے کر رکھے تھے، اسے ستمبر یا اکتوبر[2] کی ایک رات کو قتل کروا دیا اور اس طرح فساد و عناد کی وہ چنگاری جو ایک مدّت سے سلگ رہی تھی بجھ گئی۔ غرسیہ جسے عیسائی حکمرانوں میں ایک خاص مقام حاصل تھا ۲۵ رمئی ۹۹۰ء کو دریائے دویرہ کے کنارے گرفتار ہوا اور کوئی چار پانچ روز تک بیمار رہنے کے بعد راہیِ ملکِ عدم ہوا۔

---

[1] یہ المنصور (ابن ابی عامر) کی ۲۳ ویں جنگ تھی۔
[2] ستمبر یا اکتوبر ۹۸۰ء مطابق جمادی الاوّل ۳۷۵ھ۔

Marfat.com

اسے اتفاق کہئے کہ غزسیہ کو قیدی بنانے سے چار پانچ روز قبل ایک شاعر رنگیں نوا نے ایک ہرن ابنِ ابی عامر کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے ایک نظم کہی جس میں غزسیہ والئے قشتالیہ کے ذلیل وخوار ہونے اور اس کو قیدی بنالئے جانے کی پیشین گوئی کی تھی۔ یہ پیشین گوئی درست نکلی اور غزسیہ واقعی قیدی بنا لیا گیا۔ اشعار کا مطلب یہ ہے کہ۔

اے میرے آقا! میری عزت کے مونس! مجھ کو زمانہ کی دست برد سے بچانے والے!
مجھ کو محفوظ رکھنے والے اور سرپرست!
ایک غلام تیرے پاس ایک ہرن لایا ہے
تونے اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کی مدد کی اور اُسے احسانات سے نوازا۔
میں نے اس کا نام غزسیہ رکھا ہے اور اسے رسی سمیت تیرے حوالے کیا ہے۔ شاید کہ میری پیشین گوئی پوری ہو۔

المنصور نے ۹۹۶ء میں اپنے لئے "سید" کا لفظ استعمال کرنا شروع کیا۔ جس کے معنی آقا اور سردار کے ہیں۔ بعض تاریخوں میں ان کے لئے "مَلِکٌ کَرِیمٌ" کا لقب بھی استعمال ہوا ہے۔

خلیفہ ہشام اگرچہ جوان ہو چکے تھے لیکن جس تنہائی کے ماحول میں وہ پلے تھے اور جس مذہبی رنگ میں وہ رنگے گئے تھے اس میں ان کے لئے جاہ وحشمت اور مال و دولت کی محبت ختم ہو چکی تھی۔ جب کبھی ان سے کسی نے ابنِ ابی عامر کی شکایت کی، وہ سنی ان سنی کر دیتے۔

Marfat.com

ابنِ ابی عامر کی ذات میں ایک ہی وقت میں بہت سے عہدے جمع ہو گئے تھے۔ وہ وزیرِ اعظم تھے، سپہ سالار تھے، وزیرِ خزانہ تھے بلکہ خزانے کے مالک تھے، مُلکِ کریم تھے اور المویّد تھے۔ جو دراصل ہشام ثانی کا لقب تھا۔

غالباً ان کے اسی "قد و قامت" کے سبب زیری ابن عطیہ ان سے نفرت کرنے لگا تھا۔ وہ المنصور کی جابرانہ طرزِ حکومت اور اس ناروا برتاؤ کی سخت مذمت کرتا جو اس نے خلیفہ کے ساتھ روا رکھا تھا۔ لیکن المنصور ان باتوں کو خاطر میں نہ لاتا۔ المنصور نے ایک منظم فوج فاس روانہ کی تاکہ زیری کو اس کی گستاخیوں کا مزہ چکھائے۔ زیری نے اپنی فوج زناتہ کیساتھ اندلسی افواج کا مقابلہ کرنا چاہا لیکن اندلسی فوج کو بروقت کمک پہنچ جانے سے جنگ کا پانسہ پلٹ گیا اور زیری کی افواج کو شکست ہوئی۔ اس نے اس واقعے کے بعد بھی ابنِ ابی عامر کی مخالفت کو جاری رکھا۔ لیکن وہ ۱۰۰۱ء میں کچھ عرصہ بیمار رہ کر اس دُنیا سے چل بسا۔

ہشام ثانی کو شاہی محلات کی چار دیواری کے اندر پوری آزادی حاصل تھی۔ وہ اس خوبصورت چڑیا کی مانند تھے جسے سنہری پنجرے میں رکھا گیا ہو۔ کبھی کبھی انہیں قرطبہ کے بازار سے گزارا جاتا تاکہ عوام اپنے محبوب خلیفہ کا درشن کر لیں۔ ابنِ ابی عامر عصائے وزارت ہاتھ میں لئے، گھوڑے کی باگ تھامے شاہی سواری کے ساتھ چل رہے ہوتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ سیدہ صبح سے بھی ان کی ملاقاتیں سرد مہری کا شکار ہو چکی تھیں۔ پرانی موانست کے خیالات دل سے محو ہو چکے

Marfat.com

تھے۔ ملکہ صبح اب دُنیا سے منہ موڑ کر یادِ الٰہی میں مشغول ہو گئی تھیں۔ یوں نظر آتا ہے کہ ان کی محبت کی داستان ایک قصۂ شب تھی جو رات گزرنے کے ساتھ ختم ہو گیا۔

ان خامیوں کے باوجود جو ابن ابی عامر میں پائی جاتی تھیں، اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ وہ اپنے زمانے کی ایک عظیم شخصیت تھے۔ ان کی ہمیشہ یہ آرزو رہی کہ سلطنت کو وہ عظمت و قوت بخشیں کہ اُسے کوئی آفت گزند نہ پہنچا سکے۔ ان کا جی چاہتا تھا کہ میدان جنگ میں کفار سے لڑتے ہوئے اپنے خالقِ حقیقی سے اس طرح ملیں کہ ع

رُخِ پر خوں گریباں پارہ پارہ

وہ ہمیشہ کفن کا کپڑا اپنے ساتھ رکھتے جو ان کی لڑکیوں نے سیا تھا۔ عمر جوں جوں بڑھتی جاتی تھی ان کی توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف زیادہ ہوتی جاتی تھی۔ آخر وہ گھڑی آپہنچی جس کا انتظار ہر مسلمان کو رہتا ہے۔ آپ نے ۱۰ اگست ۱۰۰۲ء کو جب آپ (Castils) کی مہم سے فتح و نصرت کے ساتھ واپس آ رہے تھے راستہ میں وفات پائی۔ آپ کی قبر پہ یہ اشعار کندہ ہیں ؎

آثارُہٗ تُنْبِئُکَ عَنْ اَخْبَارِہٖ   حَتّٰی کَاَنَّکَ بِالْعَیَانِ تَرَاہٗ

تَاللّٰہِ لَا یَاْتِی الزَّمَانُ بِمِثْلِہٖ   اَبَدًا وَلَا یَحْمِی الثُّغُوْرَ سِوَاہٗ[۱]

His story in his relics you may trace,

As tho he stood before you face to face,

Never will time bring forth his peer again,

Nor one to guard, like him, the gaps of Spain.

---

[۱] لٹریری ہسٹری آف دی عربس، نکلسن، ص ۴۱۲-۱۳ [۲] سے مراد سرحدی قلعے ہیں۔
دیر و فصہ سیر، ج ۴، ۵۳۳

(خود) اس کے آثار و نشانات تجھے اس کی تاریخ سے آگاہ
کردیں گے اور تو اس طرح محسوس کرے گا کہ تو ان کو بچشم
خود دیکھ رہا ہے۔
خدا کی قسم! زمانہ اب اس کی مثل پیدا نہ کرسکے گا اور نہ اب
ان کے سوا کوئی دوسرا اس ملک کی سرحدوں کی حفاظت
کر سکے گا۔

آپ کے ساتھ ہی وہ زرہ بھی دفن کردی گئی جس پر کئی جنگوں کی گرد جمی ہوئی تھی۔ آپ کو مدینہ سالم میں پورے فوجی اعزاز کے ساتھ سپردِ خاک کیا۔

آج الحکم ثانی کے بیت العلوم کا ایک طالب علم اور ہشام (المؤید) کے عہد کا مردِ آہن جس کے نام سے "عیسائیوں کا دم فنا ہوتا تھا" اس جہاں سے رخصت ہوتا ہے۔ ع

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

ان کے پے درپے حملوں سے عیسائیوں پر اس قدر رعب پیدا ہوگیا تھا کہ گرجے عبادت گزاروں سے خالی ہوگئے تھے، وہاں کی دولت جو زہاد نے اکٹھی کررکھی تھی لٹ چکی تھی اور ان کے نام کی جاگیریں خالی پڑی تھیں۔ ایک عیسائی مورخ لکھتا ہے!

"اس زمانہ میں مسیح کی عبادت عیسائیوں سے مفقود ہوگئی
خادمانِ مسیح کی شان وعظمت مٹ گئی اور کلیسہ کے خزانے
جن میں صدیوں کی دولت جمع تھی لٹ گئے۔"

ان عظیم فتوحات کا سبب وہ خود تھے۔ ان کی شخصیت فعال تھی

Marfat.com

اور ان کی عادات کریمانہ۔ مورخین کا بیان ہے کہ جس وقت نوجیں ان کے سامنے سے گزرتی تھیں تو بالکل خاموش ہوتی تھیں یہاں تک کہ آدمی گھوڑے تک اپنا کام سمجھتے تھے اور ان کے ہنہنانے کی آواز شاذ و نادر ہی سنائی دیتی تھی۔"

المنصور کا صرف یہی ایک کارنامہ نہیں کہ اس نے اندلس کو سطوت و اقبال کے اس نقطہ عروج پر پہنچا دیا جو اُسے کبھی حاصل نہ ہوا تھا بلکہ اُس نے تہذیب و تمدّن کی ترقی میں بھی وہ کردار ادا کیا ہے جو قابل رشک ہے۔ علماء اور شعراء کی ایک بہت بڑی جماعت ان کے دربار میں جمع رہتی۔ جن اصحابِ علم کو المنصور کے دربار میں غیر معمولی شہرت حاصل ہوئی ان میں ابوالعلاء صاعد بن الحسین ربعی بغدادی، ابوالقاسم ابن الحسین ابن ولید (معروف بہ ابن العارف)، محمد ابن اسمٰعیل الزبیدی اور حبیب الصقلبی شامل ہیں۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے ابن ابی عامر کو گلاب کا ایک حسین پھول جو غیر موسمی تھا لاکر دیا۔ صاعد اتفاق سے وہاں موجود تھا، پھڑک اُٹھا اور کہا:[۱]

أتتك أبو عامر وردة ۔۔۔ يذكرك المسك أنفاسها

كعذراء أبصرها مبصر ۔۔۔ فغطت بأكمامها رأسها[۱]

(ابو عامر نے جو گلاب کا پھول تجھے پیش کیا ہے اس کی خوشبو مشک کی یاد دلا رہی ہے۔ یہ پھول اس کنواری لڑکی کی مانند ہے کہ جب اُسے کسی نے دیکھا تو اس نے فوراً اپنے سر کو آستینوں سے چھپا لیا۔)

ڈوزی نے المنصور کے بارہ میں یہ رائے ظاہر کی ہے:

---

[۱] المقری، جلد الرابع، ص جزء الرابع، ص ۷۸

"بہرکیف علم ان کی طبیعت کا خاص جوہر نہ تھا لیکن عمل میں کمال ان پر ختم ہو گیا تھا۔ ملک کے حق میں تمام مادی فوائد کے وہ ایک روشن ضمیر حامی اور سرپرست تھے۔ ذرائع رسل و رسائل میں ترقی کا خیال ان کو ہمیشہ رہا۔ متعدد سڑکیں اور شاہراہیں تیار کرائیں۔ شہر استجہ میں دریائے شنیل پر ایک پل اور قرطبہ میں وادی الکبیر پر پرانے پل کے علاوہ ایک نیا پل تیار کرایا۔"

"..... لیکن انصاف ہمیں اس امر کے ظاہر کرنے پر مجبور کرتا ہے کہ جہاں کہیں ان کے حبِّ جاہ و منزلت میں کوئی امر مخل و مزاحم نہ ہوتا تھا وہاں ابنِ ابی عامر المنصور صادق العمل، فیاض اور عادل ثابت ہوتے تھے۔ حصولِ مقصد میں شدید اصرار ..... ان کی طبیعت کا سب سے بڑا خاصہ تھا۔ جب کسی بات کا ارادہ کر لیتے تو پھر اس سے نہ ٹلتے ہمّت اور ارادے کی قوت اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ جسمانی اور دماغی دونوں قسم کی اذیتیں بے تکلّف برداشت کر لیتے تھے۔"

"منصور کا انصاف ضرب المثل ہو گیا تھا۔ ان کا حکم تھا کہ انصاف بغیر رعایت کے اور بغیر اس امتیاز کے کہ فریقین کس درجے کے آدمی ہیں، کیا جائے۔ جن لوگوں پر وہ مہربان ہوتے وہ بھی قانون کی گرفت سے باہر نہ تھے۔"[1]

---

[1] عبرت نامہ اندلس، ڈوزی، ج ۲، ص ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۴۔

Marfat.com

- ابن ابی عامر کے بعد قومی صفوں میں انتشار
- بربروں کا شوق خون ریزی۔ عمارات اور نزہت گاہوں کی بربادی۔
- عبدالملک بن المنصور کے دورِ وزارت میں عیسائیوں کے خلاف مہمات۔
- عبدالملک کے بعد عبدالرحمٰن کا برسرِ اقتدار آنا اور اس سے عوام کی بیزاری۔
- افواج کا عدم تعاون، عبدالرحمٰن کا قتل اور محمد المہدی باللہ کا عروج و زوال۔
- علی ابن حمود کے عہد میں عدل و انصاف کی کوشش اور نظم و نسق کی بحالی۔
- الفانسو کی زیرِ قیادت عیسائی حکمرانوں کا اقتدارِ اندلس کے لیے عزم۔
- الفانسو کی شطرنج کی بساط پر شہ مات۔
- اموی خاندان کے آخری تاجدار ہشام بن محمد کا عہد۔

Marfat.com

باب ۱۵

ابنِ ابی عامر (المنصور) کا دنیا سے رخصت ہونا تھا کہ اسلامی اندلس کی اقبال مندی کا سورج گہنانا شروع ہوا۔ مسلمانوں کی صفوں میں جب تک اتحاد تھا ملک زندگی کے ہر شعبے میں دن دوگنی رات چوگنی ترقی کرتا رہا اور اغیار ہمیشہ سہمے رہے۔ لیکن جب اتفاق اور اتحاد کی جگہ نفاق اور انتشار نے لی تو انحطاط اور بدشگونی کے آثار نمودار ہونے لگے۔ یورپ کے حکمران جو مسلمان سلاطین کی قبر کی مٹی کو اپنے لئے سرمۂ شفا سمجھتے تھے، اب اتنے دلیر ہوئے کہ انہیں آنکھیں دکھانے لگے۔ بیگانے تو خیر بیگانے ہی ہوتے ہیں، تہذیب و تمدن کے عظیم نشانات کو مٹانے کے لئے اپنوں نے بھی وہ کام کیا ہے کہ دیکھ کر کلیجہ منہ کو آتا ہے۔

بربروں نے اپنی جذباتیت، طبیعت کی درشتی اور شوقِ خوں ریزی میں پاکیزہ عمارات، دل کشا باغات اور صنعت و حرفت کے نوادرات کو اس طرح پامال کیا کہ قرطبہ ایک کھنڈر نظر آنے لگا۔ المنصور کو اپنی زندگی میں یہ کبھی گمان بھی نہ ہو سکتا تھا کہ ان کے بعد چند سالوں کے اندر ہی بربری مسلمانانِ اندلس کے "قیمتی اور زرخیز ترکہ" پر قبضہ کر لیں گے اور "بنو امیہ" کی پُرجلال سلطنت جس کا تمدن اپنے زمانہ کا

Marfat.com

ایک عجوبہ تھا، جسے احترام اور تقدس کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا اور جس کے نام سے بڑے بڑے بادشاہ لرزتے تھے یوں پاش پاش ہو جائے گی اور اس کا تار پود اس طرح بکھر جائیگا کہ۔

ے چاک کو تقدیر کے ممکن نہیں کرنا رفو

المنصور کے بعد اس کا بڑا لڑکا عبدالملک حاجب (وزیر اعظم) کے عہدے پر سرفراز ہوا۔ وہ نہ صرف انسانی تعلقات کو استوار کرنے کے ڈھب سے واقف تھا بلکہ "آلات کی زبان" بھی جانتا تھا۔ اس نے اپنے باپ کے خیرخواہوں کو بدستور ان کی خدمتوں پہ قائم رکھا اور ان کے تعاون سے عیسائیوں پہ فوج کشی کرتا رہا۔ ۱۰۰۴ء میں عبدالملک نے جلیقیہ کو تاراج کیا اور لوگوں کے دل پہ مسلمانوں کی برتری اور ہیبت کا سکہ بٹھا دیا۔ ہشام ثانی نے اس کے کارناموں سے خوش ہو کر اُسے "المظفر" اور "سیف الدولہ" کے خطابات سے نوازا۔ تقریباً سات سال تک وزارتِ عظمےٰ پر فائز رہنے کے بعد ۱۰۰۸ء میں عبدالملک راہیِ ملکِ عدم ہوا اور اس کی جگہ اس کا چھوٹا بھائی عبدالرحمٰن وزیر اعظم بنا۔

عبدالرحمٰن (حاجب یاسنخول[1]) نے جلد ہی پَر پُرزے نکالنے شروع کئے۔ اس نے ہشام ثانی کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے تمام شاہی اختیارات خود سنبھال لئے۔ علامہ المقری نے اپنی فاضلانہ تصنیف میں وہ معاہدہ قدرے تفصیل سے درج کیا ہے۔ جو ہشام ثانی (امیر المومنین) اور عبدالرحمٰن بن المنصور کے درمیان طے پایا تھا اور

---

[1] حاجب کو سنخول یا شنشول بھی کہا جاتا تھا۔

Marfat.com

جس کی رو سے ہشام ثانی نے اسے اپنے مرنے کے بعد خلیفہ مقرر کیا تھا۔ یہ واقعہ ربیع الاوّل ۳۹۹ھ مطابق ۱۰۰۹ء کا ہے۔

عبدالرحمٰن کی غیر قانع اور غیر محتاط طبیعت نے اعیانِ سلطنت اور امراءِ دولت کو جلدی ناراض کرلیا۔ وہ جلیقیہ کی مہم پر گیا ہوا تھا کہ امراءِ عرب نے افسر فوج کو جس کے سپرد دارالخلافہ کا انتظام کیا گیا تھا معزول کر کے محمد بن ہشام بن عبدالجبار (المہدی باللہ) کو تخت پر بٹھا دیا۔ ہشام ثانی نے محمد المہدی باللہ کو برسرِ اقتدار دیکھا تو حکومت سے دست برداری کا اعلان کردیا۔ لوگوں کو یہ بتایا گیا کہ ہشام ثانی (جو ابھی تک محل میں مقید تھا) اللہ میاں کو پیارا ہو گیا ہے۔ محمد ابنِ مغیرہ حاجب مقرر ہوا اور امیّہ بن الحاف حاکمِ قرطبہ۔ ابن مغیرہ نے قلعہ الزاہرہ[۱] میں داخل ہوکر نہتّے لوگوں کو جن میں مقابلے کی کوئی طاقت موجود نہ تھی لوٹ لیا۔ ان سے تمام روپیہ پیسہ چھین لیا اور ان کی عمارات کو اس قدر شکستہ و برباد کیا کہ یہ عظیم قلعہ جو فنِ تعمیر کا حسین اور پروقار نمونہ تھا وحشت کدہ بن گیا۔ علامہ المقریؔ کا بیان ہے کہ صرف ابنِ مغیرہ کے حصّہ میں کوئی سترہ لاکھ دینار اور اکیس لاکھ درہم آئے۔ عبدالرحمٰن (سنخول) کو جب اس بغاوت کا علم ہوا تو وہ طلیطلہ سے واپس لوٹا۔ اس نے افواج سے دوبارہ حلفِ وفاداری لینا چاہا لیکن انہوں نے ساتھ دینے سے انکار کردیا۔ محمد بن یعلیٰ، ایک فوجی افسر نے صاف صاف کہہ دیا کہ "ایک متنفّس بھی آپ کا طرف دار ہوکر لڑنے پر آمادہ نہیں ہے"[۲]

---

[۱] اس قلعہ کو ابنِ ابی عامر نے زرِ کثیر خرچ کرکے تعمیر کرادیا تھا۔

[۲] عبرت نامہ اندلس، ڈوزی، ج ۲، ص ۲۲۲

Marfat.com

عبدالرحمن بن المنصور کو دیر شوس[1] کے قریب گرفتار کرلیا گیا اور اس کی مشکیں مضبوطی سے باندھ دی گئیں۔ عبدالرحمن نے جب دیکھا کہ چلنا دوبھر ہو گیا ہے تو اس نے نہایت ہی انکساری سے اپنی رہائی کے لیے استدعا کی۔ ابن مغیرہ کو رحم آگیا اور اس کی مشکیں کھولنے کی اجازت دے دی۔ عبدالرحمن کی بدبختی اور کوتاہ اندیشی دیکھئے کہ جب دیر شوس کی بلند و بالا اور مضبوط دیواریں اس کو اپنی آغوشِ پناہ میں لیے ہوئے تھیں تو اس نے اپنے بچاؤ کی کوئی تدبیر نہ کی۔ بلکہ برضا و رغبت اپنے آپ کو دشمن کے حوالے کر دیا۔ لیکن اب جبکہ وہ ان کے قبضے میں آچکا تھا تو اس نے ایک سپاہی پر جو اس کے قریب کھڑا تھا اپنے خنجر سے وار کر دیا۔ ابن مغیرہ کو اس کی بزدلی پر سخت غصہ آیا اور فوراً ہی اپنی تلوار سے اس کا سر تن سے جدا کر دیا۔ عبدالرحمن نے بمشکل سات ماہ حکومت کی۔

محمد المہدی باللہ نے حکومت کی باگ ڈور تو سنبھال لی لیکن یوں نظر آتا ہے کہ اس کی بیعت کا جو فیصلہ مختلف گروہوں نے کیا تھا۔ اس میں سوچ بچار سے کہیں زیادہ جذباتیت سے کام لیا گیا تھا۔ کچھ وقت گزرنے کے بعد جب حالات معمول پر آئے تو لوگوں نے محسوس کیا کہ قیادت کی تبدیلی کے باوجود نہ تو گذشتہ شکایات کا ازالہ ہوا ہے اور نہ ہی انتظامیہ سے مستقبل قریب میں بہتری کی کوئی توقع رکھی جا سکتی ہے۔ مہدی باللہ ایک بگڑا ہوا کردار تھا۔ اس میں نیکی تھی نہ فہم و فراست۔ وہ کھیل کود اور عیش و عشرت کا دلدادہ تھا۔ خون بہانے میں اسے لطف آتا تھا۔

---

[1] عیسائیوں کا ایک مضبوط معبد یا گرجا۔ ڈوزی نے اسے خانقاہ شناش لکھا ہے

یہی وجہ ہے کہ عوام اس سے بہت جلد نفرت کرنے لگے۔

اس نے صقالبہ کو نہ صرف ان کی ملازمتوں سے ہی برطرف کر دیا بلکہ انہیں شہر سے بھی نکل جانے کا حکم دے دیا۔ جب لوگوں پر سختیاں کی گئیں اور مزاحمت کرنے والوں کے تن سے جدا سروں کا ایک مہیب گلدستہ تیار کیا گیا تو عوام میں انتقام لینے کی آگ بھڑک اٹھی۔ اسی دوران میں مہدی باللہ نے سلیمان (ابن عبدالرحمن الناصر) کو جو اس وقت قید میں تھا رہا کر دیا۔ سلیمان زیادہ دیر تک زندہ نہ رہا۔ اس کے ساتھ ہی اس کے لڑکے ہشام کو بھی قتل کر دیا گیا۔

بربروں نے زاوی بن مناد کی سرکردگی میں ایک اور سلیمان[۱] (المستعین ۵) کو جو ہشام کے بھائی الحکم کا بیٹا تھا اپنا خلیفہ مقرر کر لیا۔ سلیمان المستعین کو نہ امرائے عرب سے موانست تھی اور نہ ہی بربروں پر کوئی اختیار تھا۔ لیکن اس کے باوجود دونوں کے درمیان ایک ایسا

۱

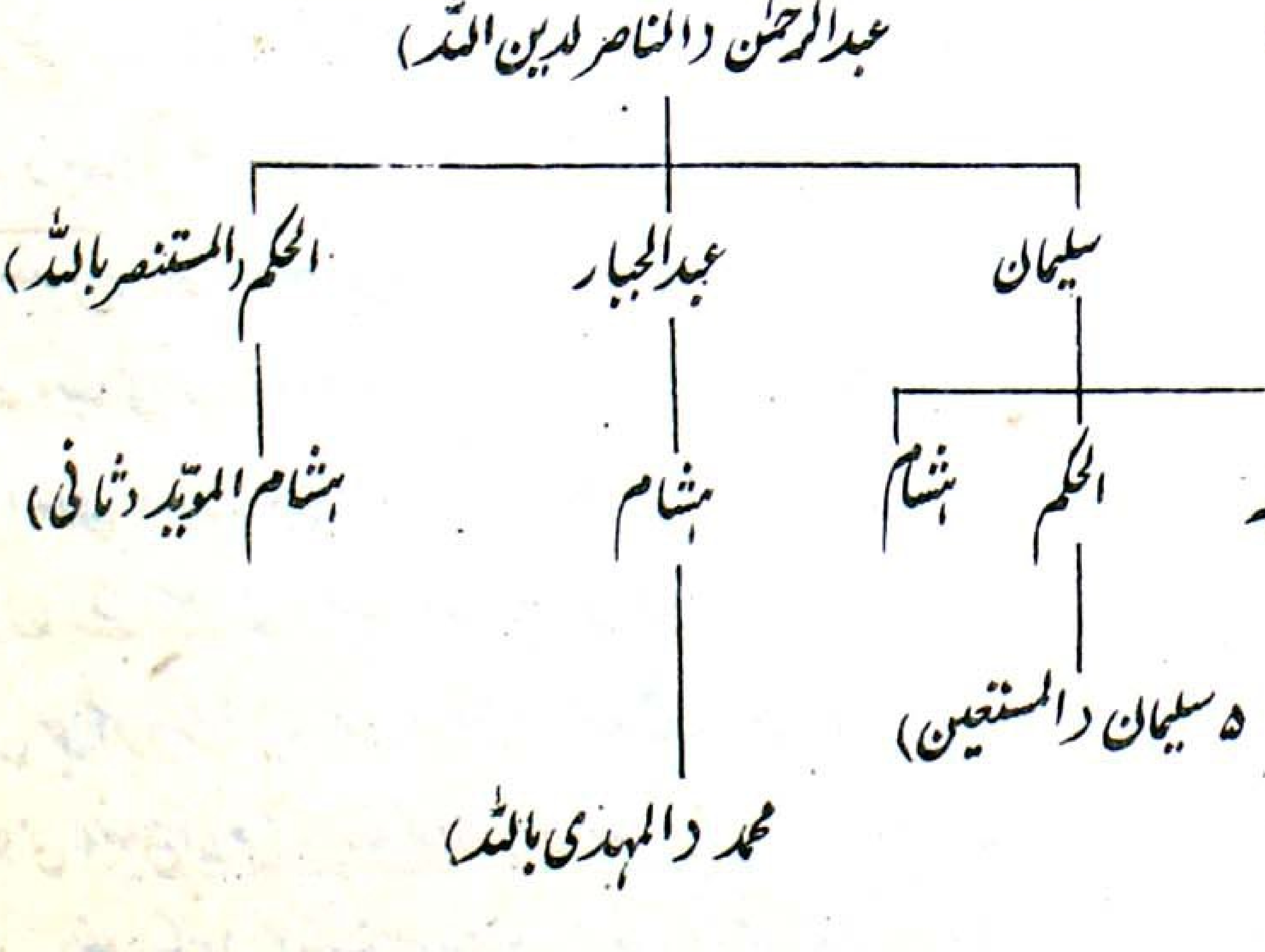

معاہدہ طے پایا تھا جس کا مقصد مہدی باللہ کو راستے سے ہٹا دینا تھا اور قتل و غارت اور شر و فساد کے لئے کھلا لائسنس حاصل کرنا تھا، بربروں نے قشتالیہ کے بادشاہ شانجہ سے بات چیت شروع کی اور اسے اس بات پہ آمادہ کر لیا کہ وہ مہدی کے مقابلے میں ان کی مدد کرے۔ مہدی باللہ اور بربری افواج کا ۵ر نومبر ۱۰۰۹ء کو تنتش کے مقام پہ آمنا سامنا ہوا۔ بربروں کی مٹھی بھر فوج نے مہدی کے پورے لشکر کو غارت کر دیا۔ جو لوگ بچ نکلے تھے وہ وادی الکبیر کی بپھری ہوئی موجوں کا لقمہ بن گئے۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق دس ہزار سے زیادہ لوگ اس لڑائی میں کام آئے۔

مہدی باللہ نے بربروں کو رام کرنے کے لئے ایک چال اور چلی۔ اس نے ہشام ثانی (المؤید) کو جو ابھی تک زیرِ حراست تھا قید سے باہر نکال کر خلیفہ بنانے کا اعلان کر دیا۔ بربروں نے ہشام کی قیادت کو ناکارہ اور غیر مؤثر سمجھتے ہوئے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ ہشام کے لئے قید و بند کی صعوبتیں مقدر ہو چکی تھیں۔ انہیں پھر مجبور کیا گیا کہ وہ سلیمان المستعین کے حق میں خلافت سے دست بردار ہو جائیں۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اور سلیمان المستعین کے حق میں خلافت سے کنارہ کشی کا اعلان کر دیا۔ درحقیقت وہ ان اصحاب عزیمت میں سے نہیں تھے جو زمانے کے خلاف نبرد آزما ہوتے ہیں اور ان بندھنوں کو توڑ دیتے ہیں جو آبرومندانہ زندگی گزارنے کے راستے میں رکاوٹ بنتے ہیں۔ غلامی انہیں راس آ چکی تھی۔ قید خانے کی مرگ آسا زندگی کو قبول کرنے میں انہیں کوئی تامل نہیں تھا۔

Marfat.com

ابھی زیادہ دن نہیں گزرے تھے کہ ۲۳ جولائی ۱۰۱۰ء کو طلوع ہونے والے سورج نے مہدی باللہ کو خاک و خون میں لتھڑا ہوا پایا۔ ایک سازش نے انہیں تختِ خلافت پر بٹھایا تھا دوسری نے ان سے تخت بھی چھینا اور جان بھی۔

مہدی باللہ کے قتل کے بعد سلیمان المستعین نے بربروں سے مل کر قرطبہ میں وہ اودھم مچایا اور قتل و غارت کا وہ بازار گرم کیا کہ الاماں اور الحفیظ۔ یوں نظر آتا تھا کہ وہ غضبِ الٰہی نے ان دیو صفت لوگوں کے گلوں سے زنجیریں کھول دی تھیں تاکہ وہ مملکتِ اندلس کے حسین شہروں کو جن میں سے ہر ایک میں بنو اُمیہ کی فتوحات اور شان و شوکت کی نشانیاں موجود تھیں اپنی وحشت کی جولانگاہ بنائیں۔[۱] ایک طرف تو قرطبہ کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی۔ اور دوسری طرف شانجہ والئے قشتالیہ کو وہ تمام قلعے واپس لوٹانے کے منصوبے تیار کئے گئے جو مسلمانوں نے شمال کے عیسائی حکمرانوں سے اپنے اقتدار کے زمانے میں بزورِ شمشیر فتح کئے تھے۔ پیشتر اس کے کہ سلیمان المستعین شانجہ سے عہد و پیمان کرتا اور بربروں کے لئے مدد حاصل کرتا، اہلِ مشورہ نے واضح کو اجازت دے دی کہ وہ شانجہ کو اس کی حسب منشا دو سو قلعے واپس کر دے تاکہ قشتالیہ کی افواج بربروں کی اعانت سے رُک جائیں۔ اس طرح شانجہ اور دوسرے عیسائی حکمرانوں کو یہ موقعہ مل گیا کہ وہ بغیر حملہ کئے اور جنگ کا خطرہ مول لئے اپنی حدودِ سلطنت کو وسیع کریں اور مسلمانوں کے درمیان نفاق اور پھوٹ ڈال کر اسلامی اندلس کو

---

[۱] اخبار الاندلس، ج ۲ - ص ۹۱؛ ڈوزی، ج ۲، ص ۲۴۴ - ۲۵۰ -

Marfat.com

کمزور بنا دیں۔

سلیمان المستعین کی فوج میں حضرت علیؓ کرم کی اولاد میں سے دو شخص شریک تھے۔ ایک کا نام علی تھا اور دوسرے کا قاسم۔ علی ابن حمود نے افراتفری کا یہ عالم دیکھا تو اس کو اندلس میں ایک نئی حکومت قائم کرنے کی فکر دامن گیر ہوئی۔ سلیمان اور علی ابن حمود کی افواج کا آمنا سامنا طائفہ کے میدان میں ہوا۔ سلیمان کی فوجوں نے شکست کھائی اور علی قرطبہ پر قابض ہو گیا۔ یہ واقعہ جولائی ۱۰۱۶ء کا ہے۔ سلیمان کو اس کے باپ سمیت قتل کر دیا گیا۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہشام المؤید کا معاملہ کیا ہوا؟ انہیں زمین نگل گئی یا آسمان نے انہیں اچک لیا! قیاس آرائیوں کے سوا جن کی صحت مشتبہ ہے کوئی مستند روایت ایسی نہیں ملتی جس سے پتہ چلے کہ ان کا حشر کیا ہوا۔ ہشام جب جوانی کی سرمستیوں اور رعنائیوں سے کھیل رہے تھے تو سلطنت کا کاروبار ان کی چہیتی، ملکہ سیدہ صبح اور ان کے حاجب ابن ابی عامر کے ہاتھ میں تھا۔ پھر سیدہ صبح نے حکومت کے معاملات میں دلچسپی لینا چھوڑ دیا اور زمام حکومت ابن ابی عامر کے ہاتھ آئی۔ وہ جب تک زندہ رہے ملک میں خوشحالی کا دور دورہ رہا۔ سلطنت کی حدود میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا اور لوگ پرسکون زندگی گزارتے رہے۔ سیاسی، تمدنی اور سماجی لحاظ سے اسلامی اندلس عروج کے اس نقطے پر تھا کہ مغربی ممالک اس کے سامنے پس ماندہ اور زبوں حال نظر آتے تھے۔ لیکن ان کی وفات کے بعد ہشام المؤید نے ہر مدعی اور طالع آزما کے لئے خلافت سے دست برداری کا اعلان کیا اور اسے

Marfat.com

موقعہ دیا کہ وہ لوگوں کی جان، ان کے مال اور ان کی آبرو سے کھُل کھیلے۔ تاریخ نے کبھی ان لوگوں کو معاف نہیں کیا جو عزم وہمت اور جہد وعمل کی بجائے عیش پسندی، عافیت کوشی اور زندگی سے فرار (ESCAPISM) کو اپنا مسلک بناتے ہیں۔ اور زندگی کی حقیقتوں سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔ ہشام المویّد کبھی بھی ان "عناصر" کا مجموعہ نہ تھے جن سے "مسلمان بنتا ہے۔" یہی وجہ ہے کہ تاریخ نے انہیں اس طرح فراموش کر دیا ہے جس طرح حافظہ ان واقعات کو بھول جاتا ہے جو کم اہم، بے ربط اور غیر مسلسل ہوتے ہیں۔

علی ابن حمود نے حکومت کی باگ ڈور سنبھالتے ہی امنِ عامہ کی بحالی، عدل وانصاف کے قیام اور راستوں کی حفاظت کے لئے پوری تن دہی اور جانفشانی سے کام کیا۔ انھوں نے "پردہ نشینی" کو چھوڑ پُرانے زمانے کی سادگی اختیار کی جس میں ہر انسان بلا لحاظ رنگ ونسل قبیلہ کے شیخ تک پہنچ سکتا تھا۔ اور انصاف کا طالب ہو سکتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ اپنی رہائش گاہ کے بیرونی بڑے دروازے پر بیٹھ کر لوگوں کی شکایات سنتے اور جھگڑوں کا فیصلہ کرتے۔ کوئی آدمی بھی، چاہے وہ کتنا ہی دولت مند اور با اثر ہوتا، قانون کی گرفت سے نہ بچ سکتا تھا۔

ایک مرتبہ علی ابنِ حمود گورنمنٹ ہاؤس سے نکل کر باہر جا رہے تھے کہ ان کی نظر ایک بربری سوار پر پڑی جو اپنے گھوڑے پر عمدہ انگوروں کے خوشے رکھے چلا جا رہا تھا۔ انہوں نے سوار سے پوچھا: یہ انگور کہاں سے لائے ہو؟ اس نے بلا جھجک کہا: میں نے انہیں سپاہیانہ طریق

Marfat.com

سے حاصل کیا ہے۔ علی نے باڈی گارڈ کو حکم دیا کہ اسے پکڑ لے اور اس کی گردن اڑا دے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

علی بن حمود کا ارادہ تھا کہ وہ تمام جاگیریں جو بربروں نے اپنے ہمسایوں کی غصب کر لی تھیں اصل مالکوں کو لوٹا دی جائیں اور وہ تمام جائیدادیں جو قانون کی "پروا" نہ کرتے ہوئے پرامن شہریوں سے چھین لی گئی تھیں بحال کر دی جائیں۔ لیکن بربروں نے جو لاقانونیت کے عادی ہو چکے تھے اور مرکز گریز قوتوں کا ساتھ دینے پر تلے ہوئے تھے المرتضیٰ (عبدالرحمٰن چہارم) کو بارِ خلافت سونپ دیا۔ اُنہوں نے از سرِ نو دن دہاڑے لوٹ کھسوٹ اور قتل و خون شروع کر دیا۔ علی نے جب دیکھا کہ اشرار نے المرتضیٰ کو اپنا خلیفہ چن لیا ہے اور امن کی بحالی کے لیے اس کی تمام کوششیں بے اثر بنا دی ہیں تو اُس نے لوگوں کی ظلم و تعدّی کی شکایات پر کان دھرنا چھوڑ دیا۔ حالت یہ ہوئی کہ حبشی سپاہی دولتمند اور مخیر لوگوں کو بلا خوفِ تادیب لوٹ لیتے اور ان کے گھروں کو ویرانہ بنا دیتے۔ خوف و دہشت کا وہ عالم تھا کہ مساجد عبادت گزاروں سے خالی ہو گئی تھیں۔ علی کو رعایا کی اس سینہ زوری اور مکر و زور پر سخت غصہ آیا۔ انہوں نے ان کی ناسپاسی اور نمک حرامی کی ان کو سخت سزا دینا چاہی۔ شہر میں ڈونڈی پٹوا دی گئی کہ لوگ اگر نہب و سلب اور لوٹ کھسوٹ سے باز نہ آئے تو وہ تمام شہر کو تباہ و برباد کر دیں گے اور اشرار کو پھانسی پر لٹکا دیں گے۔ لوگوں کو جب یہ معلوم ہوا کہ علی کے تیور بدلے ہوئے ہیں اور وہ اپنے ارادوں میں پکے ہیں تو انہوں نے ایک خادم

Marfat.com

کے ذریعے اُسے حمام میں قتل کروادیا۔" اگر علی بن حمود اپنے ارادے کو قوہ سے فعل میں لے آتے تو وہ عالیشان عمارات جو مسلمانوں کے جوہرِ دماغی کی نشانیاں تھیں صفحۂ ہستی سے مٹ جاتیں اور فنِ عمارت کو وہ نقصان پہنچتا جس کی تلافی ممکن ہی نہ تھی۔"

علی بن حمود کے قتل کے بعد بربر کئی دنوں تک لوٹ مار کرتے رہے۔ لوگوں کی چیخ پکار اور آہ وبکا صدا بہ صحرا ثابت ہوئی۔ اس افراتفری کے عالم میں قانون تھا اور نہ کوئی ضابطہ اخلاق جو ظالم کو مفلوک الحال آبادی پر ظلم کرنے سے روک سکے۔ جو لوگ ستائے گئے تھے انہوں نے اپنی تکلیف میں المرتضٰی کو پکارا لیکن کوئی مدد نہ پہنچی۔ انھوں نے محسوس کیا کہ وہ بھی بجوبِ مسجد کیطرح مجبور ہیں۔ خیران جو اپنی غداری اور

۱؎ اس زمانے میں خلفاء مختلف القاب سے ملقب نظر آتے ہیں۔ کوئی معتضد ہے تو کوئی مامون؛ کوئی مستعین ہے تو کوئی مستظہر؛ کوئی مقتدر ہے تو کوئی معتمد۔ کسی شاعر نے ان کے اس چھچھورے پن کا یوں مذاق اڑایا ہے ؎

مما یزھدنی فی ارض اندلس
سماع مقتدرٍ فیھا ومعتضدِ
القاب مملکۃٍ فی غیرِ موضعھا
کالھر یحکی انتفاخا سورۃ الاسد

(جو چیز سرزمینِ اندلس کو چھوڑنے کا باعث ہوئی ہے وہ ہے نئے نئے القاب۔ کوئی مقتدر بنا ہوا ہے اور کوئی معتضد۔ یہ القاب بے محل ہیں اور ایسے ہی ہیں جیسے کوئی بلّی پھول کر شیر کی نقل اُتارنے لگے۔)

Marfat.com

نمک حرامی کی وجہ سے مشہور تھا دشمنوں سے جا ملا اور المرتضٰی کو معزول کرنے کی تدبیریں کرنے لگا۔ المرتضٰی جلد ہی اپنے انجام کو پہنچا۔ لوگوں نے علی بن حمود کے بھائی قاسم کو خلیفہ چن لیا۔ لیکن باوجود اپنے علم و تدبر اور بیدار مغزی کے قاسم زیادہ دیر تک زمامِ حکومت نہ سنبھال سکا۔ اس نے امن و امان کی بحالی اور عوام کی تالیفِ قلوب کے لئے کوششیں ابھی شروع ہی کی تھیں کہ بربروں نے ایک سازش کے ذریعے علی کے بیٹے یحییٰ کو بلا بھیجا تاکہ وہ اندلس کا تاج و تخت سنبھالے۔ قاسم بن حمود اشبیلیہ روانہ ہو گیا اور یحییٰ نے قرطبہ پر قبضہ کر لیا۔ قاسم ایک طویل مدت تک جیل میں بند رہا۔ یحییٰ کے حکم سے اس کا گلا گھونٹ دیا گیا۔

اب عوام نے ایک بار پھر جمہوری طریقہ سے عبدالرحمٰن برادرِ مہدی باللہ کو اپنا خلیفہ چن لیا جو المستظہر کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ عبدالرحمٰن المستظہر کو خلیفہ بنے ابھی چند ہفتے بھی نہ گزرے تھے کہ انہیں قتل کر دیا گیا ان کی جگہ محمدؒ اموی ملقب بہ المستکفی[1] مسندِ خلافت پر جلوہ افروز ہوئے۔ ان کا انجام بھی دوسروں سے مختلف نہ تھا۔ کوئی زیادہ عرصہ نہ گزرنے پایا تھا کہ انہیں بھی زہر دے کر ہلاک کر دیا گیا۔

خلفاء کے متواتر عزل و نصب نے اسلامی اندلس کا شیرازہ بکھیر دیا۔ اشبیلیہ میں ابن عباد نے؛ طلیطلہ میں ابن الافطس اور ابن ذوالنون نے؛ بلنسیہ میں ابنِ ابی عامر نے اور سرقسطہ میں ابن ہود نے اپنی اپنی سلطنتیں قائم کر لیں۔ یہ ریاستیں ہمیشہ ایک دوسرے سے برسرِ پیکار رہتیں۔ پوری قوم شعوب و قبائل میں بٹ چکی تھی۔ جن میں اتفاق

---

[1] نوٹ گذشتہ صفحے پر ملاحظہ فرمائیں۔

Marfat.com

واتحاد ناممکن تھا۔" اگر وہ متحد تھے تو صرف اس بات میں کہ ایک دوسرے کا گلا کاٹیں اور اپنے قدح کی خیر منائیں۔"

اندلس کے جنوبی حصے پر جو کاشتکاروں کی محنت، زراعت کے جدید طریقوں کے استعمال اور حکومت کی فراخدلانہ پالیسی کے سبب اناج کا گھر بنے ہوئے تھے، اب حکومت کی بے توجہی کے سبب بنجر اور ویران ہوتے جارہے تھے۔ یسرا موریہ کا جنوب مغربی میدان جو اناج کی ارزانی اور پھلوں کی کثرت وعمدگی کے لئے مشہور تھا چٹیل میدان بن چکا تھا یہ ایک بہت بڑا المیہ تھا کہ وہ ملک جو سخت سیاسی مشکلات میں بھی اپنی دماغی قابلیت اور صنعت وحرفت کی شہرت قائم رکھے ہوئے تھا، ان لوگوں کے ہاتھوں میں جارہا تھا جو حرص وآز، شر وفساد اور سلب ونہب میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔

ایک طرف تو یہ عظیم سلطنت چھوٹی چھوٹی خود مختار ریاستوں میں تقسیم ہوچکی تھی اور دوسری طرف عیسائی حکمران جو نصف صدی سے زیادہ عرصہ کے لئے اختلافات کا شکار رہے تھے فرڈی نینڈ کے علم کے نیچے جمع ہورہے تھے۔ جو لڑائیاں اب شروع ہونے والی تھیں انہیں "صلیبی لڑائیوں" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ لڑائیاں اُس وقت تک جاری رہیں جب تک مغرب میں مسلمانوں کا مکمل استیصال نہیں ہوگیا، مساجد کلیساء میں نہیں بدلی گئیں اور الحمرا ایسی عمارتوں پر صلیب سایہ فگن نہیں ہوگئی۔

اشبیلیہ پر کیا گزری؛ سرقسطہ اور باڈاجوز کا معاملہ کیا ہوا؛ بلنسیہ اور ملاغا کن جانکاہ مصائب سے دوچار ہوئے اور نارمن غنڈوں نے

Marfat.com

"آسمانی بادشاہت" میں مقام حاصل کرنے کے لیے بربسٹرد پر کیا مظالم ڈھائے — یہ ایک ایسی دردناک کہانی ہے کہ سنی نہیں جا سکتی۔ نارمن سپاہیوں نے بربسٹرو پر قبضہ جما لینے کے بعد لوگوں کو جلتے تیل میں ڈال دیا، "کسی کے تلواریں بھونکیں"، کسی کو کلہاڑیوں سے زخمی کیا اور کسی کی کونچیں کاٹیں"۔ جن بے رحمیوں اور خلافِ انسانیت حرکتوں سے بربسٹرو پر قبضہ کیا گیا اس کی مثال مسیحی یورپ کی کسی صلیبی لڑائیوں میں نہیں ملتی"۔

اس افراتفری اور انحطاط کے دور میں مسلمانوں نے الفانسو کو اندلس کی بساط پر شطرنج کی چال سے شہ مات دی۔ الفانسو جیسا مردِ آہن اشبیلیہ پر حملہ آور ہوا۔ معتمد کی فوج فوجی محاسن سے عاری تھی، ان کے آلات زنگ آلود تھے اور شہری آبادی افسردہ و پژمردہ تھی۔ ان کی صفوں میں اتحاد تھا نہ دشمن سے لڑنے کا حوصلہ معتمد نے ابنِ عمار سے کہا کہ الفانسو سے شطرنج کی ایک بازی ہو جائے ممکن ہے جو کچھ ہم نے میدانِ جنگ میں ہارا ہے اُسے ڈرائینگ روم میں بیٹھ کر جیت لیں۔ الفانسو خود شطرنج کا بڑا دلدادہ اور ہوشیار کھلاڑی تھا۔ کھیل شروع ہونے سے پہلے یہ قرار پایا کہ اگر ابنِ عمار ہار جائیں تو بساط الفانسو کو دے دیں اور اگر الفانسو ہار جائیں تو ابنِ عمار جو کچھ ان سے مانگیں وہ ان کو دے دیں۔ الفانسو نے اس شرط کو ماننے سے انکار کر دیا۔ مگر الفانسو کے وہ مصاحب اور مشیر جن کی مٹھی گرم کر دی گئی تھی اور جن کی تواضع بھنے گوشت اور جامِ صافی سے کی گئی تھی آڑے آئے اور انھوں نے اپنی چکنی چپڑی

۱؎ اخبارالاندلس، ج ۲، ص ۱۶۲

باتوں سے بادشاہ کو اس شرط کے قبول کرنے پر آمادہ کر لیا۔ زیادہ دیر نہیں لگی کہ الفانسو بات کھا گیا۔ اب وقت تھا کہ الفانسو اپنی شرط کو پورا کرتا۔ شرط کیا تھی؟ یہ کہ ہار کے عوض فاتح افواج فوراً اندلس کو خالی کر دیں۔ الفانسو اس کڑی شرط کو کب ماننے والا تھا! غصے سے پاگل ہوا جاتا تھا اور معاہدے کے ایفاء سے انکار کر رہا تھا۔ اس کے راشی اعیانِ دولت نے اسے سمجھایا اور وعدہ پورا کرنے کا مشورہ دیا۔ اشبیلیہ کی حکومت نے معاملہ کو ٹالنے کے لئے خراج کی رقم دوگنی ادا کرنے کا وعدہ کیا۔ الفانسو کو معقول بہانہ ہاتھ آگیا اور اس نے اشبیلیہ کو خالی کرنے کا حکم دے دیا۔" غرض یوں ایک عیار وزیر کے فن فریب سے ایک قابل بادشاہ کی تدابیر پہ پانی پھر گیا، ایک قومی مصیبت ٹل گئی اور اس سلطنت کو اپنے حدود بڑھانے کا موقعہ مل گیا جس کی نامردانہ حکومت اور پریشاں حالت کو دیکھ کر ایک قوی دشمن کو حملہ کرنے کی ہمت ہوگئی تھی۔ نہ صرف اشبیلیہ بلکہ غالباً مغربی اندلس کی اور ریاستیں بھی ابن عمار کی اس ادنیٰ تدبیر سے بچ رہیں اور اندلس میں مسلمانوں اور عیسائیوں کی کشمش و کوشش کی میعاد بقدر چار سو برس کے بڑھ گئی۔[۱]

اس قسم کی چالیں ریت کی دیوار کو کب تک سہارا دے سکتی تھیں۔ مستکفی کی نا اہلی اور عیش پسندی، محمدؒ ثالث کی عاقبت نااندیشی اور سہل انگاری نے اموی حکومت کو تباہی و بربادی کے بھیانک غار کے کنارے لا کھڑا کیا۔ اوّل الذکر نے ایک جولاہے کو جس کا نام احمد بن خالد تھا اپنا وزیر بنا رکھا تھا۔ اور سلطنت کے اہم معاملات میں اسی سے

---

[۱] اخبار الاندلس، ج ۲، ص ۱۸۵

Marfat.com

مشورہ کرتا تھا۔ موخر الذکر "بندۂ خواہشات" تھا۔ اس کی زندگی کی تمام دلچسپیوں کا محور "صنف نازک" تھی یا "شکم"۔

اموی خاندان کا آخری تاجدار ہشام بن محمدؒ تھا۔ جسے الوزیر ابو محمد جمہور بن محمدؒ بن جمہور کی تائید حاصل تھی۔ ہشام کو بھی باغی فوج نے دم نہ لینے دیا اور وہ تخت و تاج کو چھوڑ لاردہ چلا گیا جہاں صفر ۴۲۸ھ[1] میں موت نے اُسے آلیا۔

---

[1] مطابق دسمبر ۱۰۳۶ء

Marfat.com

Marfat.com

- اموی خلافت کے زوال پر خود مختار حکومتوں کا قیام۔
- الفانسو ششم اور سڈ کی چیرہ دستیاں۔
- معتمد اور الفانسو کی باہمی آویزش۔
- یوسف بن تاشفین (مرابطین) کو اندلس آنے کی دعوت۔
- زلاقہ کی لڑائی اور عیسائیوں کی شکستِ فاش۔
- یوسف کی واپسی کے بعد عیسائیوں کا گٹھ جوڑ۔
- سڈ کا مسلمان آبادیوں کو ہراساں کرنا اور شہروں میں آتش زنی۔
- یوسف کا اندلس میں دوبارہ داخلہ۔ مسلمانوں کی خود مختار سلطنتوں کا خاتمہ۔
- سڈ کی شکست اور یوسف کا طلیطلہ کے علاوہ تمام اندلس کو زیرِ نگین لانا۔
- یوسف بن تاشفین کی وفات کے بعد تاشفین (ابنِ علی بن یوسف) کی جرأت و بسالت۔
- تاشفین کا عبدالمومن کے ہاتھوں شکست کھانا۔

Marfat.com

باب ۱۶

یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اُموی خاندان کی شان و شوکت اور عظمت و سطوت ہشام کے کفن میں دفن ہو گئی اور اندلس کی مرفہ حالی، وحدت فکری اور صدیوں کی تہذیب ان کے ساتھ ہی رخصت ہو گئی۔ اس عظیم سلطنت کے کھنڈرات پر جو حکومتیں قائم ہوئیں ان کے نام درج ذیل ہیں:۔

اشبیلیہ پر محمد ابنِ عباد اور ان کی اولاد قابض ہوئی۔

باڈاجوز (بطلیوس) پر محمد بن عبداللہ المعروف بہ افطس برسر اقتدار آیا۔

بلنسیہ میں منصور المغامری نے حکومت قائم کی۔

دانیہ پر الموفق (العامری) نے قبضہ جمایا۔

سرقسطہ کی قسمت سلیمان بن ہود سے وابستہ ہوئی۔

طرطوشہ کی حکومت پر لبیب العامری متمکن ہوا۔

طلیطلہ پر پہلے ابنِ یعیش قابض ہوئے اور پھر اسمٰعیل بن ذوالنون۔

غرناطہ پر حیوس الصنہاجی نے حکومت شروع کی۔

مرسیہ بنو طاہر کے حصے میں آیا اور

Marfat.com

مالقہ کی عنانِ حکومت بنو حمود نے سنبھالی۔

مسلمانوں کے درمیان اتحاد و اتفاق کے فقدان نے الفانسو ششم اور سِڈ ایسے عیسائی لیٹروں کو جرأت دلائی کہ وہ مسلمانوں سے جتنا اور جب چاہیں خراج وصول کریں، بھاری رقومات کی عدم ادائیگی کی صورت میں ان کے شہروں کو تاخت و تاراج کریں اور خود کو دینِ مسیح اور دین اسلام دونوں کا محافظ قرار دیں[1] اول الذکر قشتالیہ کا حکمران تھا۔ اپنی ابتدائی کامیابیوں سے حوصلہ پاکر اس نے جلیقیہ، نبرہ اور لیون کو بھی اپنی سلطنت میں شامل کرلیا۔ موخرالذکر ان گنت افسانوی، کہانیوں اور گیتوں کا ہیرو ہے۔ سِڈ کو درحقیقت دو حیثیتیں حاصل ہیں۔ ایک افسانوی اور دوسری تاریخی۔ افسانوں کا سِڈ شجاعت اور ہمت کا مظہر ہے، سخاوت اور رحمدلی کا مجسمہ ہے۔ عیسائی مذہب کا محافظ ہے اور اندلس کی حکومت کی بازیافت کا باعث ہے۔ لیکن تاریخ کا سِڈ سفاک ہے اور ظالم، وعدہ خلاف ہے اور دروغ باف، حریص ہے اور خسیس۔ وہ اخلاقی قدروں سے بیگانہ ہے اور مذہب سے متنفر۔ لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ کلیساء

---

[1] الفانسو نے "حامیٔ دینِ عیسوی و اسلام" کا لقب تو اختیار کرلیا لیکن مسلمانوں کو رسوا کرنے کے لئے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ حسام الدولہ جب آستانہ بوسی کے لئے اس کے دربار میں حاضر ہوئے تو الفانسو ایک بندریا سے کھیل رہا تھا۔ حسام الدولہ نے قیمتی تحائف بادشاہ کے حضور میں پیش کئے اور معمولی گفتگو کے بعد واپسی کی اجازت چاہی۔ الفانسو نے تحائف کے لئے شکریہ ادا کیا۔ اور کہا! میں تمہیں خالی ہاتھ واپس لوٹانا نہیں چاہتا۔ یہ بندریا لیتے جاؤ۔ یہ ہماری دوستی کی نشانی ہے۔ حسام الدولہ نے بندریا کا تحفہ قبول کرلیا اور اُسے ان مٹ دوستی کی نشانی سمجھا۔

Marfat.com

اس کی عادات و اطوار پر نفرت کا اظہار کرنے کی بجائے اُسے اپنا حامی و ناصر سمجھتا ہے۔ سِڈ میں کتنی قوّتِ شر پنہاں تھی، اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایک دنیا اس کی ایذا رسانیوں سے بچنے کیلئے اسے ہر سال ۲½ لاکھ روپیہ اُدا کرتی تھی۔

اس زمانے میں اشبیلیہ پر معتمد ابنِ عباد حکومت کر رہا تھا، بلنسیہ پر قادر؛ سر قسطہ پر مستعین اور طلیطلہ پر یحییٰ القادر ذو النونی۔ بلنسیہ اور سر قسطہ کو سِڈ نے تباہ و برباد کر دیا اور طلیطلہ کو الفانسو ششم نے اقتصادی طور پر اپاہج کر دیا۔ اور اس کے مضافات کو لوٹ لیا۔ اپنے خالی خزانوں کو بھرنے کے لئے الفانسو نے "استحصال بالجبر سے کام لیا اور اسے نہایت مفید نسخہ پایا"[۱]۔ اب معتمد کی باری آئی۔ معتمد شروع سے ہی عیش پسند تھا۔ شراب اس کی گھٹی میں پڑی تھی۔ شعر و شاعری سے اُسے شغف تھا۔ خوش ادا اور بذلہ سنج عورتوں سے اُسے رغبت تھی۔

الفانسو نے ایک سفارت ابن کلیب[۲] کی سرکردگی میں خراج وصول کرنے کی غرض سے معتمد کے پاس بھیجی۔ ابوبکر بن زیدون نے جو وزیر اسمٰی تھا خراج کی تمام رقم بلا چون و چرا پیش کر دی۔ پڑتال پر معلوم ہوا کہ ادا شدہ رقم میں کچھ کھوٹے سکے بھی ہیں۔ ابنِ کلیب نے کھوٹے سکے واپس لوٹاتے ہوئے ابنِ زیدون سے کہا۔ میں ایسا بے وقوف نہیں ہوں کہ جعلی سکے قبول کر لوں۔ امسال تو خراج کی رقم خالص سونے کے سکوں (Doubloons) کی صورت میں وصول کروں گا اور آئندہ سال تمہارے شہروں

---

۱ اخبار الاندلس، ج ۲، ص ۱۸۸

۲ ابنِ کلیب نسلاً یہودی تھا۔ اس زمانے میں سفارتی کام عموماً یہودیوں سے ہی لئے جاتے تھے۔

Marfat.com

کی چابیاں لوں گا۔ یہ خبر جب معتمد تک پہنچی تو وہ غصے سے بھنّا اُٹھا اور حکم دیا کہ ابنِ کلیب کو سولی پر چڑھا دیا جائے اور سفارت کے باقی ممبروں کو قید میں ڈال دیا جائے۔ چنانچہ تعمیل ارشاد میں ابنِ کلیب کو موت کے گھاٹ اُتار دیا گیا اور باقی افراد کو کال کوٹھڑی میں پھینک دیا گیا۔ الفانسو کو جب معاملے کا علم ہوا تو اس نے سفارت کے مقید اراکین کو رہا کرانے کے لئے معتمد سے درخواست کی۔ اس کے عوض الفانسو نے المدور کا شہر اُسے واپس کر دینے کی پیش کش کی۔ سفارت کے ممبر تو رہا کر دیئے گئے لیکن الفانسو نے یہ تہیّہ کر لیا کہ وہ معتمد کو اس کی گستاخیوں کا مزہ چکھائے گا اور اس کی سلطنت کو غارت کر دیگا۔

معتمد آنے والے خطرات سے پوری طرح آگاہ تھا۔ اُسے اپنی کمزوریوں کا اعتراف تھا اور الفانسو کی افرادی قوت اور سامان حرب کی برتری کا احساس۔ لیکن وہ اب الفانسو کا باج گزار اور حلقہ بگوش بن کر نہیں رہنا چاہتا تھا۔ وہ قلم کو چھوڑ تلوار ہاتھ میں لینا چاہتا تھا۔ اور آزادی و حریت کی ایسی مثال قائم کرنا چاہتا تھا جسے آنے والی نسلیں قدر کی نگاہ سے دیکھیں۔

معتمد نے اپنے ماضی پر یک طائرانہ نگاہ ڈالی۔ اس کا ماضی لہو و لعب اور عیش و نشاط سے عبارت تھا۔ اُسے وہ وقت یاد آیا جب وہ ابنِ عمار کے ساتھ مَرج الفِضّہ (چاندنی چوک) کی سیر کو جایا کرتا اور چاندنی راتوں میں خوش اندام عورتوں کے ساتھ پہروں کھڑا رہتا۔ اُسے وہ لمحے بھی یاد آئے۔ جب اس نے رمیکیہ کے رخساروں پر گرنے آنسوؤں کو تھامنے کے لئے دربارِ شاہی کے خادموں کو حکم

Marfat.com

دیا تھا کہ وہ محلِ شاہی کے صحن میں مشک و عنبر اور کافور و شکر کے ڈھیر لگا دیں اور انہیں عرقِ گلاب سے نرم کریں تاکہ رُمیکیہؒ اپنی سہیلیوں کے ساتھ (دیہاتی عورتوں کی طرح) اپنے پاؤں سے مٹی گوندھ سکے۔ اُسے ولاّدہ کی شیریں کلامی اور بذلہ سنجی بھی یاد آئی جس پر الفاظ کا بوجھ تھا نہ دلیل و حجّت کا بار۔ اَمندہ کے ساتھ صحبتیں بھی اس کی آنکھوں کے سامنے سے گزریں۔ ان میں کتنی گرمجوشی اور رچاؤ تھا۔ مرغلبطہ گنّے کی پوری کی طرح اس کے سامنے کھڑی تھی۔ وہ اس لچکیلی شاخ کی مانند تھی جسے موسمِ بہار میں چھوٹے سے انار لگے ہوں۔ وہ ان ساعات کو نہ بھول سکا۔

کغصنٍ فیہِ رُمّانٌ صغارٌ

جب ابنِ عمّار شلب کا گورنر بن کر گیا تھا تو اس نے اس کی جدائی کی تاب نہ لاتے ہوئے اُسے ایک خوبصورت نظم لکھی تھی جس کا مفہوم کچھ اس طرح سے ہے!

اے ابوبکر! جب تم شلب پہنچو تو ان حسین مقامات کو جن سے تم اچھی طرح مانوس ہو میرا سلام کہنا۔ اور ان سے پوچھنا کہ میں بھی انہیں کبھی یاد آتا ہوں؟

ہائے! کیسی کیسی راتیں جوان و خوش اندام و نازک کمر حسینوں کے پہلو میں گزاری تھیں۔ ان کی میٹھی میٹھی نگاہیں کس طرح میرے دل کے پار ہوتی تھیں، معلوم ہوتا تھا کہ نگاہیں نہیں بلکہ تلواریں اور برچھیاں ہیں۔ ذرا اس پری چہرہ مطربہ کا تصور تو کرو جس کے گلے کا ہار ہلالِ عید کی مانند تھا۔ وہ کئی طریقوں سے دل میں آگ روشن کرتی تھی، کبھی

Marfat.com

اپنی شرمیلی نگاہوں سے، کبھی جرعۂ ناب سے اور کبھی اپنے یاقوتی لبوں کے شیریں بوسوں سے۔

معتمد کا ماضی بڑا حسین تھا مگر اس کی یادیں اس سے بھی زیادہ حسین تھیں۔ لیکن، حال؟ بڑا سنگین تھا اور اس بات کا متقاضی تھا کہ وہ آبرومندانہ موت اور تخت کی زندگی کے درمیان انتخاب کرے معتمد نے فیصلہ کر لیا کہ وہ ذلت و رسوائی کی زندگی پر موت کو ترجیح دے گا اور اسلام کے ناموس کے لئے کٹ مرے گا۔

معتمد نے اپنے لڑکے رشید سے یوسف بن تاشفین کی مدد حاصل کرنے کے بارے میں مشورہ کیا۔ رشید نے اسے آنے والے بھیانک دور کی تصویر کھینچ کر دکھائی جب یوسف اندلس کو اپنے پاؤں تلے روند ڈالے گا اور معتمد کی حیثیت اس وقت ایک غلام کی ہوگی معتمد نے رشید کو یہ بات ذہن نشین کرانے کی کوشش کی کہ یوسف کے برسرِ اقتدار آنے پر ممکن ہے اسے اپنے بچپن کی یادوں کی سرزمین کو خیرباد کہنا پڑے اور اپنی املاک اور جاگیروں سے ہاتھ دھونا پڑے۔ لیکن الفانسو سے شکست کے بعد مسلمانوں کا جو حشر ہونے والا ہے وہ اس سے نہ دیکھا جائے گا۔ اس نے کہا! "اگر خداوند تعالیٰ کو یہی منظور ہے کہ میں سلطنت سے محروم کر کے کسی غیر ملکی کا غلام بنایا جاؤں تو مجھے افریقہ میں شتربان بننا منظور ہے مگر قشتالہ کے سؤر چرانے منظور نہیں"۔[1]

---

[1] اخبار الاندلس، ج ۲، ص ۲۰۶؛ عبرت نامہ اندلس، ڈوزی، ج ۲، ص ۴۶۴
عرب اسپین میں، کانڈے، ج ۲، ص ۲۵۰۔

Marfat.com

اشبیلیہ، قرطبہ، غرناطہ اور دوسرے اہم شہروں کے ارباب علم اور اصحابِ رائے پر مشتمل ایک سفارت یوسف بن تاشفین کے پاس مراکش بھیجی گئی۔ یوسف کو مسلمانوں کے ضعف اور کمزوری سے آگاہ کیا گیا اور الفانسو ششم کے ناپاک ارادوں اور توسیع پسندانہ عزائم سے مطلع کیا گیا۔ یوسف نے سفارت کے ممبروں کے ساتھ عزت وتکریم کا سلوک کیا اور الفانسو کے خلاف مسلمانوں کی بھرپور مدد کا یقین دلایا۔

یوسف بن تاشفین سات ہزار سواروں کے ساتھ بحیرہ روم کو عبور کرکے جزیرہ خضراء میں فروکش ہوئے۔ معتمد نے انہیں بیش قیمت تحائف پیش کئے اور آڑے وقت میں اعانت کے لئے ان کا شکریہ ادا کیا۔ معتمد نے انہیں کچھ دنوں کے لئے آرام کرنے اور تھکان دور کرنے کا مشورہ دیا تاکہ وہ تازہ دم ہوکر غنیم کا مقابلہ کرسکیں۔ یوسف نے آرام کرنے کو خلافِ مصلحت سمجھا اور معتمد سے کہا: میں تو کفار سے جہاد کرنے آیا ہوں۔ جہاں کہیں دشمن ہوگا، وہیں جاؤں گا۔

الفانسو ششم ان دنوں حصن اللیط کا محاصرہ کئے ہوئے تھا جونہی اُسے پتہ چلا کہ مرابطین (نقاب پوش) کثیر تعداد میں سمندر عبور کرکے اندلس میں داخل ہوگئے ہیں۔ اس نے فوراً محاصرہ اُٹھا لیا اور قسطالیہ کو لوٹ گیا تاکہ مقابلہ کے لئے تازہ دم فوج اکٹھی کرسکے۔ جیساکہ ہمیشہ ہوا ہے۔ اس مرتبہ بھی عیسائی ریاستوں نے اپنی افواج اور مادی ذرائع سے الفانسو کی پوری مدد کی تاکہ مسلمانوں کو سرزمینِ اندلس سے نکالا جاسکے اور عیسائی سلطنت کے قیام کا خواب پورا کیا جاسکے۔ کچھ روز کے بعد الفانسو تمام ساز وسامان اور جھاڑ جھنکار کے ساتھ زلاقہ کیطرف

Marfat.com

بڑھا جہاں دونوں فوجیں ۱۲ رمضان المبارک ۴۸۰ھ کو (مطابق ۲۲ر اکتوبر ۱۰۸۶ء) ایک دوسرے کے مقابل صف آرا ہوئیں۔

یوسف نے الفانسو کے نام ایک خط تحریر کیا اور اُسے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ بصورتِ دیگر مبارزت کے لئے تیار رہنے کو کہا۔[1] خط پڑھتے ہی الفانسو کی جبینِ ناز پر کئی بل پڑ گئے۔ اس نے کاتب کو طلب کیا۔ اور لکھوایا: میں تمہاری اس معزدرانہ تحریر کی خدا پروا نہیں کرتا۔ میرے پاس ایسے نڈر اور جری سپاہی ہیں جن کی مدد سے میں شیطانوں، فرشتوں اور بھوتوں سے لڑ سکتا ہوں اور ان کے غرور کو خاک میں ملا سکتا ہوں۔ اس نے مزید کہا۔ جنگ کے دوران اپنے آپ کو چھپانے کی کوشش نہ کرنا۔ اگر ایسا ہوا تو میں تم سے نمٹ لوں گا۔[2]

الفانسو نے مسلمانوں کو یہ کہہ کر دھوکا دینا چاہا کہ لڑائی جمعہ کی بجائے سوموار سے شروع کیجائے۔ اس لئے کہ جمعہ کا روز مسلمانوں کے لئے مقدس ہے اور ہفتہ و اتوار کے دن یہودیوں اور عیسائیوں کے لئے متبرک۔ یوسف نے تو خود اعتمادی میں اس تجویز کو قبول کر لیا مگر معتمد جانتا تھا کہ الفانسو انہیں دھوکہ دینے کی کوشش کر رہا ہے۔ چنانچہ اگلے روز جب یوسف اپنی سپاہ کے ساتھ نماز جمعہ ادا کرنے میں مصروف تھے، الفانسو نے ایک ٹڈی دل لشکر کے ساتھ ان پہ اچانک حملہ کر دیا۔ معتمد کفار کی کثیر اور آلاتِ حرب و ضرب سے لیس فوج کو دیکھ کر حیران

---

[1] عبرت نامہ اندلس، ڈوذی، ج ۲، ص ۴۶۸ - ۴۶۷؛ اخبار الاندلس، ج ۲، ص ۲۰۸

[2] عرب اسپین میں، کانڈے، ج ۲، ص ۲۷۰؛ مسلمانانِ اندلس، وارثی، ص ۱۳۴

رہ گیا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ جو قدم اسلام کی سرفروشانہ حمایت کے لئے اُٹھ چکا ہے اب پیچھے نہیں ہٹ سکتا۔ افرادی قوت کی کمزوری، مہارت کی کمی اور جنگی سامان کی کمتری کے باوجود اس نے غنیم کا چیلنج قبول کر لیا اور میدانِ جنگ میں شجاعت و شہامت کے وہ جوہر دکھائے کہ دشمن کو پسینے کے دینے پڑ گئے۔ معتمد کا جسم زخموں سے چور ہو چکا تھا، کئی گھوڑے زخموں کی تاب نہ لا کر اس کے نیچے دم توڑ چکے تھے اور دشمن کے پے در پے حملوں سے اس کا آہنی لباس تار تار ہو چکا تھا لیکن اس کی ہمت نہ ختم ہونے والی تھی اور اس کے ارادے غیر متزلزل تھے[1]

یوسف کی افواج نے نماز ختم کی تو دیکھا کہ حق و باطل ایک دوسرے سے برسرِ پیکار ہیں۔ معتمد کی فوج پوری قوت سے مدافعت کر رہی ہے اور عیسائی افواج کا راستہ روکے ہوئے ہے۔ یوسف نے کمال ہوشیاری سے دشمن کی فوج کے عقب پر ایسا حملہ کیا کہ ان کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ جان کے خوف سے بھاگ نکلے۔ شام سے قبل میدانِ کارزار دشمن کی لاشوں سے پٹا پڑا تھا اور ان کے خون پر لالہ زار بن گیا تھا۔ مسلمانوں نے اس لڑائی میں جس عزم و استقلال کا ثبوت دیا ہے اُسے عیسائی مورخین نے بہت سراہا ہے۔ مسٹر اسکاٹ لکھتے ہیں:۔

---

[1] جنگ زلاقہ میں معتمد نے اپنے لڑکے ابو ہاشم کو جو بیماری کے سبب شریکِ جنگ نہ ہو سکا تھا کچھ اشعار لکھ کر بھیجے تھے جن کا خلاصہ یہ ہے۔

"اے ابو ہاشم دشمن کی شمشیرِ آبدار نے میری ہڈیاں توڑ دی ہیں۔ اس لڑائی میں میرا تکیہ صرف اللہ تعالےٰ کی ذات پر ہے (زلاقہ) کے معرکے میں تیری یاد آئی۔ اور مجھے بھاگ نکلنے سے روک لیا۔"

Marfat.com

"بادشاہِ اشبیلیہ (معتمد) اور ان کی فوج کی حالت اگرچہ نہایت خطرناک تھی مگر انہوں نے بے حد استقلال دکھایا اور باوجود عیسائیوں کے سخت حملہ کے وہ نہایت مستقل مزاجی سے لڑتے رہے ..... گھسان کی لڑائی میں وہ اس طرح میدان میں جمے رہے کہ گویا موت سے کھیل رہے ہیں۔ شوقِ شہادت سے سرشار ہیں ان کے دو زخم آئے، تین گھوڑے ان کی رانوں کے نیچے مرے اور زرہ بکتر کے ٹکڑے اُڑ گئے۔ ان کی تلوار سے دشمنوں کا خون ٹپک رہا تھا۔ مقتولین کی لاشوں کا ڈھیر جو ان کے سامنے تھا وہ ان کی قوت و طاقت اور جوہرِ تیغ زنی کی بیّن شہادت تھا۔"[1]

عیسائی جب میدانِ جنگ میں پہنچے تھے تو وہ مسلمانوں سے زیادہ قوی اور مضبوط نظر آتے تھے۔ ان کے ہتھیار بھاری اور صیقل شدہ تھے۔ امراءِ فرانس جو پادریوں کی ترغیب پر اس لڑائی میں شریک ہوئے سرتا پا غرقِ آہن تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ آسمانی تائید ان کے شاملِ حال ہے لیکن وہ تمام مادی تفوق اور انسانی وسائل کی برتری کے باوجود شکست کھا گئے۔ عیسائی افواج کی بے بسی اور لاچاری کا نقشہ مسٹر اسکاٹ نے یوں کھینچا ہے۔

"عیسائی اس وقت بالکل بے خبری میں نرغہ میں آ گئے۔ چھوٹے میدان میں گھرے ہوئے تھے، ہر طرف سے تیر و نشتر کے ہدف بنے ہوئے تھے ..... کچھ ان کے گھوڑوں نے

---

[1] اخبار الاندلس، ج ۲، ص ۲۰۹

ان کو نقصان پہنچایا۔ رہی سہی صفیں اونٹوں نے الٹ دیں ..... یوسف کی فوج نہایت شدت سے لڑ رہی تھی نتیجہ یہ ہوا کہ قسمت کا پانسہ پلٹ گیا۔ عیسائی آخر کب تک تذبذب کی حالت میں رہتے۔ دیکھتے ہی دیکھتے ان کے قدم اکھڑ گئے۔ وہ سر پہ پاؤں رکھ کر آگے کو بھاگے اور پیچھے سے ان کا قتلِ عام شروع ہو گیا"[1]

ایک محتاط اندازے کے مطابق بیس ہزار سے زیادہ عیسائی مارے گئے۔ مسلمانوں نے زلاقہ[2] کی جنگ جیت لی مگر الفانسو ششم جو ایک سپاہی کے خنجر سے زخمی ہو گیا تھا "نیم جان" ہیکر بھاگا۔ اگر اُسے قتل کر دیا جاتا تو زلاقہ میں مسلمانوں کی کامیابی پائیدار اور دائمی ثابت ہوتی۔ الفانسو کی شکست سے عیسائیوں کا اندلس کو شکار کرنے کا خواب جلدی پورا نہ ہو سکا اور مسلمانوں میں باہمی خانہ جنگی کے جو مہلک جراثیم پل رہے تھے کچھ وقت کے لیے دب گئے۔ اس میں شک نہیں کہ معتمد نے زلاقہ کے میدان میں غیر معمولی شجاعت و فراست کا ثبوت دیا اور ان کی افواج نے جذبۂ جہاد سے سرشار ہو کر غنیم کا مقابلہ کیا لیکن اگر یوسف اور ان کی بربری افواج ان کے شانہ بشانہ نہ لڑتیں تو شاید اس کے نتائج مختلف ہوتے۔

زلاقہ کے میدان میں الفانسو کو شرمناک شکست دینے کے بعد

---

[1] اخبار الاندلس ج ۲، ص ۲۱۳، عرب اسپین میں، کانڈے، ج ۲، ص ۲۷۵۔

[2] زلاقہ (SACRALIAS) باڈاجوز سے کوئی دس میل کے فاصلے پر دریائے گوڈی ریانا کے کنارے ایک وسیع میدان ہے۔

Marfat.com

یوسف اپنے جواں سال لڑکے کی نوئید گی بن کر سبتہ روانہ ہو گئے۔ وہ معتمد کے پاس تین ہزار کڑیل جوان اس لئے چھوڑ گئے کہ وہ عیسائیوں کی پیش قدمی کو روک سکے اور ملحقہ علاقوں کو فتح کر سکے۔ یوسف نے وہ تمام مالِ غنیمت جو اس لڑائی میں ان کے ہاتھ لگا اندلسی سپاہیوں کے درمیان تقسیم کر دیا۔ انہیں مال ومنال کا طمع تھا نہ اندلس کو زیرِ اقتدار لانے کی ہوس۔ انہوں نے عیسائیوں کی چیرہ دستیوں کے پیشِ نظر مسلمانوں کی مدد کی تھی اور زلاقہ کی کامیابی کے بعد وہ فوراً اپنے وطن واپس لوٹ گئے تھے۔ عیسائی مورخین کا یہ الزام کہ وہ "درویشی کے پردہ میں سیاسی بلند نظری کو چھپائے ہوئے تھے"[۱] یا اندلس کی باقاعدہ فتح کے بعد "بہروپ چھوڑ کر اصلی روپ" دکھانا چاہتے تھے، محض ان کے بغض وعناد کا اظہار ہے۔ حقیقت کو اس سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ یہ واقعہ ہے کہ عیسائی تنقید نگاروں نے عظیم مسلمان شخصیتوں کو جانچنے کے لئے جو پیمانے استعمال کئے ہیں وہ ان پیمانوں سے بالکل مختلف ہیں جن سے وہ اپنے "محسنوں" اور "کرم فرماؤں" کا اندازہ کرتے ہیں۔

یوسف بن تاشفین والا دودمان ہونے کے علاوہ پاکیزہ اخلاق اور ستودہ صفات تھے۔ ان کی صورت جتنی دلکش تھی ان کی سیرت اتنی ہی پاکیزہ تھی۔ وہ زہد و ورع، تقویٰ و پرہیزگاری اور شجاعت و شہامت میں دوسروں سے بڑھے ہوئے تھے۔ زیرک اور محتاط اتنے کہ لوگ ان کی فراست سے ڈرتے تھے۔ شارع علیہ السلام کی ذاتِ والا صفات سے انہیں انتہا محبت تھی اور انہی کے اُسوۂ حسنہ کو وہ تمام عمر اپنائے رہے۔ ابنِ ابی عامر

---

[۱] اخبار الاندلس، ج ۲، ص ۲۰۳، ۲۲۵

کے بعد اگر کسی شخص نے عیسائیوں کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کیا ہے تو وہ یوسف تھے۔ اگر اندلس کے حکمران اپنے اختلافات کو ختم کر کے آنے والے خطرات کے مقابلے کے لیے متحد و متفق ہو جاتے تو یوسف اپنی افواج کے ساتھ نہ صرف عیسائیوں کی پیش قدمی ہی روک دیتے بلکہ انہیں مسلمانوں کی سیادت و برتری تسلیم کرنے پر بھی مجبور کر دیتے۔

یوسف کو اندلس سے گئے زیادہ عرصہ نہیں گذرا تھا کہ عیسائیوں نے مسلمانوں کے درمیان اختلافات سے فائدہ اُٹھا کر مسلمان آبادیوں کو لوٹنا شروع کر دیا۔ ایلیڈو (ALEDO) کا قلعہ بدمعاشوں اور اوباشوں کا ایسا مرکز تھا جہاں سے وہ لوگ دن دہاڑے قرب و جوار کے علاقے میں چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں پھیل جاتے اور لوگوں کے مال پر خوب ہاتھ صاف کرتے۔ بعض اوقات وہ پورے گاؤں یا قصبے کو گھیرے میں لے لیتے۔ اور اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دیتے۔

شاطبہ اور طرطوشہ کے علاقوں کو سِڈ نے تہ و بالا کر ڈالا۔ اریولہ اور برشلونہ کی وادیوں کو ویرانہ بنا دیا اور بلنسیہ ایسے خوبصورت شہر کو خاکستر کر دیا۔ قدرت کی فیاضی اور انسانی دستِ صنعت نے جو نقش و نگار بنائے تھے انہیں ملیامیٹ کر دیا گیا۔ بڑے بڑے شہروں کو جن کا حسن اور بانکپن مثالی تھا اور جہاں تا حدِ نظر بلند و بالا عمارات، پارکوں اور نزہت گاہوں کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا پیوندِ زمین کر دیا گیا۔ لوگوں نے دشمن کی غارت گریوں سے بچنے کے لئے ایکبار پھر یوسف کو آواز دی۔

منذر، مستعین اور قادر کے درمیان عداوت و نفرت کا جو لاوا اُبل رہا تھا اس کے پیشِ نظر ان میں سے ہر ایک دوسرے کے خلاف سڈ کی

Marfat.com

حمایت اور اعانت حاصل کرنے کے لیے تگ و دو کر رہا تھا۔ وہ سنڈ کی رضاجوئی کے لیے اُسے گراں قدر تحفے پیش کرتے جن کا بوجھ غریب عوام پر ٹیکسوں کی صورت میں پڑتا۔ عوام ان ٹیکسوں کے بھاری بوجھ تلے کراہ رہے تھے مگر نوابین اور حکمران ٹولا دادِ عیش دے رہا تھا۔ اسی طرح معتمد اور ابنِ رشیق، آپس میں برسرِ پیکار تھے۔ ذاتی اقتدار اور سستی شہرت کے لئے یہ لوگ ایک دوسرے سے ایسے وقت میں لڑ جھگڑ رہے تھے جب دشمن نے اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کر کے انہیں نیست و نابود کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا تھا۔

یوسف کا خیال تھا کہ اندلس کے قائدین مکار اور عیار دشمن کے مقابلہ میں ایک سیسہ پلائی دیوار کی طرح متحد ہو جائیں گے لیکن افسوس کہ شخصی دلچسپیوں پہ قومی مصالح کو قربان کر دیا گیا۔ ظاہر ہے کہ ان حالات میں یوسف ایک خاموش تماشائی کا کردار ادا کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔ سیرابنِ ابی بکر جسے یوسف نے مراکش سے اس لئے روانہ کیا تھا کہ مسلمانوں کے مفادات کا تحفظ کرے اور شر و فساد کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکے، سرپیٹ کر رہ گیا جب اس نے دیکھا کہ شاہان قرطبہ اور غرناطہ، بلنسیہ اور مرسیہ تو ایک دوسرے کو نیچا دکھانے میں مصروف ہیں اور دشمن انہیں مطیع و منقاد بنانے کی تدبیریں کر رہا ہے۔ معتمد کی مرسیہ کو دوبارہ حاصل کرنے میں ناکامی اس بات کی غمازی کرتی ہے کہ اشبیلیہ کے لوگ عزم و ہمت سے عاری تھے اور ان کے افسروں کی وفاداریاں مشتبہ تھیں۔ سیرابنِ ابی بکر نے یوسف کو تمام حالات سے مطلع کیا اور مشورہ طلب کیا کہ وہ آئندہ کیا کرے۔ یوسف نے لکھا: "تم ان سب کو

Marfat.com

حکم دو کہ وہ تمہارے ساتھ اس جہاد میں شریک ہوں ورنہ تم یکے بعد دیگرے ان کے شہروں پہ قبضہ کر لو۔ خیال رہے کہ سب سے پہلے ان ملکوں پر ہاتھ ڈالنا جو عیسائیوں کی سرحدات کے قریب ہیں۔"

فقہائے امت نے "یوسف کے آئیندہ اعمال و افعال کو اپنے ذمہ لیا اور صاف طور پہ یہ فتویٰ دے دیا کہ موجودہ مبتذل اور بدنام کنندہ بادشاہوں کو تخت سے اتار دینا اور ان کے مال و اموال پر قبضہ کر لینا نہ صرف جائز ہے بلکہ فرض ہے۔[1]

سب سے پہلے غرناطہ کی باری آئی۔ یہاں کا حکمران عبداللہ اپنے وقت کا بہترین شاعر اور خوشنویس تھا۔ عرب کے بلند پایہ شعراء کا کلام سے یاد تھا۔ اس نے اپنے خاص اوقات میں قرآن مجید اپنے ہاتھوں سے لکھا تھا جو خطاطی کا بہترین نمونہ ہے۔ لیکن وہ بڑا بزدل اور پیٹ کا ہلکا تھا۔ عبداللہ کو فوراً حراست میں لے لیا گیا اور رعایا کو عام معافی دے دی گئی۔ مرابطین نے ان تمام ٹیکسوں کو معاف کرنے کا اعلان کیا جو عوام کے لئے ناقابلِ برداشت تھے۔ صرف خمس رہنے دیا گیا جو از روئے شریعت جائز تھا۔ فاتحین کو گراں قیمت جواہرات، بیش قیمت موتی، زیورات، مطلاّ زنجیریں اور دیگر سامان ہاتھ لگا۔ شاہانِ غرناطہ نے عیش و عشرت اور لہو و لعب کا یہ سامان جس میں مزدور کا گاڑھا پسینہ شامل تھا اپنے آرام و آرائش کے لئے اکٹھا کیا تھا۔ غرناطیہ بہر حال مرفہ حال تھا۔ اور اس کی زمین سونا اگلنے والی تھی۔ اب مرسیہ اور المریہ کے علاقے فتح ہوئے۔ معتمد، صاحبِ اشبیلیہ کو ۱۰۹۵ء میں ملکہ اعتماد اور

---

[1] اخبار الاندلس، ج ۲، ص

دوسرے بچوں سمیت قید کر کے افریقہ منتقل کر دیا گیا۔ معتمد نے دیارِ غیر میں ہی وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے[1]

مسلمانوں کی نظریں اب بلنسیہ پر جمی ہوئی تھیں جس کے خرمن امن کو سڈ نے کئی بار برباد کیا تھا۔ گذشتہ مرتبہ تو اس نے حد کر دی۔ فصیل شہر کے قریب، اس طرح کہ لوگ دیکھ سکیں، کئی جگہوں پہ آگ جلادی اور لوگوں کو پکڑ پکڑ کر اس میں جھونکنا شروع کیا۔ مغلوب الغضب ہو کر اس نے بوڑھوں کو معاف کیا نہ عورتوں اور بچوں کو۔ جو ہاتھ آیا اسے آگ میں پھینک دیا۔ یہ منظر کئی دنوں تک لوگوں کو دکھایا گیا تاکہ وہ موت کے خوف سے شہر کی چابیاں سڈ کے حوالے کر دیں۔ بلنسیہ کے شہری جب قساوتِ قلبی کے ان مناظر کو دیکھتے دیکھتے تھک گئے تو انھوں نے سڈ سے صلح کی درخواست کی جو قبول کر لی گئی۔ لیکن جون ۱۰۹۴ء کو بلنسیہ کی حکومت اور سڈ کے درمیان طے پانے والے معاہدے کی سیاہی ابھی خشک بھی نہ ہونے پائی تھی کہ عیسائی لیڈروں نے کلیسا کی شہ پر مسلمانوں کو قتل کرنا، ان کی عورتوں کو ستانا اور ان کے گھروں میں بلاوجہ داخل ہو کر ان کے قیمتی اثاثوں کو لوٹنا شروع کر دیا۔ ابن جحاف کے لیے تو بدترین موت کی تجویز کی گئی[2] اسے ایک لمبے چوڑے گڑھے میں، جس میں نوکیلے کانٹے ڈلوا دیئے گئے تھے، کھڑا کر دیا گیا اور گڑھے کو اس کے کاندھوں تک مٹی سے بھروا دیا گیا۔ جلاد کو حکم ہوا کہ وہ گڑھے کے اوپر خشک لکڑیاں چن کر انہیں آگ لگا د

---

[1] عرب اسپین میں، کانڈے، جلد ۲، ص ۳۰۵

[2] عرب اسپین میں، کانڈے، ج ۲ ص ۳۱۹ - ۳۱۸

Marfat.com

ابنِ جحّاف کی لاش جب پٹاخے مارنے لگی تو عیسائی غنڈوں نے رقص کرنا اور سیٹیاں بجانا شروع کر دیا۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ اس کے دوسرے ساتھیوں کے کباب لگائے۔

مظلوم انسانوں کی چیخ و پکار اور معصوم بچوں کے نالہ و شیون نے خدائے واحد و قہار کو انتقام لینے پر مجبور کر دیا۔ داؤد ابنِ عائشہ نے جو یوسف کی فوج کا ایک جری اور بہادر جرنیل تھا سڈ[1] کو شاطبہ کے قریب شکستِ فاش دی۔" اس شکست سے سڈ کا دل بیٹھ گیا۔ وہ شخص کہ اتنے عرصے تک عیسائیوں کا گویا معبود رہا تھا، جس شخص کے نام سے مسلمان کانپتے تھے، جس کے دروازے پر بادشاہوں نے جبہ سائی کی وہ شرمناک شکست کا غم نہ اُٹھا سکا اور مر کر ہی اُٹھا۔[2] یہ تھا انجام اس باغی انسان کا جسے جاہل دنیا نے مافوق الفطرت قوتوں کا مالک سمجھ رکھا تھا۔ اور جس کی تلوار[3] اور گھوڑے[4] کے متعلق اہلِ قستالیہ نے کئی قصے گھڑ رکھے تھے۔

---

[1] سڈ کا پورا نام (RODRIGO DIAZ de BEVAR) تھا۔ وہ قستالہ کے ایک باوقار خاندان کا چشم و چراغ تھا۔ وہ ایک عرصے تک مسلمان بادشاہ سرقسطہ کے جھنڈے تلے لڑتا رہا۔ ۱۰۹۴ء میں بلنسیہ کا مالک بن بیٹھا۔ ۱۰۹۹ء میں اس نے مسلمانوں کے ہاتھوں ایسی شکست کھائی کہ وہ مر کر ہی اُٹھا۔ اس کے مرنے کے بعد اس کی بیوہ نے بلنسیہ کو بچانے کی ناکام کوشش کی لیکن مسلمانوں نے اُسے ۱۱۰۲ء میں فتح کر لیا۔ جب مسلمان داخل ہوئے، تو شہر خاکستر ہو چکا تھا اور وہاں زندگی کا کوئی نشان باقی نہ تھا (انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، ج ۴، ص ۲۰۴۔ وتعلیقات، اخبار الاندلس ج ۲، باب ہفدہم)

[2] اخبار الاندلس، ج ۲، ص ۲۴۷

[3] تلوار کا نام TIRONA تھا۔ [4] گھوڑا BABICA کے نام سے مشہور تھا۔

Marfat.com

سڈ کی شکست کے بعد بلنسیہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا لیکن یہ وہ بلنسیہ نہ تھا جس کی مٹی گوہر بار تھی، جس کی ہوائیں مشکبار تھیں اور جس کے مکین جفاکش، ہشاش بشاش اور بذلہ سنج تھے۔ بلکہ یہ وہ بلنسیہ تھا جسے نہ صرف سڈ اور اس کے ساتھیوں نے ہی اپنی حرص طمع و آز کو پورا کرنے کے لئے بار بار لوٹا تھا بلکہ ان کے بعد سڈ کی بیوہ شیمنا نے بھی اسے نذرِ آتش کر دیا تھا اور جب پورا شہر جل کر خاک سیاہ ہوگیا تھا تو وہ وہاں سے چل دی تھی۔

یوسف بن تاشفین نے طلیطلہ کے شہر اور سرقسطہ کی ریاست کے علاوہ تمام اسلامی اندلس کو دوبارہ حاصل کر لیا۔ ان کی سلطنت شمالی افریقہ میں تیونس سے لیکر بحرِ اطلانتک تک پھیلی ہوئی تھی۔ انھوں نے جب اپنی جان جاں آفریں کے سپرد کی تو خزانۂ عامرہ سونے اور چاندی سے بھرا ہوا تھا۔ لوگ آسودہ حال تھے۔ اور ملک میں اشیاء صرف اتنی سستی تھیں کہ عام آدمی پر سکون زندگی گزار سکتا تھا۔

یوسف پوری ایک صدی زندہ رہے۔ ان کی زندگی پاکیزہ تھی، ان کے مشاغل متقیانہ تھے اور ان کی سیاسی بصیرت مسلمہ تھی۔ موسیٰ بن نصیر کے بعد افریقہ کے بربروں کو اگر کوئی فعال اور موثر قیادت نصیب ہوئی تو وہ یوسف بن تاشفین کی تھی۔ انہوں نے بربروں کی تمام قوتوں اور توانائیوں کو مثبت کاموں میں لگایا اور ایک ایسی عظیم سلطنت کی بنیاد ڈالی جو رقبہ میں بنوامیہ اور بنوعباس کی سلطنت کے مجموعی رقبے کے برابر تھی۔ اس میں شک نہیں کہ وہ علم و ادب کے شناسا تھے نہ شعر و فلسفہ کے شیدائی۔ وہ تلوار کے دھنی تھے اور تمام عمر تلوار سے ہی تاریخ کے

Marfat.com

اہم فیصلے رقم کرتے رہے۔

یوسف کے بعد ان کا لڑکا علی بن یوسف ۱۱۰۶ء میں تخت نشین ہوا۔ حزم و احتیاط اور جرأت و بسالت میں وہ اپنے باپ کی مانند تھا۔ اس نے اپنے بھائی تمیم کی مدد سے سرقسطہ کو اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ سرقسطہ کی فتح اس کے عہد کا ایک عظیم کارنامہ ہے۔ دونوں بھائیوں نے مل کر الفانسو سے طاقت آزمانا چاہی جو زلاقہ کی لڑائی میں بچ نکلا تھا۔ مسلمانوں نے یوکلس کے قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ محصورین نے جنہیں مسلمانوں پر مادی تفوق حاصل تھا محاصرہ توڑنے کی پوری کوشش کی لیکن بے سود۔ قشتالہ کی فوج کثرتِ تعداد، آلات حرب کی برتری اور درخشندہ قیادت کے باوجود مسلمانوں کے حملے کی تاب نہ لا سکی اور ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گئی۔ اسی لڑائی میں الفانسو کا چہیتا بیٹا سنیکو مارا گیا۔ بیٹے کی موت اور یوکلس کے مقام پر مسلمانوں کے ہاتھوں شکست نے الفانسو کو ایسا چرکہ لگایا کہ وہ جانبر نہ ہو سکا۔ تمیم کی شمشیرِ بے نیام نے دور و نزدیک تمام عیسائی علاقوں پر ایک قیامت برپا کر دی۔ وہ جہاں کہیں بھی گئے فتح و نصرت نے ان کے قدم چومے۔ طلبیرہ، وادی الحجارہ اور دوسرے نواحی علاقوں نے مرابطین کی اطاعت قبول کر لی۔ سیر بن ابوبکر نے نہ صرف اندلس کے وسیع میدانوں ہی کو روند ڈالا بلکہ وہ پرتگال میں بھی داخل ہو گئے اور لزبن اور میڈرڈ پر اسلامی علم نصب کر دیا۔

علی جب افریقہ میں محمد المہدی کی بغاوت کو فرد کرنے میں مصروف تھے، تمیم نے اندلس میں وفات پائی۔ تمیم کی بے وقت موت سے نہ صرف علی ہی کی پریشانیوں میں اضافہ ہوا بلکہ اسلامی اندلس کو بھی ناقابلِ

Marfat.com

تلافی نقصان پہنچا۔ علی نے اپنے جواں سال لڑکے تاشفین کو اندلسی مقبوضات پر حکمران مقرر کیا اور اُسے عیسائی حکمرانوں سے موثر طریق سے نمٹنے کی تلقین کی۔

تاشفین (ابن علی بن یوسف بن تاشفین) اپنی نوعمری کے باوجود دل و دماغ کی اعلیٰ صلاحیتوں کا مالک نظر آتا ہے۔ اس نے نئی ذمہ داریاں سنبھالتے ہی فراغہ کے قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ یہ ان معدودے چند قلعوں میں سے ایک ہے جسے عیسائی ناقابلِ تسخیر سمجھتے تھے۔ فراغہ کا قلعہ ایک بلند پہاڑ کی چوٹی پر واقع تھا اور اس تک پہنچنا دل گردے کا کام تھا۔ الفانسو جو امیر سیف الدولہ کے کئی ایک قلعوں پر قبضہ جمانے کے بعد جنوب کی طرف بڑھتا چلا آ رہا تھا، فراغہ کے قریب پہنچ گیا۔ دونوں فوجیں ایک دوسرے کے سامنے صف آرا ہوئیں۔ پنجہ آزمائی کا خیال دونوں کے دل میں چٹکیاں لے رہا تھا۔ اتفاق کی بات ہے کہ امیر افریقہ نے جو سامانِ رسد اونٹوں پہ لاد کر مسلمان افواج کے استعمال کے لیے روانہ کیا تھا۔ وہ یہاں ٹھیک وقت پہ پہنچ گیا۔ عیسائیوں نے یہ سمجھتے ہوئے کہ اونٹوں کے ساتھ محافظ فوج کی کمی ہے ان پر حملہ کر دیا فراغہ کی جغرافیائی حیثیت ایسی تھی کہ مسلمانوں نے جب جوابی حملہ کیا تو الفانسو اور اس کے ساتھی گھیرے میں آ گئے۔ بربروں نے محصور فوج پر اس کثرت سے تیر برسائے کہ دھوپ ماند پڑ گئی اور عیسائی فوج کے پرخچے اُڑ گئے یہ حالت ایسی تھی کہ نہ کامیابی کے ساتھ مدافعت ہو سکتی تھی، نہ اطمینان کے ساتھ پسپائی۔ ہزاروں غضبناک سپاہیوں کی صورتیں دیکھ کر عیسائیوں میں عجب گھبراہٹ پیدا ہو گئی۔ اہالیٔ ارغون کی فوج سے

Marfat.com

مسلمانوں کی فوج کہیں زیادہ تھی، سب رہ رہ کر ان کو پیسے ڈالتے تھے ..... نتیجہ یہ ہوا کہ ایک ہی گھنٹہ کے اندر عیسائیوں کو مسلمانوں کی لاتعداد فوج نے پیس کر رکھ دیا۔ ارغون کے سب سے بہادر نواب اور شجاعانِ فرانس و انگلستان کے گل سر سبد یکے بعد دیگرے قتل ہو گئے۔ انہی کے ساتھ کلیسا کے بڑے سے بڑے عہدے دار بھی اسی گھاٹ اتر گئے۔"[1]

الفانسو کا حشر کیا ہوا؟ راڈرک کی طرح اس کا انجام بھی معلوم نہیں ہو سکا۔ بہرحال فراغہ کی لڑائی میں الفانسو اپنے ہزاروں سپاہیوں سمیت کھیت رہا۔ الفانسو تو چل بسا لیکن عیسائیوں کی خوش قسمتی کہ انہیں الفانسو ہفتم والیٔ ارغون کی شخصیت میں ایک اور موثر لیڈر مل گیا جس کی قیادت میں عیسائیوں نے صلیبی جنگوں کو جاری رکھا جو آخر الحمرا کی دیوار کے نیچے ختم ہوئیں۔

جس زمانے میں عیسائیوں کو الفانسو اور فرڈی نینڈ ایسے مخلص، شجاع اور مدبر قائدین کی رہنمائی حاصل تھی اور ان کے جوشِ دینی کو نئے راستے پر ڈالا گیا تھا، مسلمان باہمی جھگڑوں میں ایسے الجھے ہوئے تھے کہ انہیں نہ فکر فردا تھا نہ غمِ دوش۔ باہمی حسد و عناد اور خانگی فتنہ و فساد نے ان کی صفوں میں انتشار کی کیفیت پیدا کر رکھی تھی اور ان کے قواءِ ذہنی کو مفلوج کر دیا تھا۔ وہ دشمن سے نمٹ سکتے تھے اگر اپنوں سے ملاطفت اور نرمی سے پیش آتے۔ لیکن معاملہ اس کے برعکس تھا۔

تاشفین جب عیسائیوں کے خلاف نبرد آزما تھے، عبدالمومن نے افریقہ میں علی بن یوسف بن تاشفین کو واپس افریقہ بلا لیا۔ تاشفین کا

---

[1] اخبار الاندلس، ج ۲، ص ۲۸۳ - ۲۸۲۔

Marfat.com

واپس لوٹنا تھا کہ عیسائیوں نے اسلامی اندلس پر حملے شروع کر دیے۔ باپ بیٹے کی مجموعی کوششیں بھی عبدالمومن کا کچھ نہ بگاڑ سکیں۔ اجل علی کے سر پر کھیل رہی تھی۔ وہ جلد ہی تاشفین کو ایک عیب دار ناؤ اور ایک شکستہ پتوار ورثہ میں دیکر ۱۱۴۳ء میں دوسری دنیا کو سدھارے۔

نکبت و بدحالی تاشفین کا مقدر بن چکی تھی۔ تلمسان کے میدان میں جو گھمسان کا رن پڑا اس میں تاشفین عبدالمومن کے ہاتھوں شکست کھا گئے اور ایک گڑھے میں گر کر جان دے دی۔ تاشفین کے ساتھ ہی المرابطین کی حکومت اپنے انجام کو پہنچی۔ اس خاندان کا آخری بادشاہ اسحٰق بن تاشفین تھا جس نے ۱۱۴۷ء میں وفات پائی۔ مرابطین[1] کا حیرت انگیز عروج اور پھر فوری زوال ثابت کرتا ہے کہ مسلمانوں کی سوسائٹی کا مرکز ثقل صحیح نہیں رہا تھا۔

---

[1] مرابطین کو الملثمین بھی کہتے ہیں۔ اس خاندان نے کوئی اسی برس حکومت کی ہے۔ اس خاندان کے کل پانچ بادشاہ برسر اقتدار آئے۔ جن کے نام یہ ہیں:۔ تاشفین؛ امیرالمسلمین یوسف جو ۴۶۲ھ میں تخت نشین ہوئے اور ۵۰۰ھ میں وفات پائی؛ امیرالمسلمین علی جو ۵۰۰ھ میں تخت نشین ہوئے اور ۵۳۵ھ میں انتقال کیا؛ تاشفین جو ۵۳۵ھ میں تخت نشین ہوئے اور ۵۳۹ھ میں راہئ ملک عدم ہوئے؛ پانچویں اور آخری تاجدار اسحٰق تھے جو ۵۳۹ھ میں تخت نشین ہوئے اور ۵۴۲ھ میں اللہ میاں کو پیارے ہوئے۔

اس خاندان کے دوسرے بادشاہ یوسف بن تاشفین ان یکتائے زمانہ لوگوں میں سے ایک تھے جنہیں حضرت امام غزالیؒ ملنے کے لئے گھر سے نکلے تھے۔ مصر پہنچے تو معلوم ہوا کہ یوسف اس دنیا سے چل بسے ہیں۔ چنانچہ امام غزالیؒ بوجھل دل کے ساتھ مصر سے واپس لوٹ آئے۔

Marfat.com

Marfat.com

- موحدین کا عروج اور اندلس کی بازیابی۔
- ابو عمر اور موسیٰ کی فتوحات، عبدالمومن کی سیرت اور علم و ادب کی ترقی۔
- عبدالمومن کے بعد ابو یعقوب یوسف کی تخت نشینی اور اس کی عسکری کامیابیوں کے ساتھ علم و ادب میں ترقی۔
- ابو یعقوب یوسف کی بے وقت موت پر یعقوب کی جانشینی اور عیسائیوں کے خلاف لشکر کشی۔
- قستالہ اور ارغون کی فتح، عیسائی حکمرانوں کا اتحاد اور الارگوس کے میدان میں دشمن کی پسپائی۔
- یعقوب (المنصور باللہ) کی اصلاحات نظم و نسق اور علم و ادب کی اشاعت۔
- محمد بن یعقوب کی تخت نشینی اور حالات کی ناسازگاری۔ طولوشہ میں اسکی شکست اور مسلمانوں کی جلاوطنی۔

Marfat.com

باب ۱۷

مرابطین کی اقبالمندی کا سورج ڈھل رہا تھا جب مواحدین نے عبدالمومن کی سرکردگی میں افریقیہ کے بڑے بڑے شہروں کو روند ڈالا۔ فیض نے مقابلہ کا سوچا ہی تھا کہ عبدالمومن کی افواج نے دریا پہ بند لگا کہ اس کا رُخ شہر کی طرف موڑ دیا۔ دریا کی بپھری ہوئی موجیں شہر پناہ کی دیواروں کے ساتھ ٹکراتی رہیں اور چند ہی روز کے اندر اندر فصیل شہر سجدے میں گر پڑی۔ اغمات اور مکناسہ نے بغیر لڑائی کے ہتھیار ڈالدیے۔ مراکش جسے اپنے قلعوں کی مضبوطی اور اپنی افواج کی جرات وہمت پر ناز تھا زیادہ دیر تک غنیم کے عزم صمیم کا مقابلہ نہ کر سکا۔ مواحدین نے قلعے کی دیواروں کے نیچے مستقل چھاؤنی ڈالدی۔ اور محصورین کیلئے باہر سے آنے والی رسد کا سلسلہ منقطع کر دیا۔ محاصرہ نے جب طول پکڑا تو اجناسِ خوردنی کی نایابی کے سبب قحط پڑ گیا۔ ہر روز سینکڑوں انسان موت کا شکار ہونے لگے۔ جسم وروح کا رشتہ قائم رکھنے کے لئے طاقتور لوگ کمزور انسانوں پر ہاتھ صاف کرتے۔ موت کس قدر بھیانک تھی! لوگوں نے جب متاعِ حیات کو یوں لٹتے دیکھا تو انھوں نے ایک صبح قلعے کا دروازہ کھول دیا۔ مواحدین کی فوج شہر میں داخل ہوگئی اور اپنے نیزے بھالے اُن زرد رو انسانوں کے

Marfat.com

سینوں میں پیوست کر دیے جن کا شکار قحط کی دیوی نے ابھی تک التوا میں ڈال رکھا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ تقریباً ستر ہزار انسان موت کے گھاٹ اُتر گئے۔ وہ شہر جس کی منصوبہ بندی اور تزئین و آرائش پر سالہا سال خرچ ہوئے تھے آنِ واحد میں مرگھٹ میں تبدیل ہو گیا۔ فاتح افواج نے عورتوں کی آہ و بکا اور بچوں کی چیخ و پکار کا کوئی نوٹس نہ لیا۔ رہائشی مکانوں کی تباہی ایک طرف، مسجدوں کو بھی مسمار کر دیا گیا جنہیں مرابطین کے قدموں نے چھوا تھا اور جہاں ان کے سجدوں کے نشان باقی تھے۔

افریقہ کے شمالی حصوں کو فتح کر لینے کے بعد[1] موحدین نے اندلس کو اپنی سلطنت میں شامل کرنے کی کوشش کا آغاز کیا۔ ابو عمرو موسیٰ کی نگرانی میں ایک عظیم لشکر اندلس روانہ ہوا۔ یہ لشکر جہاں کہیں پہنچا، فتح و نصرت نے اس کے قدم چومے۔ الجزیرہ نے اسباب و مالِ تجارت سے بھری ہوئی گودیوں کے ساتھ؛ طریفہ نے اپنے عظیم قلعوں اور دیدہ زیب عمارتوں کے ساتھ اور شریس نے اپنے باغات اور فصلوں کے ساتھ جن کا جوبن پھٹا پڑتا تھا موحدین کے لشکریوں کا استقبال کیا۔ چند سالوں کے اندر باڈاجوز، اشبیلیہ اور ملاغہ کے باسیوں نے نئے تاجداروں کی سیادت قبول کر لی۔ ابو سعید نے اپنی شجاعت اور دلیری سے غرناطہ پر موحدین کا پرچم لہرایا۔ عبدالمومن خود افریقہ کو چھوڑ کر اندلس نہیں آ سکتے تھے اس لئے کہ افریقہ کا سیاسی مطلع ہمیشہ مکدر رہتا تھا۔ انہیں یہ ڈر تھا کہ اگر افریقہ کو چھوڑ کر اندلس میں کچھ عرصہ قیام کیا گیا تو افریقہ ہاتھ سے نکل جائے گا۔ بایں ہمہ موحدین کے قابل جرنیلوں

---

[1] الجریا ۱۱۵۲ء میں فتح ہوا، تونس ۱۱۵۸ء میں اور ٹریپولی ۱۱۶۰ء میں۔ ہسٹری آف دی عرب، ہٹی، ص ۵۴۸

Marfat.com

نے اندلس کے جنوبی حصوں پر قبضہ جما لیا اور ان علاقوں میں نظم و ضبط قائم کرنے کے بعد انہیں ترقی کی شاہراہ پر ڈالا۔

عبدالمومن اگرچہ بڑھاپے کی منزلوں میں داخل ہو چکا تھا۔ تاہم ابھی تک ان کے قویٰ مضبوط اور ان کے جنگ جویانہ عزائم بلند تھے۔ وہ عیسائیوں کے خلاف ایک فیصلہ کن لڑائی کی تیاریوں میں مصروف تھے کہ موت کا پیغام آ پہنچا۔ اس طرح وہ مہم جس کے لئے اُنھوں نے پانچ لاکھ تجربہ کار اور جوشِ جہاد سے سرشار سپاہی اکٹھے کئے تھے ادھوری رہ گئی۔

عبدالمومن کی کامیابی میں ابو عبداللہ (المہدی) کا، جو اس خاندان کے بانی تھے، بڑا ہاتھ ہے۔ وہ اپنے وقت کے بہت بڑے فاتح، مدبّر اور مقرر تھے۔ ان کے وجود میں انسانی عظمتیں اور رذائل ملے جلے نظر آتے ہیں۔ وہ لوگوں کی جہالت اور توہم پرستی سے فائدہ اُٹھا کر ایسا جال پھیلاتے کہ جاہل اور ضعیف الاعتقاد لوگ فوراً اس میں پھنس جاتے۔ جہاں وہ عوام کو اپنی تقریر کی فسوں گری سے پھُسلا لینے کے ڈھب سے آگاہ تھے۔ وہاں وہ نہ ماننے والوں کو زندہ درگور کر دینے کے طریقوں سے بھی واقف تھے۔ اکثر عیسائی مصنفین نے جو مقامِ نبوت اور اس کے احوال و کیفیات سے واقف نہیں ابو عبداللہ (المہدی) کو دور اندیشی، قوتِ فیصلہ اور سرعت ذہنی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم پلہ ٹھہرایا ہے۔ ع

چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک

ابو عبداللہ لوگوں کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھانے کے قائل تھے۔ ان کی عزلت نشینی اور خرقہ پوشی بھی سادہ لوح عوام کو اپنے دام تزویر میں

Marfat.com

پھنسانے کا ایک حربہ تھی عبدالمومن بھی ہمیں ان خصوصیات کے حامل نظر آتے ہیں جو ان کے پیش رو میں بدرجہ اتم موجود تھیں ۔ میدان جنگ میں وہ فولاد کی طرح سخت لیکن امن کے دنوں میں ابریشم کی طرح نرم تھے ۔ وہ علوم و فنون کے مربی اور شعر و فلسفہ کے قدردان تھے ۔ ان تمام بڑے شہروں میں جو فتح ہوئے تھے ، عبدالمومن نے امن و امان قائم کیا لوگوں کو تعلیم یافتہ بنانے اور ان کے تمدنی معیار کو بلند کرنے کے لئے مدارس اور کالج قائم کئے ۔ ان کالجوں میں جو دارالسلطنت کی یونیورسٹی سے منسلک تھے ، قابل ، تجربہ کار اور شہرت یافتہ اساتذہ کا تقرر کیا گیا ۔ نصاب تعلیم میں ملٹری ٹریننگ لازمی تھی تاکہ ہنگامی حالات میں ہر نوجوان فوج کے شانہ بہ شانہ جہاد میں شریک ہو سکے ۔

موحدین نے جہاں علم و فن کے شائقین کو دارالسلطنت میں لا اکٹھا کیا تھا وہاں انھوں نے صناعوں اور مہندسوں کو بھی دعوت فکر دی کہ وہ اپنی قوت اختراع و ایجاد سے مراکش کو ایک جدید اور خوبصورت شہر بنائیں ۔ کہا جاتا ہے کہ ان صناعوں کے موجد دماغوں نے محل شاہی اور مسجدوں میں وہ کاریگری کھلائی تھی کہ جس کو دیکھ کر حیرت ہوتی ۔ دروازے کچھ اس طرح بنائے گئے تھے کہ خود بخود بند ہو جاتے تھے ۔ کسی نامعلوم کل کے ذریعہ سے منبر اور تخت کو آگے پیچھے کیا جا سکتا تھا ۔ فوارے اس طرح بنائے گئے تھے کہ ان کے خزانے نگاہوں سے غائب تھے ۔[1]

عبدالمومن نے اپنے مقبوضات کی حفاظت کے لئے بحری بیڑہ تیار کروایا جو بحیرۂ روم کے سینے پر موحدین کا سفید پرچم اڑاتا پھرتا ۔ اس کے

۱؎ اخبار الاندلس ، ج ۲ ، ص ۳۱۳

Marfat.com

علاوہ کئی ایک بندرگاہوں کو وسیع کیا گیا تاکہ تجارتی جہاز آسانی سے لنگر انداز ہو سکیں اور نقل و حمل میں مدد دے سکیں۔ تینتیس برس تک حکومت کرنے کے بعد، عبدالمومن نے ۱۱۶۳ء میں وفات پائی۔ ان کی جگہ ان کا لڑکا یوسف بن عبدالمومن سربراہِ مملکت ہوا۔

ابو یعقوب یوسف متوازن شخصیت کا مالک تھا۔ سرو قامت، خوب رُو، روشن آنکھیں، ستواں ناک اور گھنگریالے بال جس طرح اس کے اوضاع و اطوار میں دل آویزی اور فیاضی پائی جاتی تھی اسی طرح اس کے مزاج میں پاکیزگی اور نفاست کا عنصر غالب تھا۔[1] یوسف نے اپنے وقت کے بہترین اساتذہ سے تعلیم حاصل کی تھی اور وہ علم و ادب اور شعر و فلسفہ کا ذہین طالب علم تھا۔ کتابوں کا مطالعہ یوسف کو فنون سپہ گری میں مہارت حاصل کرنے سے باز نہ رکھ سکا۔ ساری ٹینیا کے ہر نوجوان کی طرح اسے بھی حرب و ضرب کے فن میں کمال دستگاہ تھی۔ وہ ہمیں تدبیر و فراست اور بالغ نظری کی ان خصوصیات کا بھی حامل نظر آتا ہے جن کا ہونا کسی حکمران کے لئے نہایت ضروری ہے۔

افریقہ میں اپنے مقبوضات کے استحکام کے بعد، یوسف نے اندلس کو دوبارہ حاصل کرنے کی کوشش کی۔ مرسیہ، القنت، شاطبہ، دانیہ اور لورقہ بغیر کسی مزاحمت کے فتح ہو گئے۔ بلنسیہ بھی مواحدین کی سلطنت میں شامل ہوا۔ ابنِ سعد (والئے بلنسیہ) کی وفات کے بعد اس کی اولاد نے یہ سمجھتے ہوئے کہ وہ اپنے مقبوضات کو ارغون کے عیسائیوں کی دست بُرد سے محفوظ نہیں رکھ سکتے یوسف سے ایک معاہدہ کر لیا جس کی رُو سے بلنسیہ کا علاقہ مواحدین کے حوالے کر دیا گیا اور اس کے بدلے

---

[1] عرب اسپین میں، کانڈے، ج ۲، ص ۱۳۱۔

میں شمالی افریقہ میں ایسی جاگیریں حاصل کرلی گئیں جو بھرپور اور مسرور زندگی کی ضامن ہو سکتی تھیں۔[1]

ابو یعقوب یوسف کی شہرت صرف ان فتوحات کی ہی مرہونِ منت نہیں جو اُس نے افریقہ اور اندلس میں حاصل کیں بلکہ "اس جوہرِ دماغی اور فیاضی کی نشانیوں" کا بھی نتیجہ ہے۔ جو خوبصورت بندرگاہوں، عظیم عمارتوں، مضبوط پلوں اور دیدہ زیب مسجدوں کی صورت میں سیاحوں کو نظر آتی ہیں، وادی الکبیر پہ کشتیوں کا پل اس زمانے کا ایک عجوبہ تھا۔ اشبیلیہ کی جامع مسجد جو طول میں ۴۰۴ فٹ اور عرض میں ۲۰۰ فٹ تھی کاریگری کا بہترین نمونہ تھی۔ فرش کی پچی کاری، سنگِ مرمر کی نازک اور باریک جالیاں، زخرفۃ العرب کا کام اگر کہیں دیکھنا ہو تو وہ صرف اس خانۂ خدا ہی میں نظر آتا۔ مسجد کے ایک کونے میں ایک مینار تھا جس کی گلکاری مہندسوں کے ذوقِ حسن اور مہارتِ تامہ کی آئینہ دار تھی۔ اسی مینار کے مقابل میں وہ مشہور مینار تیار کیا گیا تھا جو جیرالڈ (GIRALDA) کے نام سے مشہور ہے۔ اسپین میں یہ پہلا "گھنٹہ گھر" تھا۔

ابو یعقوب یوسف جب اسلامی اندلس کی زندگی کو نکھارنے اور اس کی مانگ بھرنے میں مصروف تھے، افریقہ میں سنہ ۵۷۱ھ میں ایسی وبا پھیلی کہ ہزاروں لوگ لقمہ اجل بن گئے۔ یوسف اندلس کو چھوڑ، افریقہ پہنچے تاکہ علاج معالجہ کی سہولتیں مہیا کی جاسکیں۔ یوسف کی غیر حاضری نے دشمنوں کو پر پرزے نکالنے کا موقع مہیا کر دیا۔ مختلف صوبوں کے گورنروں کے درمیان اختلافات نے مسائل کو مزید سنگین بنا دیا۔ یہ دیکھتے ہوئے

[1] عرب اسپین میں، کانڈے، ج ۳ ۲۷-۲۶۔

Marfat.com

یوسف نے اُس تدبیر پر عمل پیرا ہونے کا پختہ ارادہ کر لیا جو ان کے والد نے سوچی تھی لیکن بے وقت موت نے اسے پورا نہیں ہونے دیا تھا۔

جہاد کا اعلان کر دیا گیا۔ قوم کے پیر و جواں اس کارِ خیر میں حصّہ لینے کے لیے بے تاب تھے۔ قرآنِ مجید کا وہ نادر و نایاب نسخہ جس کی تدوین حضرت عثمان بن عفانؓ کے عہدِ ہمایوں میں ہوئی تھی اور جسے مواحدین قرطبہ سے بچا کر مراکش لے آئے تھے، فوج کا ہراول دستہ اٹھائے ہوئے تھا، اس دستور اساسی ہنسخہ شفا اور "تبیانٌ لِکُلِّ شییٍ" کو آبنوس اور صندل کے ایک ایسے صندوقچے میں رکھا گیا تھا جو مرصع بجواہر تھا اور لعل و زمرّد کی ترصیع کے سبب لکڑی کہیں نظر نہ آتی تھی۔ فوج کیا تھی! ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر تھا جس کے کنارے حدِ نظر تک پھیلے ہوئے تھے۔ فوج کا نظم و ضبط اور اس کا مورال قابلِ تحسین تھا۔ یوسف نے کچھ دیر اشبیلیہ میں قیام کیا۔ اور فوج کی تنظیمِ نو کے بعد سنٹ ایم (SANT-AREM) کی طرف بڑھے جو لزبن سے تقریباً پچاس میل کے فاصلہ پر ہے۔ غنیم کی فوج نے جس پر مسلمانوں کے عزم و ہمت کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی مقابلہ شروع ہی کیا تھا کہ اسے پسپا ہونا پڑا۔ اسلامی افواج نے دشمن کی صفیں اُلٹ کر رکھ دیں اور انہیں اس طرح تہہ تیغ کیا کہ دس ہزار عیسائی چشم زدن میں کھیت رہے۔ مسلمان افواج ابھی شہر میں داخل ہو رہی تھیں کہ یوسف کو دشمن کے ایک تیر نے بُری طرح گھائل کر دیا۔ یوسف طبّی امداد کے باوجود جانبر نہ ہو سکے اور ۵۸۰ھ میں اپنے مالکِ حقیقی سے جا ملے۔ وہ سخی تھے اور باذل؛ زاہد تھے اور عابد؛ صاحبِ علم تھے اور صاحبِ سیف۔ ان کے بعد ان کا لڑکا یعقوب بن یوسف (المنصور باللہ) ۵۸۰ھ میں تخت نشین ہوا۔

Marfat.com

یعقوب کو ابتداء میں کئی ایک مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ اپنوں کی طوطا چشمی اور غیروں کی معاندانہ کوششوں نے انہیں کئی سال تک بے چین رکھا۔ بربروں کی حیلہ جوئی اور بھائیوں کی بغاوت یعقوب کے اعصاب کے لئے ایک بہت بڑی آزمائش تھی۔ یہ محض اتفاق کی بات نہیں کہ وہ اس آزمائش میں کامیاب نکلے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ ہم جو تھے، معاملہ فہم تھے اور عزم راسخ کے مالک تھے۔

انہوں نے سب سے پہلے اس ہزیمت کا بدلہ چکانے کی کوشش کی جو مسلمانوں کو صلیبی سپاہیوں سے اٹھانا پڑی تھی۔ صلیبی سپاہیوں نے پرتگالی حکومت کی شہ پر مسلمانوں کے سرحدی علاقوں پر حملہ کر دیا اور خوف وہراس پھیلا کر لوگوں میں بے یقینی اور عدم تحفظ کا احساس پیدا کر دیا۔ ان آوارہ گرد اور مادر پدر آزاد عیسائیوں نے جو ہمیشہ "صلیبی سپاہیوں" کے نام سے جہاد کرتے رہے ہیں سرحدی علاقوں کو روند ڈالا اور مسلمانوں کی املاک کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا۔

یعقوب (المنصور باللہ) کو جب اس بات کا علم ہوا تو انہوں نے گورنرِ قرطبہ کو حکم دیا کہ وہ عیسائیوں سے مسلمانوں کی بے حرمتی کا بدلہ لے۔ گورنرِ قرطبہ نے ایک منظم لشکر کیسا تھ ان لٹیروں کو جنہیں حکومت پرتگال کی پشت پناہی حاصل تھی ایسی شکست دی کہ وہ سرحدی علاقوں پر دوبارہ جھپٹنے کی جرأت نہ کر سکے۔ دس ہزار سے زیادہ سپاہی قیدی بنائے گئے اور ان کی پندرہ ہزار سے زیادہ عورتیں مسلمانوں کے درمیان تقسیم کر دی گئیں "یہ وہ خوفناک انتقام تھا جو گورنرِ قرطبہ نے عیسائیوں کی بے ایمانی کا لیا۔"

Marfat.com

یعقوب نے عیسائی نوابین کے درمیان موجودہ اختلافات سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے ایک بہت بڑا لشکر اکٹھا کیا اور قستالہ اور ارغون کی سلطنتوں کو تاراج کرنے کا فیصلہ کیا۔ یہ اصل میں وہی فیصلہ تھا جو ان کے جدِ امجد عبدالمومن نے عیسائیوں کی طاقت کو ختم کرنے کے لئے کیا تھا۔ لیکن موت نے انہیں اتنی مہلت نہ دی کہ وہ اسے عملی جامہ پہنا سکتے۔ مسلمانوں کی دوسرے مذہب کے ساتھ رواداری اور اقلیتی فرقوں کے ساتھ فیاضی نے انہیں ایک گونہ سکون تو بخش دیا تھا جو احساسِ مروّت اور انسان دوستی سے جنم لیتا ہے لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ان کا اپنا وجود خطرے میں پڑتا جا رہا تھا۔ پلایو کے زمانے سے لیکر جب عیسائیوں کی ایک مٹھی بھر تعداد صخرہ پلائی کے پہاڑوں میں قلعہ بند ہو گئی تھی۔ الفانسو ہشتم (والئے ارغون) کے زمانے تک کئی خلفاء اور مسلمان والیانِ ریاست نے اپنی قوتِ ایمانی پر بھروسہ کرتے ہوئے کفار کو متعدد بار شکست دی تھی اور ان کی طاقت کو اس طرح جھنجھوڑا تھا کہ اگر ان پر بے جا نوازشات اور بے پایاں عنایات کو روا نہ رکھا گیا ہوتا تو اندلس کے سٹیج پردے پر الفانسو نموادار ہوتے نہ فرڈی نینڈ اور نہ ہی ملکہ ازابیلا۔ لیکن مسلمانوں کی فراخ حوصلگی، عالی ظرفی اور غیر مذاہب سے تعرض نہ کرنے کی پالیسی نے اغیار کو ہمیشہ نئے حوصلوں اور ولولوں سے ہمکنار کیا اور انہیں جب کبھی موقع ہاتھ آیا، وہ مسلمانوں پر وار کرنے سے نہیں چوکے۔

الفانسو نے انتہائی مایوسی کے عالم میں مختلف عیسائی سلطنتوں سے عیسائیت اور حقوقِ ہمسائیگی کے نام پر اعانت طلب کی۔ اکثر نے

Marfat.com

تو خاموشی سادھ لی مگر جو لوگ مدد بھیجنے پہ آمادہ بھی ہوئے اُنھوں نے گنتی کے سپاہی بھیج کر حقوق دوستی کو پورا کرنے کی کوشش کی۔ الفانسو نے الارکوس کے قلعے میں رہ کر دشمن کا مقابلہ کرنا چاہا۔ مسلمانوں نے جس انداز سے اپنی فوج کی تنظیم کی اس سے ان کی انتظامی صلاحیت اور جنگی قابلیت کا پتہ چلتا ہے۔ میمنہ پہ اندلسی تھے، میسرہ پہ موّاحدین اور قلب میں سلطنت کی وہ تجربہ کار سپاہ تھی جس کے قدموں کو فتح و نصرت، فیروز مندیوں اور کامگاریوں نے کئی بار چوما تھا۔

قشتالہ کے سپاہیوں نے جو خود فریبی میں مبتلا تھے، مسلمانوں پر انتہائی بے احتیاطی سے حملہ کر دیا لیکن انہیں منہ کی کھانا پڑی۔ دوسری مرتبہ انھوں نے مسلمانوں کے قلب پہ زور ڈالا مگر اس لوہے کی دیوار کے مقابلہ میں انہیں واپس لوٹنا پڑا۔ الفانسو بددل نہیں ہوا۔ اس نے اپنی ولولہ انگیز تقریر سے اپنے سپاہیوں کا خون گرمایا اور انہیں ایک بار پھر مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کی دعوت دی۔ اس مرتبہ ان کا حملہ اتنا شدید تھا کہ اگر ماری ٹینیا کے تیرانداز احساس ذمہ داری، پابکدستی اور مستعدی سے کام نہ لیتے تو ہزیمت و شکست مسلمانوں کا مقدر بن چکی ہوتی۔

صنعانی بھی اپنی رجمنٹ کے ساتھ موقعہ کی تلاش میں کھڑا تھا اور سلطان یعقوب جو پہلے ہی سے ایک کمین گاہ میں چھپے بیٹھے تھے، ماری ٹینیا کے تیراندازوں کے چتون دیکھ کر دشمن کے قلب پہ اس طرح حملہ آور ہوئے کہ قشتالہ کی فوج ان کے دھاوے کو نہ سنبھال سکی اور ان کے پاؤں اکھڑ گئے۔ مصیبت یہ تھی کہ الفانسو کی فوج نئے بھاری بھرکم آلات سے مسلح تھی کہ سپاہیوں سے بھاگا بھی نہ گیا۔ ان کے

Marfat.com

اوسان گھمسان کی لڑائی اور مسلمانوں کا جوشِ دینی دیکھ کر غائب ہو گئے تھے۔ مسلمانوں نے ان لوگوں کے علاوہ جو میدانِ جنگ میں کام آئے یا شدید زخمی ہوئے۔ کسی کا تعاقب نہیں کیا۔ تمام قیدیوں کو زرِ فدیہ لئے بغیر چھوڑ دیا گیا "لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ" کی یہ عملی شرح تھی جو مسلمانوں نے شارح علیہ السلام کی اتباع میں پیش کی۔ کانڈے کا خیال ہے کہ مسلمان الارکوس کی لڑائی میں قابلِ تحسین بہادری کے ساتھ لڑے۔ دونوں افواج کے درمیان وہ گھمسان کا رن پڑا کہ گھوڑوں کی ٹاپوں سے اٹھنے والی گرد نے سورج کی روشنی کو مدھم بنا دیا۔ مسلمانوں کی فتح مند افواج اس پہاڑی پر چڑھ دوڑیں جہاں الفانسو نے اپنا خیمہ نصب کر رکھا تھا۔ الفانسو جب جان کے خوف سے بھاگا تو اس کے ہاتھ میں سوائے گھوڑے کی لگام کے اور کچھ نہ تھا[۱]۔ پرانے زمانے کے مورخین کے کھلے کھلے مبالغے کی وجہ سے عیسائیوں کے نقصانات کا تخمینی اندازہ نہیں لگایا جا سکتا لیکن ظاہر ہے کہ بہت ہی سخت نقصان ہوا ہوگا[۲]۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق تین لاکھ فوج میں سے گنتی کے آدمی بچ سکے الارکوس کی شکست کے بعد قشتالہ کی فوج کا دیوالیہ پٹ گیا۔ گرد و نواح کے علاقوں نے مسلمانوں کی اطاعت قبول کر لی اور ان کا باج گزار بننا منظور کر لیا۔ مسلمان جب تُوار میں داخل ہوئے تو وہاں کے لوگوں نے بغیر کسی مزاحمت کے ہتھیار ڈال دیئے۔ لیون اور ارغون کی شوریدہ سر آبادی بھی مسلمانوں کے دامن سے آلگی۔

---

[۱] عرب اسپین میں، کانڈے، ج ۳، ص ۵۰ - ۵۳ -

[۲] اخبار الاندلس، ج ۲، ص ۳۲۸ -

المنصور باللہ نے کئی ایک قلعوں کو فتح کر لینے کے بعد شمال کی عیسائی حکومتوں کے خلاف منتقمانہ کاروائی کرنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ یہ وہ وقت تھا کہ سلطان اگر چاہتے تو عیسائیوں کی جمعیت کو پریشان کرنا اور ان کی طاقت کو تباہ کرنا قطعاً مشکل نہ تھا۔ ایس۔پی۔ اسکاٹ کا خیال ہے کہ الارکوس کی شکست کے بعد عیسائی افواج کا شیرازہ بکھر چکا تھا اور نظم و ضبط نام کو نہ تھا۔ اگر کوئی لشکر کشی استقلال اور تندہی کے ساتھ کی جاتی تو اندلس کی عیسائی ریاستوں کو مطیع و منقاد بنانا بہت آسان تھا۔ باوجود اس بات کے کہ دشمن ہر وقت اس خیال سے لرزاں رہتا تھا کہ مسلمانوں کی وہ فوج پہنچا ہی چاہتی ہے جس نے عیسائیوں کے آزمودہ کار اور سامان حرب سے لیس فوج کو غارت کر دیا تھا، مسلمانوں نے نئے علاقوں کو زیر نگین لانے اور عیسائیوں کو ان کی مخاصمانہ کاروائیوں سے روکنے کے لئے کوئی موثر قدم نہیں اٹھایا۔ الارکوس کی فتح جزیرہ نمائے اندلس میں مسلمانوں کی آخری کامیابی تھی۔ المنصور باللہ کی وفات کیساتھ ہی جو ۵۹۵ھ مطابق ۱۱۹۹ء میں واقع ہوئی، مواحدین کی عظیم سلطنت کا چراغ ٹمٹمانے لگا۔

یعقوب (المنصور باللہ) کی عظمت و شہرت ایک طرف تو ان فتوحات کا نتیجہ تھی جو انھوں نے اندلس اور افریقہ میں حاصل کی تھیں اور دوسری طرف اُن کی فیاضی، بالغ نظری اور مآل اندیشی کی مرہون منت تھی جس کے سبب اسلامی اندلس کی معاشی، معاشرتی اور تہذیبی زندگی میں خوشگواری، طمانیت اور اپج دکھائی دیتی ہے۔ انہوں نے تخت نشین ہوتے ہی وہ تمام ٹیکس معاف کر دیئے جو کاشتکار کیلئے

Marfat.com

ناقابلِ برداشت تھے۔ اُسے بڑے زمینداروں کی زیادتیوں اور جبرِ دستیوں سے حفاظت کا یقین دلایا گیا۔ محکمہ عدل و انصاف کی تنظیم نو کی گئی اور قانون کی بالادستی قائم ہوئی۔ رعایا کے مذہبی جذبات کا احترام کیا گیا اور انہیں اپنے عقائد کے مطابق مذہبی رسومات ادا کرنے کی آزادی دی گئی۔ یہودیوں کو ان کی صلاحیت اور استعداد کے مطابق کام مہیا کیا گیا۔ ڈوزی کو اس بات کا اعتراف ہے کہ مسلمانوں کے زیرِ اقتدار غیر مسلموں کی حالت طمانیت بخش تھی۔ عیسائی عربوں کے شکر گزار ہیں کہ اُنہوں نے کبھی دوسروں کے مذہبی معاملات میں بے جا مداخلت نہیں کی وہ مسلمانوں کی رواداری اور ان کے عدل و انصاف کی تعریف کرتے اور ان کی حکومت کو جرمنوں اور فرنگیوں کی حکومت پر ترجیح دیتے۔

تعلیم کو عام کرنے کی کوشش کی گئی۔ نادار اور غریب طلبہ کیلئے اقامتی سہولتیں مہیا کی گئیں تاکہ وہ علم سے بہرہ مند ہو سکیں اور اپنی شخصیت کی مقدور بھر تکمیل کر سکیں۔ فنونِ لطیفہ کی طرف بھی توجہ دی گئی۔ اشبیلیہ کی جامع مسجد اور جیرالڈا کا مینار جن کی تعمیر پہ ۲۵ سال خرچ ہوئے اور بہت سی جنگوں کا مالِ غنیمت صرف ہوا، فنِ تعمیر کی تاریخ میں ایک حسین باب کا اضافہ کرتے ہیں۔ جیرالڈا کے مینار پر نقش ونگار کی عمدگی، منبت کاری اور پچی کاری کے کام کا اچھوتا پن اس عہد کے کاریگروں کے ذوقِ جمال اور کمالِ صنعت پر شاہد ہیں۔

یعقوب (المنصور باللہ) اپنے عہد کے پاکیزہ خصلت، نیک طینت اور پاک سرشت بادشاہوں میں سے تھے۔ جن سلاطین کو اصابتِ

Marfat.com

رائے، شجاعت و شہامت اور نیکی سے نوازا گیا ہے، یعقوب کو ان کے درمیان بلند مقام حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی خطاؤں کو معاف فرمائے اور انہیں جنت الفردوس میں جگہ دے[1]

یعقوب (المنصور باللہ) کے بعد محمد بن یعقوب ۱۱۹۹ء میں تخت نشین ہوئے۔ وہ جواں سال، نیک نہاد اور ہر دلعزیز تھے۔ عقل و دانش اور عزم و ہمت میں وہ کسی طرح اپنے باپ سے کم نہ تھے۔ لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ وقت ان کا ساتھ دینے کو تیار نہ تھا۔ الفانسو جس نے المنصور باللہ سے مہلت حاصل کر لی تھی، اپنی کھوئی ہوئی عظمت کو حاصل کرنے کے لئے اپنی پریشاں حال اور شکست خوردہ افواج کو منظم کر رہا تھا؛ کوہستان فیض کے بسنے والے باغی ہو چکے تھے اور جزیرہ بلیارک کے دہقان مرابطین کی حمایت میں اُٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ الہدشی، مرابطین کے ایک گورنر نے مواحدین کا مقابلہ کرنے کے لئے المہدیہ کا انتخاب کیا۔ اگر سلطان محمد بالغ نظری اور جرأت سے کام نہ لیتے تو المہدیہ ان کے ہاتھ سے نکل گیا ہوتا۔ اس لڑائی میں ایسی کلیں اور آلات استعمال کئے گئے جن کی نظیر گذشتہ لڑائیوں کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ ان کلوں کے موجد، بقول ایس پی۔ اسکاٹ، اندلس اور صقلیہ کے وہ سائنس دان تھے جو محمد بن یعقوب کی فوج میں شامل تھے۔ المہدیہ کی فتح کے بعد سلطان نے نہ صرف الہدشی کو معاف کر دیا بلکہ اُسے اپنے مراحم خسروانہ سے فوج میں ایک اعلیٰ عہدہ بھی پیش کیا۔

ابتدائے حکومت کی کامگاریوں کے باوجود محمد بن یعقوب کا مقدر

---

[1] عرب اسپین میں، کانڈے، ج ۳، ص ۵۷۔

ان سے روٹھ چکا تھا۔ بدبختی اور نحوست کے آثار ہویدا تھے۔ طولوشہ (LAS NAVAS de TOLOSA.) کی لڑائی میں جو الفانسو ہشتم اور محمدؐ بن یعقوب کے درمیان ۱۲۱۲ء میں لڑی گئی، مسلمان ہار گئے ساٹھ ہزار کی تجربہ کار اور جرأت مند فوج میں سے صرف ایک ہزار سپاہی بچ سکے۔ محمد بن یعقوب جان بچاکر مراکش چلے گئے جہاں وہ ۱۲۱۴ء میں اپنے مالکِ حقیقی سے جا ملے۔

اس لڑائی میں عام پادری سے لیکر اُسقف اعظم تک سبھی نے حصہ لیا۔ عیسائی افواج کو ایک رات پہلے مشعل اور چراغوں کی روشنی میں عشاءِ ربانی دیا گیا۔ مختلف عیسائی سلطنتوں نے یُمن و برکت کی خاطر اپنے سپاہی شرکت کے لئے روانہ کئے۔ لڑائی کے لئے عیسائیوں کی صف بندی ذیل کے طریق پر کی گئی۔

میمنہ پر سینکو، بادشاہِ نوار تھے؛

قلب پر الفانسو، بادشاہ قستالیہ اور

میسرہ پر پیڈرو، بادشاہ ارغون تھے

مادی تفوق کے باوجود جو عیسائیوں کو حاصل تھا، مسلمان ان سے طاقت آزمانے کی پوری قوت اور استعداد رکھتے تھے۔ مسلمانوں کے جوشِ دینی کا یہ عالم تھا کہ وہ شوقِ شہادت میں پروانہ وار آگے بڑھ رہے تھے۔ بربروں نے نتائج اور عواقب سے بے پروا ہوکر" اپنے نیم برہنہ جسموں کو عیسائی نوابوں کی تلواروں کا ہدف بنا دیا تھا۔ جس بُری طرح یہ" مذہبی دیوانے" ذبح ہوئے وہ منظر لرزا دینے والا ہے۔ لیکن قابلِ دید یہ تھا کہ جو لوگ گرتے تھے ان کی جگہ فوراً ہی دوسرے سپاہی آجاتے

Marfat.com

تھے اور عیسائی کفار کے ہاتھ سے شہید ہونے کی عزت حاصل کرتے تھے۔[1]

شومئ قسمت کہ جب طرفین برابر کی لڑائی لڑ رہے تھے، اندلیشہ کے ایک گورنر، جنہیں سلطان محمد بن یعقوب کے حاجب ابوسعد نے ناراض کر دیا تھا، میدان چھوڑ کر چلتے بنے۔[2] ساٹھ ہزار فوج کی اچانک علیحدگی نے پورے لشکر میں سراسیمگی اور بدحواسی پیدا کر دی۔ مسلمانوں کی صفیں ٹوٹ گئیں۔ اور وہ لگے بھاگنے۔ عیسائیوں نے مسلمانوں کو چن چن کر مارا اور اپنی گذشتہ ناکامیوں کا گن گن کر بدلہ لیا۔ طولوشہ کی لڑائی کا جنگِ پلاسی[3] سے موازنہ کرنے پر معلوم ہو جائے گا کہ جس طرح جنگ پلاسی میں جعفر کی غداری اور جرنیلوں کی سازش نے سراج الدولہ کو میدان میں شکست کا منہ دکھایا تھا بالکل اسی طرح طولوشہ کی لڑائی میں اندلشیہ کے گورنر اور اس کی افواج کی غداری نے اندلس کے سقوط پر مہر لگا دی۔

الارکوس کے میدان میں کامیابی کے بعد یعقوب (المنصور باللہ) اگر چاہتے تو عیسائی خطرے کو ہمیشہ کے لئے ختم کر سکتے تھے لیکن شریف اور بردبار یعقوب کی فطری رحمدلی جذباتِ انتقام پر غالب آئی اور اُنھوں نے کسی سے تعرض کرنا پسند نہ کیا۔ طولوشہ کی کامیابی کے بعد

---

[1] اخبار الاندلس، ج ۲، ص ۳۴۸

[2] عرب اسپین میں، کانڈے، ج ۳، ص ۷۲۔

[3] جنگِ پلاسی سراج الدولہ اور کلائو کے درمیان ۲۳ جون ۱۷۵۷ء کو لڑی گئی۔ غدار میر جعفر جب مرشد آباد کی طرف بڑھ رہا تھا تو سراج نقیر کے بھیس میں وہاں سے نکل رہا تھا۔ غدار سوئے تخت اور بادشاہ سوئے بیابان۔

Marfat.com

الفانسو نے "اس زمانہ کی وحشیانہ رسم کے مطابق یہ حکم عام جاری کر دیا کہ جو شخص دیدہ و دانستہ کسی مسلمان کو زندہ چھوڑیگا، اُسے سزائے موت دی جائے گی۔ اسپین کے سپاہیوں کا خمیر ہی بے رحمی تھا؛ اس پہ پرانی شکستوں کی یاد اور اس جنگ کے نقصانات کو دیکھ کر غیظ و غضب"[1]

ع ببیں تفاوتِ راہ از کجُا تا بہ کجُا است

اس لڑائی میں کوئی مسلمان قیدی نہیں بنایا گیا۔ جو ہاتھ لگا اُسے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔[2]

---

[1] اخبار الاندلس، ج ۲، ص ۳۴۹

[2] عرب اسپین میں، کانڈے، ج ۳، ص ۴۷؛ طولوشہ کی لڑائی کو "العقاب" کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔

- طولوشہ کی جنگ کے بعد مسلمانوں پر جیمز اوّل اور فرڈی نینڈ کے پے در پے حملے۔
- ابنِ ہود کی لاچاری، مسلمانوں میں جنگی محاسن کی کمی اور قرطبہ کی عیسائیوں کے ہاتھوں تباہی۔
- غرناطہ کے علاوہ تمام اسلامی اندلس پر عیسائیوں کا عمل دخل۔

Marfat.com

باب ۱۸

طولوشہ میں عیسائیوں کی کامیابی نے شرقیین کی اندلسی سلطنت کی قسمت کا فیصلہ کر دیا۔ اسلامی اندلس بارہویں اور تیرہویں صدی میں قوت و شوکت، دولت و ثروت، فن و ادب اور تہذیب و تمدن کے اوجِ کمال پر پہنچ چکا تھا۔ جس ملک کو فرزندانِ توحید نے عزم، تعقّل، محبت اور قوت سے حاصل کیا تھا اُسے نا اہل حکمرانوں نے ضعف و کسلان، ناچاکی و نا اتفاقی، ذاتی اغراض اور قومی مفادات سے اعراض کے سبب کھو دیا۔ اس کا نتیجہ ظاہر ہے۔ اقبال کی جگہ ادبار، ترقی کی جگہ تنزل، حکومت کی جگہ محکومی اور بالآخر زندگی کی جگہ موت نے لے لی۔

ابو عبداللہ محمدؐ بن علیؓ کے غرناطہ سے ۱۴۹۲ء میں فرار کے بعد مسلمانوں کو دو صورتوں میں سے ایک کو اختیار کرنا پڑا۔ وہ اندلس میں ہی رہ کر زندگی گزارنے کے خواہش مند ہیں یا وہاں سے ہجرت کر جانا چاہتے ہیں۔ جن لوگوں نے خاکِ وطن کو چھوڑنا پسند کیا انہیں اس ظالم بستی سے نکلنے کے لئے قدم قدم پر موت کا سامنا کرنا پڑا۔ بہت سے لوگ راستے میں ہی تھک ہار کر بیٹھ گئے۔ جو منزل پہ پہنچ سکے اُنھوں نے دیکھا کہ عزیز و اقارب بچھڑ چکے تھے اور زندگی کی

Marfat.com

پونجی لٹ چکی تھی ۔ کوئی دم ساز تھا، نہ کوئی غم خوار ۔ فقر و فاقہ ان کا مقدر تھا ۔ جن لوگوں نے اندلس میں گزر بسر کرنے کا فیصلہ کیا انہیں بھی دو میں سے ایک صورت کو قبول کرنا پڑا ۔ وہ خدائے واحد و قہار کے پرستار بن کر رہنا چاہتے ہیں یا "خداوند یسوع مسیح" کے پیرو کار ۔ بہر حال، مشک و زعفران کی وہ زمین جسے مسلمانوں نے اپنے خون سے سینچا تھا آج اپنے فرزندوں پر تنگ ہو گئی تھی ۔ ان کے لئے وہاں کی مسموم فضا میں سانس لینا بھی مشکل ہو گیا تھا ۔

شقاوت و بدبختی کا یہ عالم تھا کہ ابن ہود (محمد بن یوسف) اور ابن الاحمر (نصر بن عمر) غرناطہ میں اقتدار کی جنگ لڑ رہے تھے ۔ اشبیلیہ میں یحییٰ نے اپنی ڈیڑھ اینٹ کی علیحدہ مسجد کھڑی کر دی تھی؛ بلنسیہ پر مروان بن عبدالعزیز قابض تھا؛ مرسیہ پر ابو عبداللہ اور المیریہ پر ابن الرمیمی ۔ ان میں سے ہر ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لئے عیسائی حکمرانوں کے ساتھ گر کر اور گھاٹے پر مصالحت کرتا ۔ فرڈی نینڈ اول (والی قستالیہ) نے ابن ہود اور ابن الاحمر کی باہمی جنگ کے زمانہ میں ابن الاحمر سے جیان کا صوبہ جو زمین کی زرخیزی، آب و ہوا کی لطافت اور قدرتی حدود کے استحکام کے لئے خاص اہمیت رکھتا تھا عسکری مدد کے معاوضہ میں حاصل کر لیا ۔ ابن ہود کو پتہ چلا تو اس نے فرڈی نینڈ کی حمایت حاصل کرنے کے لئے تیس اہم قلعوں کی پیشکش کی جو قبول کر لی گئی ۔ یہی نہیں بلکہ اس نے ابن الاحمر کو رسوا کرنے کے لئے فرڈی نینڈ سے عارضی مہلت جنگ حاصل کرنے کی درخواست کی اور اس کے عوض میں ایک ہزار اشرفی روزانہ ادا کرنے کا وعدہ کیا ۔

Marfat.com

طولونشہ، بے اولنس اور ابیڈو کی فتح کے بعد مسلمانوں پر کیا گزری، ایک طویل داستان ہے جس کے بیان کرنے کا یہ موقعہ ہے نہ محل۔ عیسائیوں کے حسد اور طمع کا تیر ہر مسلمان کے دل میں اتر چکا تھا۔ اُنھوں نے نہ صرف ان کے مال پر ہی ہاتھ صاف کئے بلکہ ہزاروں مسلمان مردوں، عورتوں اور بچوں کے خون سے بھی اپنے ہاتھوں کو رنگین کیا۔ یہ تھے وہ افعال جو پادریوں کی منظوری سے شاہانِ محافظِ دینِ مسیحی کی نگرانی میں کیے گئے۔ یہی وہ ذرائع تھے جن سے مذہبِ عیسوی جزیرہ نمائے اندلس میں از سرِ نو قائم ہوا۔[1]

جیمز اوّل[2] (والیٔ ارغون) نے جزیرہ مجورقہ کو ۱۲۲۹ء میں اور منورقہ اور آئی ویکا کو ٹھیک بارہ برس بعد فتح کر لیا۔ ۱۲۳۶ء میں فردی نینڈ نے جب قرطبہ کا محاصرہ کیا تو لوگوں نے ابنِ ہود کو مدد کے لیے لکھا۔ ابنِ ہود

۱۔ اخبار الاندلس، ج ۲، ص ۵۳۹۔

۲۔ جیمز اوّل، والیٔ ارغون، پیڈرو دوم اور میری کی اولاد تھے۔ کلیسا نے ان کی شادی کو جائز قرار نہیں دیا۔ ان کا نام ایک اتفاقی اور فرضی قصے پر رکھا گیا ہے۔ ولادت کے بعد ان کی والدہ نے حضرت عیسیٰؑ کے بارہ حواریوں کے نام پہ بارہ چراغ جلائے۔ ان میں سے سب سے زیادہ دیر تک سینٹ جیمس کے نام کا چراغ جلتا رہا۔ اس پر ان کی والدہ نے ان کا نام جیمز رکھ دیا۔ موصوف کی تربیت سائمن ڈی مانٹ فورٹ نے کی جو ایک قسمت آزما صلیبی سپاہی تھا۔ حقیقت میں یہ شخص قزاق تھا۔

جیمز اوّل کو مسیحی تاریخ نویسوں نے بڑا خلیق، فیاض اور رحمدل بتایا ہے لیکن تھا وہ پرلے درجے کا بے ایمان، عیاش اور بے رحم۔ وعدہ خلافی اور حیلہ جوئی اس کی فطرتِ ثانیہ بن چکی تھی۔

Marfat.com

کو اتنی فرصت کہاں کہ فوج اور آلات سے مظلومین قرطبہ کی مدد کو پہنچتا قرطبہ جو علوم وفنون کا معدن، تہذیب و ثقافت کا گہوارہ اور صنعت و تجارت کا مرکز تھا اور جسے بلادِ اندلس سے وہی نسبت تھی جو سَر کو جسد (جسم) سے اور سینہ کو اسَد (شیر) سے ہے فتح ہوگیا۔ مسلمانوں نے یہاں پر ۵۴۳ برس حکومت کی۔

وہ شہر جو حُسن و زیبائی میں یکتا تھا اور بقول ایک جرمانی قوم کی راہبہ کے " زرق و برق اور نشان و شوکت میں بے مثال تھا" اپنے بذلہ سنج ذہین اور محنتی لوگوں کے چلے جانے کے بعد سُست، نکمے اور جاہل راہبوں کی نگرانی میں ایسا برباد ہوا کہ:

- " اس کے بازار بالکل خالی پڑے ہیں،
- اس کے شوارع عام میں گھاس اُگی ہے،
- وہاں کسی آدمی کا نشان نہیں،
- ایک ہفت رنگی بدزیب گرجا مسجدِ قرطبہ کے عین وسط میں بے ڈھنگے طور سے کھڑا ہے۔
- جو لوگ جلاوطن کئے گئے وہ کفایت شعاری برکت اور صنعت و حرفت کو اپنے ساتھ لیتے گئے،
- صدیاں گزر گئیں مگر ان کا نعم البدل پیدا نہیں ہوا
- بہت سی صنعتیں جو انتہاءِ کمال پر پہنچ گئی تھیں، ان کے ساتھ رخصت ہوگئیں"[1]

---

[1] اخبار الاندلس، ج ۲، ص ۳۴۹ - ۳۵۰

Marfat.com

۱۲۳۸ء میں فرڈی نینڈ نے بلنسیہ پر حملہ کر دیا۔ بلنسیہ کے مناظر خوشنما تھے اور اس کی آب و ہوا صحت بخش تھی۔ یہاں کے لوگوں نے بھی مذہبی روابط اور انسان دوستی کی بنا پر ابنِ ہود کو دعوتِ نکر دی۔ اس مرتبہ ابنِ ہود اپنے لاؤ لشکر سمیت چلدیا۔ راستے میں المیریا کے مقام پر قیام کیا۔ گورنرِ شہر نے ابنِ ہود کے اعزاز میں ایک نفیس دعوت کا انتظام کیا جس میں عمائدینِ شہر اور رؤسائے سلطنت شریک تھے ابنِ ہود نے اس رات اتنی پی کہ ہوش و خرد ساتھ چھوڑ گئے۔ المیریا کے گورنر نے اُسے اُٹھا کر ایک حوض میں پھینک دیا جہاں وہ ڈوب کر مر گیا۔

بلنسیہ کے لوگ اپنے نجات دہندہ کی راہ تکتے تکتے تھک گئے اور اپنی آزادی سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ مسلمانوں نے اس علاقہ پر ۵۲۲ برس حکومت کی۔

کچھ عرصے کے بعد شاطبہ بھی مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گیا۔

۱۲۴۸ء میں مریدہ بھی جاتا رہا۔ اسی سال اشبیلیہ بھی جس پر ۵۵۰ برس ہلالی پرچم سایہ فگن رہا تھا۔ مسلمانوں کے تصرف سے نکل گیا[1]

---

[1] اشبیلیہ کی فتح کے موقعہ پر ایس۔ پی۔ اسکاٹ رقمطراز ہیں۔

"اس زمانے کی پالیسی بے رحمی پر مبنی تھی۔ اس وقت لڑائی نہ ہوتی تھی وحشیانہ خونخواری ہوتی تھی۔ اس پالیسی کے موافق کوئی ایسی چیز تباہی سے نہ چھوڑی جاتی تھی جو دشمن کو آذوقہ کا کام دے یا جس میں وہ اپنا سر چھپا لے۔ اہالیٔ قشتالیہ نے اس اصول پر عمل کر کے اشبیلیہ کے دلکش میدان کو راکھ کا ڈھیر بنا دیا۔ تمام مکانات جلا دیئے۔ انگوروں کو خراب کر دیا۔ باغات مثمرہ نارنگیوں، باداموں اور اناروں کے درختوں کو کاٹ کر آگ لگا دی۔

(باقی اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

سنہ ۱۲۶۹ء میں مرسیہ فتح ہوگیا۔ یہاں پر مسلمانوں نے ۵۷۵ سال حکومت کی۔

سنہ ۱۳۴۲ء میں جزیرۃ الخضرا بھی عیسائیوں نے فتح کرلیا۔

۵ وائے اُو عشقے کہ نارِ اُو فسرد
در حرم زائید و در بُت خانہ مُرد

اندلس اب عیسائی حکمرانوں۔ جیمز اوّل اور فرڈی نینڈ کے پائے صولت میں پڑا تھا۔ اگر کوئی علاقہ بچ رہا تھا تو وہ غرناطہ تھا۔ یہاں پر ابن الاحمر (النصر بن عمر) اور اس کا خاندان سنہ ۱۴۹۲ء تک حکمران رہا۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق اندلس کے سوا دو لاکھ مربع میل رقبہ میں سے مسلمانوں کے پاس بمشکل پچاس ساٹھ ہزار مربع میل رقبہ رہ گیا تھا۔

(بقیہ حاشیہ سابقہ) کئی فرسنگ تک یہ کیفیت تھی کہ نیم سوختہ درختوں اور سوختہ گاؤں کا دھواں ہی دھواں نظر آتا تھا۔ خود شہر میں دھوئیں کے مارے وہ تاریکی تھی کہ راستہ نظر نہ آتا تھا۔" یہ ہیں جنگ کے وہ اسلوب جو حضرت عیسیٰ کے پیروکاروں نے اپنائے مذہب کی بنیاد تو زہد و تقویٰ اور عفو و در گزر پر رکھی گئی تھی لیکن عمل وحشیانہ خونخواری کا مرقع تھا اور ہے۔

Marfat.com

Marfat.com

- قرطبہ کا زوال اور غرناطہ کا عروج ۔ بنو احمر کا اقتدار اور علم وادب کی سرپرستی ۔
- الحمرا کی تعمیر، ابن الاحمر کے بعد محمد ثانی کی تخت نشینی ۔
- الفانسو (ابن فرڈی نینڈ) سے محمد کی ملاقات اور قسطالیہ کے عیسائیوں کی بوکھلاہٹ ۔
- سلطان مراکش کو اندلس پر حملہ کی دعوت اور عیسائیوں کی شکست ۔
- محمد ثانی کے عہد میں علم وادب کی ترقی ۔ فن حرب کے نئے اسلوب اور مارکوس کی فتح ۔
- مولائے علی حسن کے عہد میں عیسائی طاقتوں کا چیلنج ۔
- مولائے حسن کی جوانمردی اور قلعہ صخرہ کی فتح ۔
- ابوعبداللہ محمد اور یوسف کی باپ کے خلاف بغاوت اور لوشہ کی لڑائی میں مسلمانوں کی شکست
- عیسائیوں کو مغلوب کرنے کے لیے الزاغل کی ناکام کوششیں اور ابوعبداللہ کے ساتھ عیسائیوں کی بدعہدی ۔
- فرڈی نینڈ اور ملکہ ازابیلا کی غرناطہ کو فتح کرنے کے لیے چالیں ۔
- غرناطہ کا زوال، ابوعبداللہ کا ملک سے اخراج اور فرقہ وارانہ فسادات کی ابتدا ۔
- اسلامی تہذیب وثقافت کا مٹنا ——— لین پول کا تبصرہ ۔

Marfat.com

باب ۱۹

قرطبہ کے ہبوط و زوال کے بعد مسلمانوں نے ایک نئی زندگی کا آغاز کیا۔ وہ قرطبہ، اشبیلیہ، مرسیہ اور دوسرے اہم مقامات کو چھوڑ کر غرناطہ میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔ غرناطہ ان ہزاروں نحیف و ناتواں لوگوں کی پناہ گاہ بننے والا تھا جن کا گناہ اس سے زیادہ کچھ نہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور محمدؐ مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی رسالت پر ایمان رکھتے تھے۔ وہ ان خانماں برباد مسلمانوں کا ملجا و ماوا بننے والا تھا جنہوں نے نہ صرف عیسائیوں کے ظلم و تشدد سے بچنے کے لئے اپنے ہم مذہبوں کے درمیان رہنا پسند کیا تھا بلکہ اس لئے بھی کہ وہ اپنی معیشت و معاشرت اور اپنی اقتصاد و سیاست کو قرآنی تعلیمات کی روشنی میں استوار کر سکیں اور اس تہذیبی سرمائے کو جو انہیں اپنے آباؤ اجداد سے میراث میں ملا تھا محفوظ کر سکیں۔ انہیں ایک ایسی آزاد مملکت کی ضرورت تھی جہاں وہ اپنی خودی اور آزادی کے ممکنات کی تلاش کر سکیں اور جہاں — "اسلام اپنی تعلیم و ثقافت کو پھر سے زندگی اور حرارت عطا کر سکے اور انہیں عصرِ حاضر کی روح کے قریب تر لانے کے قابل بنا سکے"[1]

---

[1] علامہ اقبال مرحوم کا خطبۂ الہ آباد، ۱۹۳۰ء

Marfat.com

سُنبل دریجاں سے خوشتر علاقوں کو چھوڑنے والوں میں وہ کاشتکار بھی تھے جنھوں نے محنت اور کوشش سے غرناطہ کی سرزمین کو رشکِ جناں بنا دیا؛ وہ معمار اور مہندس بھی تھے جنھوں نے اپنے دستِ صنعت اور ذوقِ حُسن سے الحمرا ایسی عمارتیں تیار کیں کہ زمانہ ان کی مثال پیش نہیں کر سکا؛ وہ طبیب اور سائنس دان بھی تھے جنھوں نے اپنے ذوقِ تجسّس، تجربے اور مشاہدے سے سوچ بچار کرنے کی نئی راہیں کھولیں اور یورپ کو نشاۃِ ثانیہ کی راہ پر گامزن کیا؛ وہ لکھنے والے ادیب اور شاعر بھی تھے جنھوں نے فن اور ہیئت کے نئے تجربوں کے ساتھ ساتھ ادب کو زندگی کا نقیب بنایا اور وہ اہلِ حرفہ بھی تھے جنھوں نے اس نوزائیدہ ریاست کی صنعت و حرفت کو چار چاند لگائے اور یورپ میں صنعتی فنون کو عروج بخشا۔

زرعی اور تجارتی وسائل کے غرناطہ میں جمع ہو جانے سے ملک میں ترفہ اور خوشحالی کا دور شروع ہوا۔ تلوار کی فتوحات ختم ہوئیں تو غرناطہ کے لوگوں نے زمانۂ امن کے علوم و فنون کی ترویج اور دماغی فتوحات کی طرف توجہ دی۔ یہ تصوراتی یلغاریں عربی ثقافت کی نشوونما، طب اور سائنس کی ترقی، فلسفہ اور آرٹ کی اشاعت کا سبب بنیں۔ غرناطہ کی آب و ہوا صحت بخش تھی۔ اس کی زمین سونا اگلنے والی تھی، اس کے دریاؤں کا پانی حیات بخش تھا اور اس کے پہاڑوں کی برف سے ڈھکی ہوئی چوٹیاں اسے شانِ کجلاہی بخش رہی تھیں۔ قدرت کی فیاضیاں اتنی زیادہ تھیں کہ بابیدا دشا بیدا لیکن ان میں سب سے زیادہ انمول اور قیمتی چیز غرناطہ کے وہ لوگ تھے

Marfat.com

جنھوں نے اپنے خلوص اور صداقت سے اور اپنی جرات و ہمت سے اسے مرجع خلائق بنا دیا۔ غرناطہ کا تعارف اس سے بہتر اور کیا ہو سکتا ہے کہ وہ لسان الدین ابن الخطیب کا مولد و مسکن ہے۔

غرناطہ کی بنیاد حبوس بن ماکسن بن زیری (۱۰۰۹ - ۱۰۳۶) سردار صنہاجہ نے رکھی تھی۔ بنو زیری کے عہد میں ہی یہ شہر خاصی اہمیت حاصل کر چکا تھا۔ ابن بطوطہ نے اپنے اسفار میں، علامہ شقندی نے اپنے رسالہ میں اور پروفیسر زیمبولیڈ نے اسلامک انسائیکلو پیڈیا میں اس شہر کی خوبصورتی، اس کے رہنے والوں کی جفاکشی اور بذلہ سنجی، اس کے قدرتی مناظر اور اس کی آب و ہوا کی لطافت کا بھرپور ذکر کیا ہے۔ علم و فضل کے لحاظ سے کوئی زمانہ ایسا نہیں گزرا کہ یہ شہر عالموں، ادیبوں اور شاعروں سے خالی رہا ہو۔ یہ خصوصیت بھی اس شہر کو حاصل تھی کہ اس میں بڑی بڑی قادر الکلام عورتیں پیدا ہوئیں جنہوں نے شاعری کو نئے اسلوب عطا کئے۔

بنو احمر کے دورِ اقتدار میں جو ۱۲۳۸ عیسوی سے لیکر ۱۴۹۲ عیسوی تک پھیلا ہوا ہے، غرناطہ سب سے زیادہ دولت مند شہر تھا، بادشاہوں کی فیاضی، علم دوستی اور قدر شناسی کے سبب اصحابِ علم و فضل، فقیہہ و محدث اور ادیب و شاعر دور و نزدیک سے ان کے دربار میں پہنچتے اور منہ مانگی مرادیں پاتے۔ قصر الحمرا کے آثار اس دور کے اعلیٰ تمدن کی منہ بولتی تصویریں ہیں۔

محمد بن الاحمر نے جیان کو تو ہاتھ سے کھو دیا لیکن ۱۲۴۶ء میں غرناطہ پر مضبوطی سے قبضہ جما لیا۔ المیریا اور ملاغہ کے علاقے جو تجارتی

Marfat.com

لحاظ سے بڑے اہم تھے اس میں شامل کر لئے گئے۔ ابن الاحمر نے جہاں عیسائیوں کو اپنی شمشیرِ بے نیام سے رام کیا وہاں انہوں نے اپنے سیاسی تدبر اور فراست سے دربارِ قشتالیہ کے امراء اور پادریوں کو بھی ایسا گرویدہ بنایا کہ وہ ایک مدت تک غرناطہ کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھ سکے۔ ابن الاحمر نے شمالی افریقہ کے حکمرانوں سے بھی دوستانہ روابط قائم کئے تاکہ ان کی حرصِ طمع و آز نہ بھڑک اٹھے اور وہ موحدین کے نئے دعویداروں کی پیٹھ ٹھونکنا نہ شروع کر دیں۔ انہیں "یہ فخر حاصل ہے کہ انہوں نے سخت پر آشوب زمانہ میں مسلمانوں کے دین کی عزت اور مسلمانوں کی تلوار کی عظمت کو قائم رکھا" ان کی شہرت اور ناموری نہ صرف اس لئے ہے کہ وہ سیاسی سمجھ بوجھ کے مالک تھے، نئی اصلاحات کے علمبردار تھے اور مردِ میدان تھے بلکہ ان کی شہرت اس لئے بھی ہے کہ وہ الحمرا کے بانی تھے۔

الحمرا وہ پرستان ہے جو فنِ تعمیر، خوش مذاقی اور اعجازِ ہنر کے لحاظ سے انسانی کاوش کا نتیجہ دکھائی نہیں دیتا۔ چند ہی سالوں کے اندر ان لوگوں نے جو محنت کی عادت، نئے حالات سے ہم آہنگ ہونے کی صلاحیت، نئی چیزیں تخلیق کرنے کا ملکہ اور شدائد و مصائب پر صبر کرنے کی ہمت اپنے ساتھ لائے تھے، غرناطہ کو "علم کا شہر" بنا دیا۔ علم پرور شاہانِ بنو احمر کی نگرانی میں وہ مذاکراتِ علمی منعقد ہوتے تھے کہ کلیسا ان کے تصور کو بھی اقنومِ ثلاثہ سے بغاوت کے مترادف سمجھتا تھا۔ غرناطہ کے اطراف و اکناف میں مدارس کھولے گئے، کالج قائم ہوئے اور لائبریریوں کی بنیاد رکھی گئی۔ وہ تمام کتب

Marfat.com

جو حکم ثانی کے عہد کی بچ رہی تھیں، انہیں از سرِ نو ترتیب دی گئی اور ان میں مفید اضافے کیے گئے تاکہ قوم کو ذہنی افلاس سے بچایا جا سکے۔

ابن الاحمر انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے کی ہمیشہ کوشش کرتے۔ اس بارہ میں وہ بڑے محتاط تھے۔ ہفتہ میں دو بار اپنے محل کے باہر ایک کھلے میدان میں کچہری لگاتے۔ ہر سائل کو، امیر ہو یا غریب، چھوٹا ہو یا بڑا، اپنی بات کہنے کا حق تھا۔ یہ عقیل و فہیم بادشاہ رفاہِ عامہ کے کاموں کی طرف خاص طور پر توجہ فرماتے تھے۔ حماموں، مدرسوں، شفاخانوں، سمجدوں، سڑکوں اور پلوں کو بچشمِ خود جاکر دیکھتے۔ معلمین کی دیانتداری اور متعلمین کی محنت کے صلہ میں اپنے ہاتھ سے انعامات دے کر ان کا حوصلہ بڑھاتے۔[1] ان کے انتظامات سلطنت میں ہر طرف ترقہ اور تہذیب کے آثار نمایاں تھے۔ اگر ان کا مقابلہ تیرھویں صدی کے مسیحی یورپ اور خاص کر مسیحی اسپین کی اخلاقی، ذہنی اور تمدّنی حالت سے کیا جائے تو زمین و آسمان کا فرق معلوم ہوتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ مسلمانوں کی ان محیر العقول ترقیات کے عوض میں صلیبی گنواروں اور جنگلیوں نے دنیا کو کیا دیا اور اس کو فنا کر دینے سے بنی نوعِ انسان کو کتنا نفع پہنچا؟

سال ۶۶۰ھ تو یوں ہی گزر گیا۔ سال ۶۶۱ھ کا آغاز تھا کہ ابن الاحمر کو پتہ چلا کہ الفانسو نے ملاغہ، وادیش اور کوماریس کی آزادی کو تسلیم کر لیا ہے اور سلطانِ غرناطہ کے خلاف ان کی بھرپور مدد کرنے کا وعدہ کیا ہے۔ سلطان نے ڈان فلپ (FILIBO) اور کاؤنٹ ڈی لارا (DON NUNEZ de LARA) کی مدد سے جو الفانسو سے ناراض ہو کر

[1] اخبار الاندلس، ج ۲، ص ۴۶۰۔

سلطان کے دربار سے وابستہ ہو گئے تھے، ایک عظیم فوج کیساتھ حملہ کرنے کا فیصلہ کیا تاکہ شر کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا جائے۔ بہادران مسیح۔ فلپ اور کاؤنٹ ڈی لارا ابن الاحمر کی فوج میں شریک تھے اور اسلامی پرچم کے نیچے لڑنے کے لئے بیتاب تھے۔

قسمت کا لکھا کون ٹال سکتا ہے۔ یہ فوج دارالسلطنت سے ابھی زیادہ دور نہ گئی تھی کہ امیر دفعتہً بیمار ہو گئے۔ طبیب نے بیماری کو سمجھنے کی کوشش کی لیکن ع

چوں مرگ آید طبیب ابلہ شود

موت کا پیام آپہنچا۔ سلطان نے اپنے خیمہ میں ہی، جو فصیلِ شہر سے زیادہ دور نہ تھا، اپنی جان جان آفرین کے سپرد کر دی۔

ان کی وفات کے بعد ان کا لڑکا محمدؒ ثانی سریر آرائے اورنگ ہوا۔ وہ فیاض تھا، جرأت مند تھا اور عدل پسند تھا۔ محمدؒ ثانی ایک اچھے باپ کا ایک اچھا بیٹا تھا۔ اس کی ذہنی صلاحیتیں، اس کا مذاق سلیم اور فلسفہ و حکمت میں شغف ایسی چیزیں تھیں جو اُسے اپنے معاصرین سے ممتاز کرتی تھیں۔ اُس نے تخت نشین ہوتے ہی ان گورنروں کو جو الفانسو کے شہ پر آزادی و خود مختاری کا اعلان کر بیٹھے تھے انٹے کیورا (ANTEQUERA) کے قریب اذیت ناک شکست دی۔

جس سے جواں سال اور جواں بخت امیر کا رعب نہ صرف ان صوبوں میں ہی بڑھ گیا جنھوں نے بغاوت کی تھی بلکہ اہالیٔ قستالیہ بھی ان کی بیدار مغزی اور جرأت و ہمت کے قائل ہو گئے۔

۵؎ عرب اسپین میں، کانڈے، ج ۳، ص ۱۶۵ - ۱۶۶

Marfat.com

الفانسو (ابنِ فرڈی نینڈ) نے یہ محسوس کرتے ہوئے کہ محمد ثانی اپنے نظریات اور ملکی سرحدات کی حفاظت کر سکتا ہے، بقاءِ باہمی کے اصول پر اس سے دوستانہ تعلقات قائم کرنے کا فیصلہ کیا۔ دونوں بادشاہوں کی ملاقات اشبیلیہ میں ہوئی جو مسلمانوں کی عظمتوں کا امین رہ چکا تھا اور اب حکومتِ قستالیہ کا دارالسلطنت تھا۔ محمد ثانی کی پروقار شخصیت، ان کے اندازِ تکلّم اور ان کی آدابِ مجلس سے آگاہی نے عیسائیوں کو حیرت میں ڈال دیا۔ وہ قیاس لگا رہے تھے کہ مسلمان اجڈ ہوں گے ان کا قائد کوئی گھامڑ ہوگا جس کے بال بکھرے ہوں گے، جس کا چہرہ پچکا ہوگا۔ اور جس کی گردن جھکی ہوگی۔ اس کا لباس گنواروں کا سا ہوگا اور اس کی زبان پھوہڑ ہوگی۔ مگر معاملہ اس کے برعکس نکلا۔ مسلمانوں کے مضبوط اور صیقل شدہ ہتھیاروں، ان کے نکھرے چہروں اور ستھرے لباسوں کو دیکھ کر قستالیہ کے لوگوں کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ اور عیسائی بہادروں کی آنکھیں مسلمانوں کا فوجی اور جنگجویانہ رنگ ڈھنگ دیکھ کر کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ مسلمانوں کی مہمان نوازی بھی کی گئی اور انہیں شجاعانہ کرتب بھی دکھائے گئے۔ میز کے گرد ان سے سیاسی گفتگو بھی ہوئی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ "نہ بادشاہ قستالیہ کو بڑی آبرو ملی اور نہ ہی اہمیت حاصل ہوئی"[1]

ملاقات کے دوران شہزادہ فلپ، کاؤنٹ ڈی لارا اور ڈون لاپ محمد ثانی کے ساتھ تھے۔ بادشاہِ غرناطہ کے سیاسی تدبر کا یہ عالم تھا کہ اس کی بروقت مداخلت سے الفانسو اور اس کے بھائی فلپ کے

---

[1] انجار الاندلس، ج ۲، ص ۱۶۴۔

درمیان جو تشکر رنجی مدت سے چلی آرہی تھی دور ہوگئی ۔ تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ محمد ثانی کی خود دار طبیعت حالات سے چنداں مطمئن نہیں تھی ۔ انہیں خدشہ تھا کہ یہ مواعید وقتی ہیں اور کسی وقت بھی ٹوٹ سکتے ہیں ۔ اشبیلیہ میں ملاقات کے دوران ملکہ آئی اولینٹ (IOLANT) نے محمد ثانی سے ملاغہ ، وادیش اور کومارس کے گورنروں کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرنے کے لئے کہا تھا ۔ محمد ثانی نے ملکہ کے ساتھ یہ وعدہ تو کرلیا کہ وہ متذکرہ بالا گورنروں سے شفقت کا سلوک کریگا ۔ لیکن وہ معاملے کی نزاکت کو سمجھ گیا ۔ وہ جانتا تھا کہ عیسائی وقت کو ٹالنا چاہتے ہیں اور ایسے موقعہ کی انتظار میں ہیں جب وہ مسلمانوں کے درمیان نفاق و انتشار سے فائدہ اٹھاکر انہیں شکست دے سکیں ۔

محمد ثانی نے ایک سال تو یوں لوں کرکے گزار دیا ۔ اگلے سال اس نے ابنِ یوسف ، سلطان مراکش ، کو اندلس پر حملہ آور ہونے کی دعوت دی ۔ ربع صدی گزر گئی تھی کہ عیسائیوں نے غیر ملکی مسلمانوں کے جنگی اوزاروں کی جھنکار نہیں سنی تھی اور ان کے گھوڑوں کے سموں سے اٹھنے والی چنگاریوں کا نظارہ نہیں کیا تھا ۔ سلطانِ مراکش کی فوجِ ظفر موج نے قستالیہ کے سرحدی علاقوں کی اینٹ سے اینٹ بجادی ۔ سینکو (SANCO)[1] جو ایک فوجی قائد بھی تھا اور لاٹ پادری بھی گرفتار ہوا اور اس کی افواج کے پرخچے اڑ گئے ۔ وہ رئیس الا ساقفہ کا سر اور داہنا ہاتھ کاٹ کر اور ان میں کا فور بھر کر

[1] سینکو شاہِ جیم ، والئ ارغون کا فرزند ارجمند تھا ۔

Marfat.com

بطور نشانِ فتح اپنے پاس رکھ لیا..... عیسائی اپنے سپہ سالار کی موت اور دشمنوں کی کامیابی سے ایسے دل شکستہ ہوئے کہ پھر انھوں نے مقابلہ کی کوشش ہی نہیں کی۔ اس واقعہ سے یورپ کے تمام رومن کیتھولک میں ماتم برپا ہوگیا۔"[1]

کہا جاتا ہے کہ الفانسو (دہم) اس دورِ مظلمہ میں عیسائیوں کے درمیان پڑھا لکھا آدمی تھا۔ اس نے علمِ ہیئت کے جداول تیار کروائے تھے۔ جب پادریوں کو پتہ چلا کہ بادشاہِ قسطالیہ نے ان جداول کی تیاری پر بے دریغ خرچ کیا ہے اور ان کے مصنفین (مسلمانوں اور یہودیوں) کو بڑی بڑی رقومات ادا کی ہیں تو وہ سخت برہم ہوئے کہ سلطنت کا روپیہ ناپاک کاموں پہ اُڑایا جارہا ہے۔ اور جو کچھ دینی کاموں پر خرچ ہونا چاہیئے تھا وہ "کفار" پر خرچ کیا جارہا ہے۔ اس ایک واقعہ سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ عیسائی پادریوں کو علم وفن سے کتنی کد تھی! عیسائی پادریوں کا جہالت پہ صبر اور علم سے تنفر ایک کھلی حقیقت ہے۔ ایس۔ پی۔ اسکاٹ نے اپنی تاریخ میں اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ :-

"اجنبی مسلمان، حکمِ شاہی سے محفوظ، بے روک ٹوک قرطبہ کی رصدگاہ میں آتے اور اشبیلیہ اور طلیطلہ کے کتب خانوں میں داخل ہوتے۔ ان کو دیکھ دیکھ کر پادری اگرچہ سخت چیں بجبیں ہوتے، مگر نہ ان کو روک سکتے تھے نہ نقصان پہنچا سکتے تھے۔ واہمہ پرست پادریوں کے

---

[1] اخبار الاندلس، ج ۲، ص ۴۶۳۔

Marfat.com

نزدیک یہ لوگ جادوگر تھے اور ازدواج خنثیہ کو یکہ محل کے خلوت کدوں میں شیطانی مراسم ادا کرتے تھے۔ بادشاہ کا ان علماء کامل کے ساتھ خلط ملط رکھنا سخت قابلِ ملامت فعل سمجھا جاتا تھا جس پر ہر دیندار عیسائی کو لعنت کرنا چاہیے[1]

غرض کہ اس خاندان کے بہت سے فرمانرواؤں نے اپنی رعایا کی ذہنی قوتوں کی نشوونما، علوم وفنون کی ترویج واشاعت اور دارالسلطنت کی ترقی کے لیے مقدور بھر کام کیا۔ باوجودیکہ حالات مخدوش تھے، دشمن ہر وقت گھات میں بیٹھا تھا، اندرونی اور بیرونی سازشیں آئے دن کا معمول بن چکی تھیں، غرناطہ کے حکمرانوں نے سلطنت کی ترقی اور عوام کی خوشحالی کے لیے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔

علماءِ میکانیات کی تحقیق وتجسس سے مسلمانوں کو فنِ حرب میں ایسی ایسی کلیں ایجاد کرنے کا موقعہ ملا کہ اسمٰعیل نے ۲۳ رجون ۱۳۲۴ء کو جب بیضاء کے شہر کا محاصرہ کیا تو اس نے ایسی زنجیریں استعمال کیں جن سے آتش گیر مادہ گولے کی صورت میں پھینکا جا سکتا تھا[2] ان گولوں سے شعلے نکلتے اور گرجدار آواز پیدا ہوتی۔ یہ بارودی گولے ان تمام چیزوں کو جو راستے میں ہوتیں توڑ پھوڑ دیتے۔ یہ پہلا موقعہ تھا کہ یورپ میں توپ خانہ استعمال ہوا۔ اس سے بیضاء کی بیرونی دیوار منہدم ہو گئی، برجوں نے گر کر ہزاروں انسانوں کو موت کی نیند سلا دیا اور لاتعداد مکان جل کر تباہ ہو گئے۔ شہر والوں نے عقلمندی کی کہ فوراً ہی اطاعت

---

[1] اخبار الاندلس، ج ۲، ص ۴۶۶

[2] عرب اسپین میں، کانڈے، ج ۳، ص ۲۳۱

Marfat.com

قبول کر لی۔ بیضاء کے بعد مارٹوس بھی مسلمانوں نے فتح کر لیا۔ غرناطہ کے باسیوں نے ایک مدّت کے بعد منظفر و منصور فوج کو شہر میں خوشی کے شادیانے بجاتے دیکھا تھا۔

امیر محمد رابع کا عہد کسی لحاظ سے بھی خوشگوار نہ تھا۔ ان کے حاجب المحروق، کا رویہ عمائدین سلطنت اور ارکانِ دولت کے لیے ناقابلِ برداشت تھا۔ وہ خود کو عزیز اور دوسروں کو ذلیل سمجھتے۔ اور انہیں لعنت ملامت کرنے سے دریغ نہ کرتے۔ اگر الفانسو دیاز دہم) کے دربار میں نفاق و افتراق کا مرض نہ پھیل چکا ہوتا اور اس کی عیش پسند طبیعت قومی غیرت کو شرابِ ناب کے پیالوں میں غرق نہ کر چکی ہوتی تو مسلمان ان علاقوں کو بھی کھو بیٹھتے جو اس وقت تک ان کے تصرف میں تھے۔ ۱۳۳۲ء میں مراکش کی جو افواج الجزیرہ کے ساحل پر اُتری تھیں، نہ صرف اس لیے بلائی گئی تھیں کہ جبل الطارق کی بازیافت میں مدد دیں بلکہ محمد رابع اور اس کے حاجب کو بھی ختم کر دیں تاکہ غرناطہ کے لوگ ان سے نجات پا سکیں۔

اب ہم مولائے علیؓ ابو الحسنؓ کی طرف رجوع کرتے ہیں جن کے نام پر جبل الشلیر کی سب سے اونچی چوٹی کا نام سیرو دی مولاحسن — (CERRO de MULABACEN) رکھا گیا تھا۔ قستالیہ کے بادشاہ نے ایک سفارت ان کے دربار میں اس غرض سے روانہ کی کہ وہ خراج کی رقم فوراً ادا کر دیں تاکہ معاہدہ صلح کی میعاد میں توسیع کی جا سکے۔ مولائے حسن نے سفارت کے اراکین کو وہی جواب دیا جو ایک خود دار اور باہوش فرمانروا کو دینا چاہیئے تھا۔ اس نے کہا: جاؤ فرڈی نینڈ کو بتا دو کہ غرناطہ کے وہ بادشاہ جو خراج ادا کرتے تھے دنیا سے رخصت

Marfat.com

جائے۔ بادشاہ کو یہ تجویز پسند آگئی۔ چنانچہ اُس نے اپنے جلوس کے چوتھے سال اس شہر کی تعمیر شروع کروادی۔ تعمیر کا کام ۹۳۶ء میں شروع ہوا، اور اس کے بعد برابر چالیس برس تک جاری رہا۔ الناصر نے اپنے عہدِ حکومت کے باقی ۲۵ سال اور الحکم ثانی نے اپنی عمرِ کوتاہ کے ۱۵ سال اس کی آراستگی اور پیراستگی پر خرچ کر دیئے۔

یہ شہر جو صرف ۷ فرلانگ لمبا اور ۵ فرلانگ چوڑا تھا، خوبصورت حویلیوں، نفیس بارہ دریوں، بارونق بازاروں، سیمیں نہروں، خدامِ شاہی کی رہائش گاہوں پر مشتمل تھا۔ اس مختصر سی بستی میں سیاسی مندوبین بھی رہتے تھے اور غیر ملکی سفیرِ کبیر بھی۔ یہاں رؤسائے مملکت بھی آباد تھے اور خدامِ شاہی بھی۔ یہاں علماء کا جمِ غفیر بھی تھا اور صناعوں اور کاریگروں کا جھرمٹ بھی۔

مدینۃ الزہرا کے بنانے میں دس ہزار کاریگر اور مزدور بہ یک وقت کام کرتے رہے۔ ضروری سامان کی نقل و حمل کے لئے آٹھ سو کے قریب لادو جانوروں سے کام لیا جاتا رہا۔ جو ستون اس عمارت میں استعمال ہوئے، اُن کی تعداد چار ہزار سے زائد بتائی جاتی ہے۔ ان ستونوں میں سے اکثر قسطنطنیہ، رومتہ الکبریٰ اور فرانس سے آئے تھے۔ باقی قرطاجنہ، تونس اور دیگر اعظم بلاد سے منگوائے گئے تھے۔ ہر روز ہزاروں ان گھڑے پتھروں اور اینٹوں کے علاوہ چھ ہزار ترشے ہوئے پتھر چنائی میں صرف ہو جاتے تھے۔

روایت ہے کہ جب یہ شہر مکمل ہو چکا تو زہرا اسے دیکھنے کے لئے آئی مگر اس کے غم و غصّہ کی کوئی انتہا نہ رہی جب اس نے ایک

Marfat.com

طرف تو مرمریں محلات کا دلکش حُسن دیکھا۔ مگر دوسری طرف ایک بدنما اور سیاہ پہاڑ کا مہیب سلسلہ۔ وہ دوڑتی ہوئی بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہنے لگی ”کیا آپ اس کنیز کو باوجود اس کے حُسن وجمال کے ایک زنگی کی گود میں نہیں دیکھتے“۔ بادشاہ تو اُس کی بلائیں لیتا تھا۔ فوراً کھڑا ہوگیا۔ اور حکم دیا کہ فوراً اس سیاہ رُو پہاڑ کو زمین کے اندر دفن کر دیا جائے۔ لیکن یہ کیونکر ممکن تھا۔ ماہرینِ نباتات نے اس کی بدصورتی اور زنگ آلودگی کو چھپانے کے لئے اس پر مختلف قسم کے پھلدار پودے اس کثرت سے لگا دیئے کہ وہ پہاڑ خوبصورتی اور رونق کے سبب جبل العروس کہلانے لگا۔

الناصر کے شاہی محل میں وہ حِصّہ سب سے زیادہ دیدہ زیب تھا جو مجلسِ مونس کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس حِصّہ میں دو حوض نصب کئے گئے تھے۔ ایک سنگِ مرمر کا تھا اور دوسرا برنجی کا۔ سنگِ مرمر کے حوض کے گرد دھات کی ڈھلی ہوئی بڑی بڑی حیوانی مورتیں نصب کی گئی تھیں، جو قرطبہ کے دارالصنعت میں تیار ہوئی تھیں۔ سب سے بڑی شکل ایک شیر کی تھی۔ جس کے ایک پہلو میں ہرن اور دوسرے میں نہنگ تھا۔ دوسرا حوض جو برنجی تھا اور جس پر سونا بڑی کاریگری سے چڑھایا گیا تھا، قسطنطنیہ کے بادشاہ نے بطور تحفہ بھیجا تھا۔ اس کے گرد بھی انسانی مورتیں بنائی گئی تھیں جن کے منہ سے پانی کی دھاریں بہ کر حوض میں گرتی تھیں۔

قصرِ شاہی تمام کا تمام سنگِ مرمر کا بنا ہوا تھا۔ اس کی چھتیں خوشنگوار اور خوشبودار لکڑی اور سونے کی بنی ہوئی تھیں۔ بغل نما محرابیں

Marfat.com

سفید اور شفاف ستونوں پر قائم تھیں۔ یہاں بھی ایک ایسا حوض بنایا گیا تھا جو پارے سے بھرا رہتا تھا۔ سورج کی شعاعیں جب اس حوض پر پڑتیں تو کمرہ بقعۂ نور بن جاتا۔

مدینۃُ الزہرا میں الناصر نے ایک عجائب خانہ اور ایک چڑیا گھر بھی بنا رکھا تھا۔ جہاں ہر قسم کے نوادرات اور چرند پرند جمع کر دیئے تھے۔ یہ حصّہ عوام کی دلچسپی سے خالی نہ تھا۔

افسوس ہے کہ یہ شہر جو بمشکل چالیس سال کے اندر مکمل ہوا تھا، پینتیس سال کے اندر ہی تباہ و برباد ہو گیا۔ ۱۰۱۰ء میں جب قرطبہ کے لوگوں نے ہشام (المؤید) کو دوبارہ تخت نشین کرنا چاہا، تو بربری افواج نے شہر کا محاصرہ کر لیا، اور ہر قسم کی کمک کو اندر پہنچنے سے روک دیا۔ اسی اثنا میں بربروں کا ایک گروہ مدینۃ الزہرا میں داخل ہو گیا، اور اسے لوٹنے کے بعد نذرِ آتش کر دیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے آگ کے شعلے آسمان سے باتیں کرنے لگے، اور آن کی آن میں یہ شہرہ آفاق بستی راکھ کا ایک ڈھیر بن گئی۔

ابوالحزم جو دَورِ آخر کی ایک اہم شخصیت ہیں مدینۃُ الزہرا کے کھنڈرات کے پاس سے گزرے اور پوچھا! ؎

قُلتُ یوماً لدارِ قومٍ تفانوا

اینَ سُکّانُکِ العزازُ علینا

ترجمہ: "میں نے اُس قوم کے مٹے ہوئے آثار سے دریافت کیا جو لڑ جھگڑ کر برباد ہو گئی تھی، کہ تمہارے آباد کار جو ہمیں دل سے عزیز تھے، کہاں گئے؟"

Marfat.com

مٹے ہوئے آثار نے زبانِ حال سے جواب دیا :-

فَاَجَابَتْ ھُنَا اقَامُوا قَلِیْلاً

ثُمَّ سَارُوْا وَلَسْتُ اعلمُ اَیْنَا

ترجمہ: "وہ کچھ دنوں یہاں ٹھہرے اور پھر چل دیئے۔ معلوم نہیں وہ کدھر کو سدھارے"۔

(۴) الحمرا (قصر)

سرزمینِ اندلس پر جس فنِ تعمیر کی ابتدا الداخل کے عہد میں رصافہ سے ہوئی تھی، اور جس کی آبیاری الناصر اور الحکم ثانی نے کی تھی وہ ملوک بنی نصر کے زمانہ میں الحمرا میں اپنے نقطۂ عروج پر پہنچا۔ غرناطہ کا یہ محل جو ایک پہاڑی کی چوٹی پر بنایا گیا تھا، پچی کاری، کاشی کاری اور نقش نگاری کا بہترین مجموعہ ہے۔ اسے یہ نام کیوں دیا گیا؟ اس لئے نہیں کہ اس کی تعمیر غرناطہ کے شاہان بنو احمر نے کی تھی، اور اسے زیب وزینت بخشی، تھی بلکہ اس لئے کہ جس مسالہ سے یہ عمارت بنی ہوئی تھی وہ سُرخی مائل تھا۔

ملوکِ بنی نصر کے زمانے سے پہلے بھی یہ ایک محفوظ قلعہ تھا جہاں خطرے کے وقت افواج پناہ گزین ہو جاتی تھیں۔ چنانچہ اس کا ذکر امیر عبداللہ اور ابنِ عبدالمومن کے واقعات کے تحت عربی تاریخوں میں موجود ہے۔

موجودہ صورت میں الحمرا کی تعمیر محمد ابن الاحمر نے کی تھی، جو خاندان بنی نصر کا پہلا بادشاہ تھا۔

اس کے گرد وپیش دلفریب مناظر کا ایسا جال بچھا ہوا تھا جسے

Marfat.com

دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی تھی۔ پہاڑی پر کھڑے ہو کر اگر اوپر کو دیکھیں تو سیرانواڈا کی برف سے ڈھکی ہوئی سربلند چوٹیاں تھیں جنہیں سورج کی شعاعیں تاجِ زرّیں پہنائے رکھتی تھیں۔ اگر نیچے کو دیکھیں تو زرخیز وادی تھی جس میں سے دریائے حدارہ DARRO بل کھاتا ہوا گزرتا تھا اور دریائے شنیل میں جا گرتا تھا۔ انواع و اقسام کے درخت جھومتے نظر آتے تھے اور مرغانِ خوش الحان کے نغمے ایک عجیب کیف پیدا کر دیتے تھے۔ جس طرح الحمرا کا ماحول پاکیزہ اور صاف ہے، اسی طرح اس کا اندرونی حصہ بھی فنِ عکس کشی اور مصوری کا ایک بہترین نمونہ ہے۔ اس میں رنگ برنگ کے ستونوں کے وہ دالان نہیں بنائے گئے، جو دوسری عمارات کا طرۂ امتیاز ہیں۔ قصر اللیوث، دارالاخنین، اور بیت العدل اپنی تزئین و آرائش کے سبب ایک خیالی حسینہ کی طرح نظر آتے ہیں جس کا آنکھ مشاہدہ تو کر سکتی ہے لیکن قلم بیان کرنے کی قوت نہیں رکھتا۔ یہ عمارت نہ تو زبرجد کی بنی ہے اور نہ ہی سنگِ مرمر اور سماق کی، بلکہ ایک خاص قسم کے چونے سے بنائی گئی ہے جو Sulphate of Lime کہلاتا ہے۔ اس مسالے کو کاریگروں نے مختلف اجزا کی آمیزش سے اس طرح تیار کیا ہے کہ صدیاں گزر جانے کے بعد بھی پامال جفا نہیں ہو سکا۔

کلیساء کے پجاریوں نے جس طرح دوسری عمارات کو تباہ و برباد کر دیا تھا۔ اسی طرح اس عمارت کی بھی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ چارلس پنجم نے تو اس کا ایک بڑا حصہ صرف اس لئے گرا دیا تھا کہ

Marfat.com

وہ اس کے مسالے سے دوسری عمارت بنا سکے گا۔

موسیو دادی لیئر اپنی کتاب "اندلس" میں ایک مقام پر لکھتے ہیں "وہ پرتکلف چینی کی تختیاں جو قصر الحمرا کے دالانوں میں نصب تھیں، چند سال قبل پیس کر چونا بنانے کی غرض سے فروخت کر دی گئیں۔ مسجد کا کانسی کا دروازہ پرانے تانبے کے نام سے بکا۔ اور وہ بیش بہا لکڑی کے کندہ کئے ہوئے دروازے جو دارِ بنی سراج میں لگے ہوئے تھے ایندھن کے کام میں لائے گئے۔ جو کچھ مال ومتاع اس میں سے بک سکتی تھی، اس کے فروخت کرنے کے بعد یہ عمارت بطور قید خانہ استعمال کی گئی اور اس میں فوجی اسلحہ کا کارخانہ بنایا گیا"

ان عمارات کے علاوہ جن کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے اور بھی بہت سے محل وقصور ہیں جنہیں ہم نے عمداً چھوڑ دیا ہے۔ ان میں سے اشبیلیہ کا القصر اور گرانڈ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

جزیرۂ سسلی میں

جس طرح غرناطہ ہمارے عروج وزوال کی داستان سے واقف ہے، اسی طرح پلرمو بھی مدتِ جزیرِ اسلام کی سرگزشت کو جانتا ہے اس نے ہمارے شباب کی رونق اور تروتازگی بھی دیکھی ہے، اور ہمارے شیب کی کہولت اور نقاہت بھی۔ اس نے ہمارے حُسن کی رعنائی اور مستی بھی دیکھی ہے اور ہمارے بڑھاپے کی کمزوری اور ضعف بھی۔ جس طرح غرناطہ تہذیب وتمدن کا گہوارہ رہا ہے اور

Marfat.com

اور علوم و فنون کا مرکز رہا ہے، اسی طرح پلرمو بھی تمدنی چکا چوند اور تہذیبِ نو کی آب و تاب کے سبب نو واردوں کی نگاہوں کو خیرہ کرتا رہا ہے۔

سسلی کے بڑے بڑے شہر مسلمانوں کے عروج کے زمانہ میں قرطبہ اور اشبیلیہ کی طرح اپنی سربفلک عمارتوں، نظر افروز سبزہ زاروں، دلکش پائیں باغوں، نزہت بخش فواروں، کشادہ سڑکوں اور پُر تکلف ہوٹلوں کے سبب زائرین کی توجہ کا مرکز بنے رہے ہیں۔ مسٹر ایس۔ پی۔ سکاٹ اخبار الاندلس میں ایک مقام پر لکھتے ہیں۔[1]

"ابنِ حوقل جیسے سیاح اور ادریسی جیسے جغرافیہ دان صقلیہ کے نارمنوں کے زمانہ کے اسلامی شہروں کے دلچسپ حالات چھوڑ گئے ہیں۔ اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام شہروں میں پلرمو کو تفوق حاصل تھا۔ نہ صرف اس لئے کہ وہ دارالحکومت تھا۔ بلکہ اس لئے بھی کہ وہ سب سے زیادہ دولت مند شہر تھا۔ وہاں کے باشندے نہایت مہذب اور ذہین ہوتے تھے۔ صرف مسجدیں ہی وہ عمارتیں نہ تھیں جہاں باشندگانِ پلرمو کے اسراف و تکلفات کے نمونے اور شان و شوکت کے نظارے دکھائی دیتے تھے، بلکہ دولت مندوں اور معززین کے مکانات بھی ایسے ہی ہوتے تھے جن کی نظیر

---

[1] ابن حوقل ۳۶۲ھ میں نارمنوں کی آمد سے پہلے سسلی آیا تھا۔ جو حالات اُس نے قلمبند کئے ہیں وہ نارمنوں کے عہد سے قبل کے ہیں۔ ابنِ جبیر بہر حال ۱۱۸۴ء میں یہاں آیا تھا۔

Marfat.com

سوائے قرطبہ کے اور کسی اسلامی شہر میں نہیں ملتی تھی جو صنعت و نزاکت ان عمارتوں میں تھی، وہ واقعی اس مسالے اور قیمتی پتھروں کے قابل تھی جن سے وہ بنائی گئی تھیں۔ ان کی دیواریں رنگا رنگ کے پتھروں کی ہوتیں۔ تمام فرش میں قیمتی پتھروں کی پچی کاری ہوتی، چھتوں میں مارپیچ وضع کے ساتھ مذہبی اصول کے مطابق نقش و نگار بنے ہوتے، جگہ جگہ انہیں مختلف رنگوں سے مزین کیا جاتا، یا سونے کا کام ہوتا صحنوں میں خوشبودار پھولوں کے درخت لگے ہوتے جن سے تمام مکان طبلۂ عطار بنا رہتا۔

نہریں تھیں کہ ہر ایک بڑی عمارت کے خانہ باغ میں بہہ رہی تھیں۔ زمانۂ قدیم کے طرز کے فوارے ہر سیرگاہ اور سرسبز مقامات میں اچھل رہے تھے۔

تمام بازار کشادہ تھے، اور پتھروں کا صاف شفاف فرش تھا۔ بازاروں میں بیش قیمت اور بیش بہا مال بھرا رہتا۔ مکانات ریختہ پتھروں کے ہوتے، جن کے جوڑ نہایت احتیاط اور خوبصورتی سے ملائے جاتے تمام کوچہ و بازار میں روشنی ہوتی۔ محلات عالیشان اور خوبصورت تو تھے ہی، غرباء کے مکان بھی اچھی گنجائش اور آرام کے ہوتے، اور جیسے کچھ بھی تھے، بہرحال لندن اور پیرس کے اس زمانہ کے غرباء کے مکانوں

Marfat.com

اندلس ان کا حق ہے۔ اس حق کو ان لوگوں کے اجداد نے غصب کر لیا تھا جو اس وقت اس سرزمین کو اپنی ملکیت سمجھے بیٹھے ہیں۔ اس ملک کو وہ بہت جلد اپنے ہاتھ سے اس طرح کھو دیں گے جس طرح خود ان کے (فرڈی ینینڈ) کے اجداد نے کھو دیا تھا۔"

فرڈی نینڈ نے ایک طرف تو پوپ کو یہ جواب دیکر نرم کیا اور دوسری طرف بایزید ثانی کو یہ کہہ کر چپ کرا دیا کہ وہ امیر مصر کے خلاف اس کی افواج اور سامانِ حرب سے مدد کرنے کو تیار ہے۔ چنانچہ بایزید ثانی نے "اسلام کے نام لیواؤں کو ان کے حال اور قسمت پر چھوڑ دیا۔"

یکم ربیع الاوّل ۸۹۶ھ (مطابق ۳۰ ردسمبر ۱۴۹۱ء) کو عیسائیوں کے ساتھ ایک معاہدہ کیا گیا جس کی اہم شرائط حسب ذیل تھیں۔

۱۔ مسلمانوں کے جان و مال کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچنے پائیگا جہاں وہ رہنا چاہیں آزادی سے رہ سکتے ہیں۔

۲۔ کوئی عیسائی کسی مسلمان کا راہ چلتے مذاق نہ اُڑائے گا اور نہ ہی اس پر آوازہ کسے گا۔ اگر کسی نے تمسخر کیا تو اسے قرار واقعی سزا دیجائے گی۔

۳۔ مسلمانوں کے مذہبی امور میں عیسائی دخل نہ دیں گے۔ کوئی عیسائی مسجد میں داخل نہ ہوگا۔

۴۔ مسلمانوں کے معاملات میں شرع اور انہی کے قانون کی پابندی کی جائے گی۔ مسلمان قاضی ان کے معاملات اور خصوصیات کا تصفیہ کرے گا۔

Marfat.com

۵۔ اس جنگ میں جو مسلمان گرفتار ہوئے ہیں، وہ فوراً رہا کر دیئے جائیں گے اور جو مسلمان عیسائیوں کی قید سے بھاگ کر شہر میں داخل ہو گئے ہیں، ان کے خلاف کوئی چارہ جوئی نہیں کی جائے گی۔

۶۔ اگر کوئی مسلمان افریقہ جانا چاہے گا، تو حکومت اس کو اپنے انتظام سے افریقہ بھجوائے گی۔

۷۔ جن عیسائیوں نے اسلام قبول کر لیا ہے، انہیں ترکِ اسلام پر مجبور نہ کیا جائے گا۔ اگر کوئی مسلمان عیسائی ہونا چاہے تو اس اطمینان کے بعد کہ وہ برضا و رغبت اپنا مذہب بدلنا چاہتا ہے، ایسا کرنے کی اجازت دی جائے گی۔

۸۔ اس جنگ میں جو مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگا ہے، وہ بدستور انہی کے قبضہ میں رہے گا۔

۹۔ مسلمانوں پر موجودہ ٹیکس کے علاوہ کوئی نیا ٹیکس عائد نہیں کیا جائے گا۔

۱۰۔ سلطان ابوعبداللہ کو البشارات کی جاگیر سونپ دی جائیگی۔

۱۱۔ آج سے ساٹھ روز کے اندر اس معاہدہ کی تمام شرائط پوری کر دی جائیں گی۔

۱۲۔ معاہدہ کا اثر قائم رکھنے اور عیسائیوں کو اس کی پابندی پر مجبور کرنے کی غرض سے اس معاہدہ پر پاپائے روم کے دستخط کرائے جائیں گے اور وہ اس کی تعمیل کا ذمہ دار ہوگا۔

۱۳۔ مقررہ میعاد کے اندر غرناطہ کا شہر، الحمرا کا قلعہ اور دیگر آلاتِ حرب و ضرب عیسائیوں کے حوالے کر دیا جائے گا۔[1]

---

[1] عرب اسپین میں، کانڈے، ج ۳، ص ۳۹۶۔

Marfat.com

یہ صلح نامہ جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے کم و بیش پچپن دفعات پر مشتمل تھا۔ اگر اسے اندلس کے مسلمانوں کی بدبختی کی آخری دستاویز کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ اس عہد نامہ کے علاوہ جس کا تعلق عام مسلمانوں اور ان کے مفادات سے تھا، ایک اور عہد نامہ بھی ترتیب دیا گیا جو ابوعبداللہ محمد، ان کے خصوصی اختیارات اور مراعات سے متعلق تھا۔ عیسائی فرمانروا نہ تو پہلے معاہدے کی شقیں پوری کرنے کے لئے آمادہ تھے اور نہ ہی دوسرے معاہدے کی شرائط کی تعمیل کے لئے مخلص تھے۔ کسی "کافر" سے جو معاہدہ کیا جاتا تھا اس کی پابندی کرنا اتنا بڑا جرم تھا کہ اس کی معافی بمشکل تمام پادریوں کے حضور سے مل سکتی تھی۔ اگر کوئی عیسائی بادشاہ اپنے نقصان کے اندیشہ سے بھی ان معاہدات کو پورا کرتا جو مسلمانوں سے کئے گئے تھے تو اس بادشاہ پر ایک طرف اس کی رعایا مذاق اُڑاتی اور دوسری طرف کلیسا اسے ملعون قرار دیتا۔[۱]

معاہدہ کی شرائط کو عوام سے پوشیدہ رکھنے کی پوری کوشش کی گئی لیکن بے سود۔ لوگوں کو جب اس رسوائے زمانہ صلحنامہ کا علم ہوا تو وہ بغاوت پر اُتر آئے لیکن ع

مرے شوق کی بلندی، مری ہمتوں کی پستی

ابوعبداللہ لوگوں کے بدلے ہوئے تیور دیکھ کر گھبرا گیا۔ اس نے طے کرلیا کہ وہ شہر کی چابیاں اگلے ہی روز فرڈی نینڈ اور ملکہ ازابیلا کے حوالے کر دے گا۔ آئندہ رات اگر ابوعبداللہ اور اس کی مسلمان رعایا

[۱] اخبار الاندلس، ج ۲، ص ۳۳۹۔

Marfat.com

کے لئے "شبِ یلدا" کا حکم رکھتی تھی تو فرڈی نینڈ اور اس کی عیسائی رعایا کے لئے "شبِ برات" کا اثر رکھتی تھی۔ ایک طرف تو ابو عبداللہ اور اس کا تمام خاندان رختِ سفر باندھنے میں مصروف تھا اور الحمرا کے در و دیوار کو بہ حسرت و یاس دیکھ رہا تھا، دوسری طرف فرڈی نینڈ اور اس کی قوم خوشی کے شادیانے بجا رہی تھی اور اس انتظار میں تھی کہ رات کا تاریک پردہ چاک ہو اور وہ صبح دم لیلیٰ غرناطہ کو حاصل کر لیں۔

۲ر جنوری ۱۴۹۲ء کو مسلمانوں سے اندلس کی حکومت سنبھالنے کی تیاریاں مکمل ہو چکیں تو شاہ فرڈی نینڈ اور ملکہ ازابیلا اپنے امراء اور عمائدینِ شہر کے ساتھ قصرِ الحمرا میں داخل ہوئے۔

"خاندانِ شاہی کے افراد، اراکین سلطنت اپنا پر تکلف لباس پہنے بادشاہ کے جلو میں تھے۔ ملکہ ازابیلا اپنی خدم و حشم کے ہالہ کے درمیان چاند کی مانند موجود تھی۔ جب یہ باشکوہ جلوس، طبل و بوق، فوجی باجوں کی آواز، پرچموں کی حرکت اور لاکھوں آدمیوں کے خوشی کے نعروں کے ساتھ قصرِ الحمرا کی طرف آگے بڑھا تو الحمرا کا دروازہ آہستگی سے کھلا۔ چند خوبرو نوجوان، گھوڑوں پر سوار کورنش بجا لانے کے لئے آگے بڑھے۔ یہ لوگ ڈھیلے ڈھالے مختلف اللون ریشمیں کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ جب وہ چلتے تھے تو نسیم صبح ان کے لباس کے ساتھ شوخیاں کرتی تھی۔ ان کے زرہ بکتر اور نیچوں کو کھول کھول دیتی تھی جن میں ہر قسم کے جواہرات چمک رہے تھے۔ ان میں پہلا سوار بدقسمت ابو عبداللہ

Marfat.com

تھا اور باقی لوگ اس کے بدنصیب ساتھی تھے۔"[1]

ابوعبداللہ فاتح غرناطہ کو داخل ہوتے دیکھ کر گھوڑے سے نیچے اُتر پڑا اور اس کے گھوڑے کی باگ تھام لی۔ شہر کی چابیاں بصد عجز دنیاز اس کے حوالے کیں اور عرض کیا "یہ کنجیاں اسپین میں عربوں کے اقتدار کی آخری نشانی ہیں۔ آپ انہیں لے لیجئے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی مشیّت کے مطابق ہمارا ملک، ہمارے مال اور ہماری جانیں سب آپ کی ملکیت ہیں۔ اُمید ہے کہ آپ نے جیسا وعدہ کیا ہے اس کے مطابق ہی معاملہ کریں گے۔"[2] فرڈی نینڈ نے ابوعبداللہ کو یقین دلایا کہ "مسلمانوں سے جو وعدے کئے گئے ہیں انہیں پورا کیا جائے گا۔" اس کے بعد ٹنڈ یلا (Conde de Tendilla) قصرالحمرا کے سب سے بلند مینار پر چڑھ گیا اور مطلّا صلیب اس پر نصب کر دی۔ "تاریخ بنی نوع انسان میں کوئی واقعہ اتنا درد انگیز اور جانکاہ نہیں ہوتا جتنا کہ ایسی قوم کا مٹ جانا جس نے انسانوں کے آرام و آرائش اور خوشی و خوش حالی کیلئے بڑے بڑے کام کئے ہوں۔ جس نے علم کے ہر شعبہ میں وہ انکشافات کئے ہوں کہ جن کی داد علماءِ وقت نے دی ہو اور نسلہائے مابعد اس کی ممنون ہوں۔"

ابوعبداللہ اپنی نئی جاگیر الفجارہ کیطرف روانہ ہو گیا جب پیڈل (Padul) کے مقام پر پہنچا تو اس نے ایک نگاہ غرناطہ اور اس کے اطراف واکناف پر ڈالی جہاں اس کے خاندان نے صدیوں

---

[1] اخبار الاندلس، ج ۲، ص ۱۹۷

[2] عرب اسپین میں، کانڈے، ج ۳، ص ۴۰۱

Marfat.com

حکومت کی تھی اور جہاں انکا اخترِ اقبال چمکا تھا۔ شدّتِ جذبات سے اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اس کی ماں نے، جو ایک سمجھ دار عورت تھی، اپنے بیٹے کو یوں سسکیاں بھرتے ہوئے دیکھا تو کہا: اب رونے سے کیا حاصل۔ اچھا ہوتا کہ تو نے ملک کا دفاع مردوں کیطرح کیا ہوتا۔ ابوعبداللہ نے غرناطہ پر جو "حسرت آمیز نگاہِ واپسیں" ڈالی تھی وہ تاریخ میں "دمِ واپسینِ عرب" کے نام سے مشہور ہوگئی۔

ابوعبداللہ کے رخصت ہوتے ہی عیسائیوں نے تمام مواعید کو گلدستۂ طاقِ نسیاں بنا کر رکھ دیا۔ اس طرح علم و عرفان کی وہ شمع جو آٹھ صدیوں تک روشن رہی تھی، اس کے اخراج کے ساتھ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گئی۔

مسلمانوں کی حالت دگرگوں تھی۔ ان کا مال محفوظ تھا نہ ان کی جان، انہیں اپنے رسم و رواج کو پورا کرنے کی اجازت تھی نہ مذہبی فرائض کو ادا کرنے کی آزادی۔ غریب کی جورو سب کی بھابھی کے مصداق ہر کوئی انہیں لتاڑتا نظر آتا ہے۔ ظلم و ستم اور جور و تشدد کی کوئی معلوم صورت ایسی نہ تھی جو مسلمانوں پہ روا نہ رکھی گئی ہو۔ ۱۴۹۹ء میں ایک شاہی حکم کے مطابق ان تمام مسلمانوں کو اندلس سے نکل جانے کے لیے کہا گیا جو عیسائیت کو قبول کرنے سے گریزاں تھے۔ بہت سے مسلمانوں نے جو کمزور دل اور کمزور ایمان کے مالک تھے اپنا مذہب بدل لیا، اُنہوں نے حرم کو چھوڑ بت خانہ کی راہ لی۔

جن مسلمانوں نے صبر و استقامت کی راہ اختیار کی، انہیں دار و رسن کی آزمائش سے گزرنا پڑا۔ ان کا معاملہ محکمہ تفتیشِ مذہبی کے سپرد

Marfat.com

کر دیا گیا۔ ایک ایسا وقت بھی آیا کہ انہیں اپنا لباس پہننے، اپنی زبان بولنے اور اللہ تعالیٰ کے آستانۂ جلال و جبروت پہ معروف طریقہ سے جھکنے سے روک دیا گیا۔ لطف تو یہ ہے کہ عیسائی پادریوں کے کہنے پر انہیں نجاستِ صغریٰ و کبریٰ دونوں حالتوں میں غسل کرنے سے منع کر دیا گیا۔ عیسائیت اس دور میں زہد و ورع، علم و حلم اور لطف و کرم سے عبارت نہیں تھی بلکہ اس کی بنیاد تقدس کی جھوٹی شہرت، سفلہ پن، جھل و کذب اور جبر و تشدد پر اٹھائی گئی تھی۔ میلا کچیلا رہنا، اس زمانہ میں عیسائی تقدس کا طرۂ امتیاز تھا۔ ملکہ میری کے شوہر نامدار فلپ ثانی نے تمام ملک میں حماموں کو تباہ کر دینے کا حکم اس لئے دیا تھا کہ وہ کفر کے علامات و آثار سمجھے جاتے تھے[1]۔ شیمنس (ایک خبیث روح) جب اندلس کا لارڈ بشپ مقرر ہوا تو مسلمانوں کو اس کی تنگ دلی، تعصب اور غیر مسامحت کا نشانہ بننا پڑا۔ وہ مساجد جن کے بلند و بالا میناروں سے ہر روز پانچ مرتبہ اللہ اکبر کی آواز بلند ہوتی تھی گرجوں میں بدل دی گئیں۔ ان کی دیواروں پہ جو اپنے نقش و نگار کی خوبصورتی اور تزئین و آرائش کی جدت کے لئے دل موہ لینے والی تھیں سفیدی پھیر دی گئی۔ خدائے واحد و قہار کے نام لیواؤں کو ہزاروں کی تعداد میں یہ کہہ کر بپتسمہ دیا گیا کہ وہ اسلام سے بیزار تھے۔

عیسائی مسلمانوں کے درپے آزار تو تھے ہی، اب انہوں نے مسلمانوں کے علمی اور ثقافتی کارناموں کو بھی مٹانا چاہا۔ ہر قسم کی کتابیں کو جو انفرادی اور پبلک لائبریریوں میں جمع ہو گئی تھیں باب الرملہ کے چوک میں لاکر جلا دیا گیا۔ اس وحشیانہ مذہبی جوش سے جو نقصان

---

[1] مسلمانانِ اندلس۔ انصاری۔ ص ۱۰

دنیا کو پہنچا اس کا ادنیٰ اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ غالباً دنیا بھر میں ایسا قیمتی ذخیرۂ علوم و فنون کہیں نہ ہوگا جس کو شیمنس نے اس تاریخی چوک میں خاک سیاہ کر دیا۔ اس وحشیانہ فعل سے مالی نقصان تو بہت ہوا ہی تھا مگر اس کا مہلک اثر جو سوسائٹی پر پڑا وہ بالکل ناقابلِ بیان ہے۔ اس سے وہ یگانۂ روزگار علمی یادگاریں تباہ ہوگئیں جن کا بدل ناممکن ہے۔[۱] ایک محتاط اندازے کے مطابق اسّی ہزار سے زیادہ نادر و نایاب کتابیں اور مخطوطات نذرِ آتش کر دیے گئے۔

مسلمان جب آئے دن کی پابندی سے تنگ آگئے تو انہوں نے عیسائی حکومت کے خلاف بغاوت کر دی جو فوراً ہی ناکام بنا دی گئی۔ ۱۶۰۴ء میں مسلمانوں کو نقلِ مکانی پر مجبور کر دیا گیا۔ فرڈی نینڈ کے غرناطہ پر تسلط سے لیکر آخری حکمِ جلاوطنی تک جن لوگوں نے اسپین کو خیرباد کہا ان کی تعداد تیس لاکھ سے زیادہ ہے۔ اس باب کو ختم کرنے سے پہلے ہم لین پول کی تصنیف (THE MOORS IN SPAIN) کا آخری پیراگراف نقل کرنا چاہتے ہیں جس میں فاضل مصنف نے عربوں کو ان کے علمی اور ثقافتی کارناموں پر خراجِ عقیدت پیش کیا ہے اور عیسائیوں کا ان کے گنوارپن، مذہبی جنون، عدم رواداری اور بے ذوقی کے لیے ماتم کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

> "بد راہ اسپینی نہیں سمجھے کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔ مسلمانوں کے اخراج سے ان کو مسرت ضرور ہوئی اور کچھ عرصے کیلئے اس سے زیادہ دلچسپ اور دل آویز کہانی اور کوئی نہ تھی۔

---

[۱] اخبار الاندلس، ج ۳، ص ۲۵۵

Marfat.com

ان کے شاعر (Lope de Vega) نے اس "منصفانہ فرمان" کی بے حد تعریف کی جس کے ذریعے فلپ سوم نے بقیۃ السیف مسلمانوں کو افریقہ جلاوطن کر دیا۔ اور (Velazques) نے یادگار کے طور پر اس کا مرقع تیار کیا۔ (Cervantes) ایسے نرم خو اور بے تعصب شخص کو بھی عیسائیوں کے اس فعل کو قرین انصاف قرار دینا پڑا۔ یہ لوگ نہیں سمجھے کہ وہ سونے کا انڈا دینے والی مرغی کو کھو بیٹھے ہیں۔ کئی صدیوں تک اسپین تہذیب کا مرکز رہا تھا، علوم و فنون کا ملجا و ماوا اور بلند خیالی کا مرکز بنا رہا تھا۔ یورپ کا کوئی دوسرا ملک عربوں کی ترقی یافتہ مملکت کے پاسنگ کو بھی نہیں پہنچا تھا فرڈی نینڈ، ملکہ ازابیلا اور چارلس پنجم کی سلطنت کی چند روزہ چمک دمک ایسی پائیدار شان و شوکت کی بنیاد قائم نہ کر سکی۔ مسلمان تو ملک سے نکال دیئے گئے اور تھوڑے عرصہ تک عیسائی اسپین ماہتاب کی طرح مستعار روشنی سے چمکتا نظر آیا۔ اس کے بعد اس کو گہن لگ گیا اور آج تک اسی تاریکی میں پڑا ذلت اٹھا رہا ہے۔ مسلمانوں کی سچی یادگار بنجر زمین کے ان قطعات میں نظر آتی ہے جہاں مسلمانوں نے انگور، زیتون اور اناج کے خوشے پیدا کیے تھے؛ اس غبی و جاہل مخلوق میں دکھائی دیتی ہے جہاں کسی زمانہ میں ذہانت اور علمیت پھلتی پھولتی تھی

Marfat.com

اور اس جامد و ساکن اور رُوبہ انحطاط قوم میں ملتی ہے جو پستیٔ و ذلّت کے عمیق غار میں گری ہے اور اسی کی مستحق ہے۔"

Marfat.com

- جزائر سسلی میں اسلامی سلطنت کا عروج و زوال ۔
- سسلی کے جغرافیائی حالات اور قدیم تاریخ ۔
- اسد بن فرات کی قیادت میں مسلمانوں کا سسلی پر حملہ اور انکی کامیابی ۔
- اسد بن فرات کی شہادت اور محمد ابن ابی الجواری کا سپہ سالار بننا ۔
- اسلامی فتوحات ۔ علم و فن کی ترویج اور زرعی ترقی کے لئے کاوشیں ۔
- مسلمانوں کا مشرقی عربی فنِ تعمیر اور اس کے محاسن ۔
- مسلمانوں کا حسنِ معاشرت اور ان کی مخصوص تمدنی زندگی ۔
- راجر اوّل کا برسرِ اقتدار آنا اور مسلمانوں کا اخراج ۔
- ولیم اوّل کے عہد میں مسلمانوں کی حالت اور ابن جبیر کے مشاہدات ۔
- اسلامی تہذیب و تمدن کا نارمن حکمرانوں پر اثر ۔ عورتوں کا معاشرے میں مقام اور صقلیہ سے مسلمانوں کی ہجرت ۔

Marfat.com

باب ۲۰

بحیرۂ روم کے تمام جزائر میں جزیرہ صقلیہ سب سے زیادہ زرخیز اور مردم خیز ہے۔ خلیج مسینا اس کو اٹلی سے جدا کرتی ہے اس کی شکل مثلث سے ملتی جلتی ہے۔ اس کا محیط تقریباً چھ سو چوبیس میل ہے اور رقبہ دس ہزار مربع میل ہے اس کی آبادی چھتیس لاکھ کے لگ بھگ ہے۔

اس جزیرہ کے طول میں ایک سلسلہ کوہ ہے جو پوڈل فارو سے شروع ہوکر ٹاورمینا تک جنوب مغرب کی طرف ہوتا ہوا چلا گیا ہے۔ یہ شمالی ساحل سے زیادہ قریب ہے۔ تمام جزیرہ میں آب رسانی اسی سلسلہ کوہ سے ہوتی ہے۔ اس کی سب سے بلند چوٹی ۱۰۸۴۲ فٹ ہے۔ جزیرہ صقلیہ کے مشرقی ساحل پر کوہ ایٹنا ہے جس سے عرب جغرافیہ نویسوں کو گہری دلچسپی رہی ہے۔ اسلامی دور میں یہ پہاڑ متواتر لاوا اُگلتا رہا ہے۔ ابن جبیر اور مقدسی نے اسے دھواں نکالتے اور آگ برساتے دیکھا ہے۔ اس جزیرہ میں جنگلات کم ہیں۔ اگرچہ ہموار زمینیں نہیں ہیں پھر بھی ساحل کی جانب بہت سے ہموار اور زرخیز میدان واقع ہیں۔ پہاڑوں سے بہنے والے

Marfat.com

چشمے زراعت و فلاحت کے کام میں مدد دیتے ہیں۔ بحیرۂ روم میں گرنے والے دریاؤں کی تعداد تیرہ بتائی گئی ہے جن سے بڑی کشتیاں اندرونِ ملک میں پہنچ سکتی ہیں۔

صقلیہ کی آب و ہوا بحیرۂ روم کے خطّے کی آب و ہوا سے مشابہ ہے۔ بارش صرف جاڑوں کے موسم میں ہوتی ہے۔ ابنِ حوقل کی تحریر سے پتہ چلتا ہے کہ شمالی علاقوں میں جو ہوا چلتی ہے وہ خشک بھی ہے اور مضرت رساں بھی۔ خشک اس قدر کہ ذہنی کیفیت متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی۔ باقی جگہوں پہ آب و ہوا خوشگوار اور صحت بخش ہے۔

اسلامی دورِ حکومت میں نہروں کے جامع اور وسیع نظام کے سبب چراگاہوں کو وسعت دی گئی اور (Cash Crops) کاشت کی گئیں تاکہ زمیندار کو اپنی محنت کا ثمر فوراً مل جائے۔ بادِ سموم کے ضرر رساں پہلوؤں کو دور کر کے اور کوہ ایٹنا کی آتش فشانی کے عمل کا سدِباب کر کے مسلمانوں نے یہاں کی زراعت کو حیرت انگیز ترقی دی۔ ادریسی نے اپنی تصنیف میں میٹھے پانی کے چشموں، لہلہاتی کھیتیوں اور بار آور درختوں کا کثرت سے ذکر کیا ہے فصلوں میں گیہوں، چنا، جوار، باجرہ، السی اور سن اور سبزیوں میں کدو، بینگن اور پیاز خاص اہمیت رکھتے تھے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ صقلیہ کی سرسبزی و شادابی اسلامی عہد میں کتنی نمایاں تھی۔ مسلمانوں نے یورپ سے کپاس کے پودے کا تعارف صقلیہ اور اندلس کے راستے سے کرایا۔ انہوں نے شکر کی کاشت کا طریقہ چین سے معلوم کیا اور اسے یہاں کامیابی سے آزمایا۔ اس کے علاوہ اَن گنت

Marfat.com

طبی جڑی بوٹیاں، خربوزہ، چکوترہ، زعفران اور لیموں مسلمانوں کی ان تھک کوششوں اور تحقیق و جستجو کے مرہون منت ہیں۔

مسلمانوں نے یہاں کی معیشت کو بہتر بنانے کے لئے جہاں زمین کی پیداواری قوتوں میں اضافہ کیا وہاں اُنھوں نے زمین کے اندر چھپی ہوئی معدنی دولت کو باہر نکالنے کی بھی مقدور بھر کوشش کی۔ صقلیہ کی کانوں سے سونا، چاندی، سیسہ اور لوہا بکثرت نکلتا تھا۔ بعض جگہوں پر گندھک، پھٹکڑی، سرمہ اور نوشادر کے ذخائر بھی موجود تھے۔ ان کے علاوہ عمارتی پتھر اور مونگا بھی دستیاب تھا۔

مختلف اقوام کی عملداری کے سبب مختلف زبانیں بولی جاتی رہی ہیں۔ لیکن یہاں کے اصل لوگ لاطینی (LATIN) ہی بولتے ہیں۔ عربوں کے دورِ حکومت میں عربی یہاں کی سرکاری زبان تھی۔

قدیم تاریخ

ازمنہ قدیم میں جو قوم سب سے پہلے یہاں آکر آباد ہوئی سکونی کہلاتی ہے۔ یونانیوں کی پہلی بستی ۷۳۵ ق.م. میں قائم ہوئی۔ کہا جاتا ہے کہ یونانیوں نے مختلف علاقوں کو فتح کرنے کے بعد یہاں جمہوری طرز کی حکومت قائم کی اور ملکی تجارت کو فروغ بخشا۔ امتدادِ زمانہ کے ساتھ جمہوریت نے آمریت کو جنم دیا۔ ان ظالم بادشاہوں میں جن کے دامن پر معصوم اور عفیفہ عورتوں کے خون کے دھبے اب تک نمایاں ہیں گیلون خاص اہمیت رکھتا ہے۔ اس نے سیراکوس کو اپنا دارالسلطنت بنایا اور اسے شوکت و صولت بخشی۔

Marfat.com

آہستہ آہستہ قرطاجنہ والوں نے یہاں اپنی نوآبادیاں قائم کرنی شروع کیں۔ یونانیوں نے انہیں آگے نہ بڑھنے دیا۔ گیلون نے ہمیرا کی جنگ میں قرطاجنہ والوں کو شکستِ فاش دی۔ نااہلی اور عیش پرستی کے سبب گیلون کا خاندان ۴۶۶ ق۔م میں تباہ ہوگیا۔ اب قرطاجنہ والوں کو پاؤں پھیلانے کا موقع مل گیا۔ چنانچہ انہوں نے تھوڑے ہی عرصہ میں اہم مقامات زیرِنگین کرلئے۔ تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ یونانیوں اور قرطاجنہ والوں کے درمیان اقتدار کے لئے جنگ ۲۴۶ ق۔م تک جاری رہی۔ اس کے بعد یہ جزیرہ رومی اقتدار میں چلا گیا۔ رومیوں کی آمد کے ساتھ اس کی تاریخ تاریکی کے پردے میں چلی جاتی ہے۔ ۴۴۰ء میں وینڈال نے اس جزیرہ پر قبضہ جما لیا۔ کچھ عرصہ حکومت کرنے کے بعد ۵۳۵ء میں یہ علاقہ بازنطینی اقتدار میں آگیا۔

یوں تو ہر قوم کی تاریخ اور اس کی زبان میں دیومالائی قسم کی کہانیاں کثرت سے ملتی ہیں لیکن صقلیہ (سسلی) کی قدیم تاریخ کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ اس میں مافوق الفطرت انسان بھی ملتے ہیں، عجیب الخلقت حیوان بھی اور یگانۂ روزگار تمثیل نگار اور شاعر بھی۔ ایک سرسری نظر ڈالیے آپ کو سائیکلوپ[1] ایسے دیو قامت انسان ملیں گے جنہوں نے بادلوں کو گرجنا سکھایا، سرسے[2] ایسی ماہ وش اور خوبصورت بالوں والی عورت دکھائی دے گی جو عقلِ کل آیے ٹس[2] کی بیٹی ہے اور ارسٹوفنیس[3] اور ٹیرینس[4] ایسے ڈرامہ نگار اور شاعر بھی نظر آئیں گے جن کی تخلیقات

---

[1] Cyclope [2] Circe

[3] Aristophanes [4] Terence

زبان کی شگفتگی، تخیل کی بلندی اور مزاح (HUMOUR) کی چاشنی کے لیے مشہور ہیں۔

علم الاصنام کی دنیا سے نکل کر اگر ہم صقلیہ کے جغرافیائی ماحول پر نگاہ ڈالیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ صقلیہ سماجی اور اقتصادی لحاظ سے ترقی یافتہ اور مرفہ حال تھا۔ مسینا، پلرمو اور کروٹونا کے شہروں میں سامانِ تجارت کی فراوانی، لوگوں کی آسودگی اور تمدنی زندگی کی چکاچوند اس بات کا بین ثبوت ہیں کہ اہالئِ صقلیہ تمام جزائر میں زیادہ خوش حال اور سیاسی شعور کے مالک تھے۔

جس طرح ہر گلستان کا جوبن خزاں کے ہاتھوں پامال ہو جاتا ہے اسی طرح قومیں بھی کچھ عرصہ کے لئے بہار دکھا کر خزاں کی گود میں جا سوتی ہیں۔ ان کا شباب ڈھل جاتا ہے، ان کے اقتصادی وسائل مفلوج ہو جاتے ہیں اور ان کے فوجی محاسن زائل ہو جاتے ہیں۔ صقلیہ بھی مدّ و جزر کے اس اصول سے نہیں بچ سکا۔ ایک زمانہ تھا کہ صقلیہ یونانی تہذیب کا مرکز، رومی عظمت کا گہوارہ اور وحشیانہ لذات و شہوات کی تماشا گاہ تھا۔ اب جو حالات بدلے تو زوال پذیر سوسائٹی نے راہبوں اور عابدوں کے مجرّد تصورات کی پرستش شروع کر دی۔ کلیسا کے دورِ اقتدار میں یہ اسی طرح جہالت اور توہم پرستی کا شکار تھا جس طرح یورپ کے باقی حصے۔ پوپ کی آمدنی کا بڑا ذریعہ ان غلاموں کی محنت تھی جن کی اولادوں کو کھلی منڈی میں اس لئے بیچ دیا جاتا تھا کہ پوپ اور اس کے خادموں کی تجوریاں بھری جائیں اور ان کی "چشمِ تنگ دنیادار" کی سیری کا انتظام کیا جائے۔

Marfat.com

"جو جائیداد ایک مرتبہ پادریوں کے فولادی پنجہ میں آجاتی تھی اس پر مالک خواہ کتنا ہی قانونی حق جتلائے اور سر پٹک کر رہ جائے، ان مقدسین کی گرفت سے نہیں چھوٹ سکتی تھی"[1] سینٹ پیٹر کو یہاں کے پادریوں پر جو دولتمند، متکبر، طاقتور، فسادی اور خبیث تھے بڑا ناز تھا۔ ظاہر ہے کہ خدا فراموش سوسائٹی میں مذہب کے ٹھیکیداروں کا یہی کردار ہوتا ہے۔

امراء اگر عیش پرست تھے تو پادری گم گشتۂ راہ۔ صقلیہ کی فتح کے وقت ملک کے معاشی، معاشرتی اور اخلاقی حالات ان حالات سے کہیں زیادہ مخدوش تھے جو اندلس میں آٹھویں صدی عیسوی میں اسلامی حملے کے وقت پائے جاتے تھے۔ کئی ایک محرکات کے علاوہ جن میں ہر ایک بجائے خود اہم اور موثر ہے۔ یوفے می یس (Euphemius) کا ایک راہبہ کو خانقاہ سے لے اڑنا اور اسے اپنی ہوس کا نشانہ بنانا، صقلیہ پر مسلمانوں کے حملے کا فوری سبب ثابت ہوا۔[2] یوفے می یس کو جسے عرب مورخین نے فیمی کے نام سے یاد کیا ہے بازنطینی شہنشاہ نے اذیت ناک سزا دینے کا فیصلہ کیا تاکہ دوسروں کو عبرت حاصل ہو۔ فیمی نے اپنی جان بچانے کے لئے امیر زیادۃ اللہ سے رجوع کیا اور سلطان افریقہ کو اپنی اعانت کا یقین دلاتے ہوئے صقلیہ پر حملے کی دعوت دی۔ امیر زیادۃ اللہ پہلے ہی ان علاقوں کو زیرنگیں لانے کے بارہ میں سوچ رہے تھے۔ انہیں جب معلوم ہوا کہ صقلیہ انتشار و افتراق کا شکار ہے اور

---

[1] اخبار الاندلس، ج ۲، ص ۷۔ [2] اخبار الاندلس، ج ۲، ص ۱۱۔

Marfat.com

وہاں کے عوام وڈیروں کے ظالمانہ سلوک سے تنگ آ چکے ہیں تو انہوں نے قاضی اسد بن فراتؒ کو جو علم وفضل اور زہد و ورع میں اپنی مثال نہ رکھتے تھے اسلامی افواج کا سپہ سالار مقرر کیا۔

اسد، فقیہہ اور محدث ہونے کے علاوہ جنگجو اور جری بھی تھے اور یہ حقیقت ہے کہ "افریقہ میں اس سے پیشتر ان دو جلیل القدر عہدوں پر کوئی شخص بیک وقت فائز نہیں ہو سکا۔"

لشکر کی امارت زیادۃ اللہ نے ان کے سپرد کی تھی۔ حالانکہ وہ اس عہدۂ امارت کو قبول کرنے کے لئے رضامند نہ تھے۔ وہ اس وقت قاضی القضاۃ تھے اور اپنے عہد کے یگانۂ روزگار فقہا اور محدثین کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کر چکے تھے۔ آپ کے اساتذہ میں حضرت امام مالکؒ، قاضی ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ جیسے جلیل القدر اصحابِ علم شامل ہیں۔

مقررہ دن یہ لشکر بڑی شان و شوکت کے ساتھ قیروان سے سوسہ کی جانب روانہ ہوا۔ ارکانِ دولت، عمائدینِ شہر اور اصحابِ علم ساتھ شاملِ تھے۔ اصل لشکریوں کی تعداد دس ہزار سے متجاوز نہ تھی جب جنگی بیڑا روانہ ہونے لگا، تو مسلمانوں نے ان جاں نثاروں کو فلک شگاف نعروں سے الوداع کہا۔ مسلمانوں کی آبدار تلواریں جوشِ جہاد سے اس طرح لہرائیں جس طرح ابر آلود رات کو بجلی۔

اسد عجز و نیاز کا پیکر تھے اور تسلیم و رضا کا مجسمہ تھے۔ روانگی سے قبل انبوہِ کثیر کے سامنے تشریف لائے۔ لشکریانِ صف شکن کو

لہ وہ خاندانِ اغلب کا تیسرا طاقتور حکمران ہے جس نے ۲۰۱ھ سے لے کر ۲۲۳ھ تک حکومت کی۔

ہمت دلائی۔ مصائب و شدائد کا پامردی سے مقابلہ کرنے کی تلقین کی اور عوام کو تحصیلِ علم کی ترغیب دلائی۔ آپ نے بتایا کہ اس منصب جلیلہ پر آپ کا تقرر علم ہی کے سبب تھا۔

مسلمانوں کی نگاہیں بار بار آسمان کی طرف اُٹھتی تھیں، اور اُن کے لب نصرت و فتحمندی کی دُعاؤں سے حرکت کرتے نظر آتے تھے۔ یہ بیڑا جو سو جنگی جہازوں اور تقریباً دس ہزار سپاہیوں پر مشتمل تھا۔ نئے ارمانوں کے ساتھ جزائر سسلی کی طرف چل دیا۔ اسد بڑے مدبر انسان تھے۔ اُنہوں نے عام راستہ چھوڑ کر مازر کا راستہ اختیار کیا۔ اُنہیں یقین تھا کہ دشمن اس راستہ سے اُن کا مقابلہ نہ کرے گا۔ یہ شہر بغیر مزاحمت کے فتح ہو جائے گا۔ چنانچہ اسلامی بیڑا ۱۳ رجون ۸۲۷ء کو مازر پر لنگر انداز ہوا[1]۔

---

[1] اخبار الاندلس جلد دوم، ص ۱۳ و ابنِ اثیر جلد ششم ص ۲۳۶۔

صقلیہ پر سب سے پہلا حملہ ۳۳ھ/۶۵۲ء میں ہوا۔ جب کہ خلافتِ راشدہ کا دَور تھا اور حضرت عثمانؓ سریر آرائے خلافت تھے۔ اکثر تاریخ نگار نے سب سے پہلا حملہ ۶۶۶ء میں بتایا ہے جب حضرت امیر معاویہؓ نے معاویہ بن حُدیج کو افریقہ سے بحری بیڑے کی سرکردگی میں روانہ کیا۔ یوں نظر آتا ہے کہ عرب مؤرخین نے ۳۳ھ اور ۴۶ھ کے واقعات کو آپس میں گڈمڈ کر دیا ہے۔

اس سلسلہ میں نویری کی روایت جو "نہایت الارب" میں مسطور ہے بالکل عجیب ہے۔ وہ لکھتا ہے:۔

سنہ ۳۳ھ: ذکر اول من غزا جزیرۃ صقلیہ فی الاسلام وھو عبد اللہ بن قیس الفزاری من قبل معاویۃ بن حُدیج	جزیرہ صقلیہ پر مسلمانوں نے سب سے پہلا حملہ عبد اللہ بن قیس الفزاری کی سرکردگی میں کیا۔ جنہیں مُعاویہ بن حُدیج نے

(اگلا صفحہ دیکھئے)

Marfat.com

مسلمان افواج کُلّی اعتماد کے ساتھ ساحل پر اُتریں اور شہر پر قبضہ جمالیا۔ مازر کو فتح کر لینے کے بعد اسد آگے بڑھے اور مقامِ مرج پہ ڈیرے ڈال دیئے۔ بازنطینی حکومت نے باوجود اپنی مشکلات کے ایک بہت بڑا بحری بیڑہ قسطنطنیہ سے روانہ کیا[۱]۔ حکومتِ وینس نے بھی دِل کھول کر مدد کی۔

دشمن کی تعداد ڈیڑھ لاکھ تک پہنچ گئی۔ اس کا سرعسکر بلاطہ تھا، جو ہمت و شجاعت میں اپنا ثانی نہ رکھتا تھا۔ فیمی کی افواج نے پہلے تو اسلامی فوجیوں کا ساتھ دینے کا ارادہ کیا لیکن جب اُنھوں نے رومی فوجوں

(گذشتہ سے پیوستہ) وَکان قد بعثہٗ من افریقیہ وَذالک فی خلافۃ معاویۃ بن ابی سفیان، نفتح۔ (صفحہ ۴۲۵)

افریقہ سے روانہ کیا تھا۔ یہ واقعہ امیر معاویہؓ کے عہد میں پیش آیا۔ چنانچہ فزاری نے اسے فتح کر لیا۔

سنہ ۳۳ھ کے واقعات کو امیر معاویہؓ کے عہدِ خلافت کی طرف کیونکر منسوب کیا جا سکتا ہے؟ حالانکہ یہ سن عہدِ عثمانی کا ہے؟

لسانُ الدین ابن الخطیب کی روایت کسی قدر زیادہ واضح ہے اور قابلِ اعتنا۔ وَھُوَ یقُولُ:۔

قال ارباب التواریخ کان اوّل من غزا جزیرہ صقلیہ من امراءِ افریقیہ الموجھین الیھا من قبل الخلیفۃ عثمانؓ ثم معاویۃؓ، بعدہٗ الامیر معاویۃ بن حُدیج الکندی

مورخین کا خیال ہے کہ جزیرہ صقلیہ پہ پہلا حملہ اُن امرائے افریقہ نے کیا جنھیں حضرت عثمانؓ نے مقرر کیا تھا، اس کے بعد امیر معاویہؓ نے حملہ کیا اور پھر معاویہ بن حُدیج الکندی نے اس کے بعد متواتر حملے جاری رہے۔

ان حوالہ جات کی تطبیق اگر انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے مضمون زیرِ عنوان "سسلی" سے کی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ پہلا حملہ سنہ ۳۳ھ میں ہوا جب حضرت عثمانؓ خلیفہ تھے اور دوسرا امیر معاویہؓ کے عہد میں سنہ ۴۶ھ میں ہوا۔ (بحوالہ تاریخِ صقلیہ، ج ۱، ص ۷۹) [۱] ابنِ اثیر جلد ششم، ص ۲۳۶۔

کی کثرت اور عظمت کو دیکھا تو وہ کنارہ کش ہو گئیں ۔ نینی کا یہ قدم مسلمانوں کے لیے خطرناک ثابت ہؤا۔ مسلمان اس ضعف و قلت کے باوجود تائیدِ ایزدی اور نصرتِ الٰہی کے اُمید دار تھے۔

مَرج کے مقام پر دونوں فوجیں صف آرا ہوئیں۔ ایک طرف کثرتِ افواج تھی، سامانِ رسد کی برتری تھی اور آلاتِ حرب کی عمدگی تھی، لیکن دوسری طرف بے یار و مددگار سپاہی، اپنے وطن سے دُور قلت کے باوجود پیمانِ وفا کو پورا کرنے کے لیے صف در صف کھڑے تھے ۔ اسد نے فوج کی صف بندی کی، اور اپنی شعلہ بار تقریر سے مسلمانوں میں عزم و ایثار پیدا کیا۔ اُنہیں یہ علم تھا کہ میدانِ جنگ سے فرار اُنہیں بچا نہیں سکتا اور وہ بھاگیں بھی کہاں ؟ مردانہ وار مرنا شہادت ہے اور اُخروی نجات کا باعث۔

حملے کا آغاز اسد نے کیا۔ کس قدر اعتماد تھا اپنے پر، اور کس قدر بھروسہ تھا خالقِ واحد و قہار پر۔ وہ آگے بڑھے۔ مسلمان دشمن پر پل پڑے۔ آج کا دن کس قدر سخت تھا۔ اسد کا جسم زخموں سے چھلنی ہو گیا، لیکن وہ استقلال کے ساتھ دشمن کی صفوں کو چیرتے آگے بڑھتے گئے۔

رومیوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور اُن پر رعب طاری ہو گیا۔ غروبِ آفتاب سے قبل ہی رُومی خیمہ و خرگاہ کو چھوڑ کر بھاگنے لگے، مَرج کا میدان مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ ہزاروں کفار میدانِ جنگ میں کام آئے۔ سینکڑوں گرفتار بنائے گئے۔ مسلمانوں نے مالِ غنیمت سے اپنے آپ کو مالامال کیا اور یہ فتح نیک فال ثابت ہوئی۔ اس فتح کی اطلاع

Marfat.com

جب زیادۃ اللہ کو ملی تو اس نے یہ مژدۂ جانفزا المامون کو سنایا۔ اور اس دن کی یاد تمام اطراف واکناف میں دھوم دھام کے ساتھ منائی گئی۔

مازر کی فتح کے بعد مسلمانوں نے سرقوسہ (سیراکیوس) کا رُخ کیا۔ جو اس زمانے میں نہ صرف تجارت کا مرکز اور سماجی سرگرمیوں کا آئینہ دار ہی تھا بلکہ علم وادب اور تہذیب وثقافت کا گھوارا بھی تھا۔ یہاں کے صنعت کار اپنی مصنوعات کی خوبصورتی اور اعجازِ ہنر کے لئے دنیا بھر میں مشہور تھے۔ فوجی نقطہ نگاہ سے بھی یہ شہر بڑا محفوظ تھا۔ رومن زمانے کے قلعے جن کی مرمت وقتاً فوقتاً ہوتی رہتی تھی ناقابلِ تسخیر سمجھے جاتے تھے۔ اسلامی لشکر جب حبیب بن ابی عبیدہ کی سرکردگی میں یہاں پہنچا ہے تو فوج کے محافظ دستے غافل پڑے سو رہے تھے اُنھوں نے جب آنکھ کھولی تو دیکھا کہ غنیم کی فوج نیزے اور بھالے سنبھالے پورے شہر کو گھیرے میں لے چکی تھی۔ ڈرتے، کانپتے اور ہانپتے ہوئے لوگوں پر مشتمل ایک فوج تیار کی گئی جس سے توقع تھی کہ مسلمانوں کا مقابلہ کرے گی۔ ثیمی نے شہر والوں کو مدافعت کے لئے اُکسایا اور انہیں مسلمانوں کا ڈٹ کر مقابلہ کرنے کی ترغیب دی۔ لیکن اسد ایسے باہوش اور جہاندیدہ انسان کے سامنے اس کی دورُخی چالیں کامیاب نہ ہوئیں۔ مسلمانوں نے شہر کے وہ تمام ناکے بند کر دیئے جہاں سے محصورین کو سامانِ خورد ونوش پہنچنے کی توقع تھی۔ مسلمان ابھی محاصرہ جاری رکھے ہوئے تھے کہ محصورین کی مدد کے لئے پلرمو سے تازہ دم کمک پہنچ گئی۔ خدشہ تھا کہ مسلمان ہمت نہ ہار بیٹھیں مگر اسد نے ان کو نرغے میں لیکر

Marfat.com

"کمین گاہ تک پہنچا دیا اور پھر فوج کے ٹکڑے اُڑا دیئے۔ فتح کا کچھ ایسا رعب پڑا کہ بہت سی شاہی رعایا بادشاہ کے ربقۂ اطاعت سے نکل کر رسولِ عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے زیرِ انقیاد آگئی"[1]

پلرمو سے آنے والی فوج کو شکست دینے کے باوجود، سرقوسہ (سیراکوس) فتح نہ ہو سکا۔ محاصرہ کافی لمبا ہو چکا تھا اور افواج بددل ہوتی جا رہی تھی۔ اسدؒ مصر تھے کہ دشمن کو یہیں تنگ کیا جائے اور اسے قرارِ واقعی سزا دی جائے۔ محاصرین بھی طویل محاصرے سے اُکتا چکے تھے۔ گاہے دشمن کی طرف سے تیروں کی بوچھاڑ بھی ہو جاتی۔ کبھی کبھی دست بدست لڑائی کی نوبت بھی آجاتی۔ اسی دوران میں ایک تیر نے اسد بن فراتؒ کو گھائل کر دیا اور وہ زخموں کی تاب نہ لا کر ۸۲۸ھ میں ہمیشہ کے لئے یہیں کے ہو رہے۔ انہیں سرقوسہ کے گرد و نواح میں ہی سپردِ خاک کر دیا گیا۔

اس صدمۂ جانکاہ نے مسلمان افواج کو بددل کر دیا۔ لیکن لشکریوں نے موقعہ کی نزاکت کے پیشِ نظر محمد بن ابی الجواری کو اپنا سپہ سالار چن لیا۔ لیکن "مصیبتیں کبھی تنہا نہیں آتیں"۔ مسلمانوں کو اسدؒ کی موت کا قلق تو تھا ہی، اس کے فوراً بعد وبا بھی پھوٹ پڑی۔ ہزاروں سپاہی اس دیوی کی بھینٹ چڑھ گئے۔ ابنِ اثیر، علامہ ابن خلدون اور مسٹر اسکاٹ اس وبا کو ہی اسدؒ کی موت کا سبب ٹھہراتے ہیں[2] لیکن حقیقت وہی ہے جس کا اظہار ہم اوپر کر چکے ہیں۔ ریاض النفوس کا مصنف لکھتا ہے۔

---

[1] اخبار الاندلس، ج ۲، ص ۱۷، [2] اخبار الاندلس، ج ۲، ص ۱۷، پروفیسر ہٹی، ص ۶۰۳

وَتَوُفِّیَ مِنْ جِرَاحَاتٍ اَصَابَتْهُ شَدِیْدَۃٍ وَھُوَ مُحَاصِرٌ بِسَرْقُوسَۃَ۔
(اسدؒ) کی موت ان شدید زخموں کے سبب واقع ہوئی جو اُسے محاصرہ سرقوسہ کے موقع پر لگے۔

ابنِ ابی الجواری نے نہ صرف سرقوسہ کو ہی فتح کر لیا بلکہ غنیم کو بھی وہ عبرت ناک شکست دی کہ وہ دوبارہ مقابلے کی جرأت نہ کر سکا قصریانہ کے میدان میں غنیم کی فوجیں پٹ گئیں اور میکائیل ثانی کی طرف سے بازنطینی لشکر کا سپہ سالار تھیوڈوٹس خائب و خاسر ہو کر بھاگ نکلا۔ ابنِ ابی الجواری بھی اگلے سال داغِ مفارقت دے گئے اور ان کے بعد زہیر بن غوث امیر مقرر ہوئے۔

اصبغ بن وکیل کی رہنمائی میں مسلمان افواج نے پلرمو پر حملہ کر دیا۔ قسطنطنیہ کے بادشاہ سے فوجی امداد مانگی گئی لیکن بے سود۔ غنیم کی فوج نے شاہی امداد و کمک سے مایوس ہو کر خود ہی مسلمانوں کا مقابلہ کرنا چاہا۔ پلرمو کی فوج کے ضعف اور اس کے مورال کی پستی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ مسلمان افواج کا مقابلہ چند گھنٹے بھی نہ کر سکی اور پسپا ہو گئی۔ پلرمو کے قبضے میں آجانے سے نہ صرف مسلمانوں کی حالت میں روز افزوں ترقی ہونے لگی بلکہ یہاں کے لوگوں کے معاشی، معاشرتی اور تمدنی حالات میں بھی وہ انقلاب رونما ہوا کہ وہ تہذیبِ جدید کے پیش رَو اور امام قرار پائے۔

۲۴۰ھ کے اخیر تک مسلمان جزیرہ صقلیہ کے تہائی حصے پر قابض ہو چکے تھے۔ یہ مسلمانوں کی بلند نظری کی یہ کیفیت تھی کہ ان کو

Marfat.com

اپنی ترقیات کے لئے یہ میدان بھی تنگ معلوم ہوتا تھا۔ چنانچہ آبنائے مسینا کو عبور کر کے اُنہوں نے قدیمی صوبہ میگنا گریشیا پر حملہ کر کے اس کو پامال کر ڈالا۔ اپولیا اور کیلبے بریا کو فتح کر لیا؛ ریاست بینوینٹو کو تباہ کر دیا؛ این کونا پر جا پڑے؛ برنڈیسی، ٹے رین ٹم اور بری پر قبضہ کر لیا؛ می سے نم کی سطح مرتفع پر، گویا نیپلس کی عین دیوار کے نیچے، اپنے جھنڈے گاڑ دیئے؛ ساحل ڈیل میشیا پر چھا گئے؛ کپوا کے قدیم شہر کو لوٹا اور اس میں آگ لگا دی؛ گے رگ لی آنو پر ایک نئی بستی بسائی تاکہ پاپائی ریاستوں پہ ہمیشہ کے لئے دھمکی رہے" یہ ہے وہ تصویر جو مسٹر اسکاٹ نے مسلمانوں کے عہدِ کشور کشائی کی کھینچی ہے۔

مسلمانوں نے جس طرح فتوحات کے دوران ہمت و شجاعت اور جرأت و بسالت کا ثبوت دیا اسی طرح اُنہوں نے فتوحات مکمل کرنے کے بعد، ممالکِ محروسہ میں امن و رافت، عدل و انصاف اور اخوت و مساوات قائم کرنے میں بھی بلند نظری، فیاضی اور سیاسی تدبّر کا ثبوت دیا ہے۔ مسلمانوں نے علوم و فنون کی ترویج و اشاعت میں گہری دلچسپی لی۔ اور اس جزیرے کو تہذیب و تمدّن کے اس نقطۂ عروج پر پہنچایا کہ یورپ کے وہ لوگ اشبیلیہ، قرطبہ اور غرناطہ کی یونیورسٹیوں سے استفادہ نہ کر سکے انہیں نیپلس اور پلرمو کی یونیورسٹیوں میں زانوئے تلمذ تہ کرنا پڑا۔

مسلمانوں کی "نہ تھکنے والی" قوم نے مسلسل محنت اور مشقت سے صقلیہ کے مادی اور انسانی وسائل کو انتہائے کمال تک پہنچایا۔

Marfat.com

دنیا بھر کی معلوم اجناس، سبزیاں اور پھل جو اس آب و ہوا میں جڑ پکڑ سکتے تھے، یہاں پر کاشت کئے۔ یہاں کے وہ پہاڑ جو مسلمانوں کی آمد سے پہلے گرانڈیل درختوں اور قیمتی جڑی بوٹیوں سے خالی تھے، اب سرسبز نظر آنے لگے۔ اخروٹ، چلغوزے اور سرو وسمن کے پودے زمین کے چپے چپے پر کاشت کئے گئے۔ کھجوروں اور نارنگیوں کا ذکر چھوڑئیے جو یہاں بکثرت ہوتی تھیں، روئی، نیشکر اور سن کامیابی سے پیدا ہونے لگے۔ ریشم کے کیڑے پالنے کی صنعت نے اندلس کے بعد یہیں فروغ پایا۔ اس مقصد کے لئے انجیر کے درخت کی غور و پرداخت کی گئی۔

مسلمانوں نے اس جزیرے کی زرخیزی اور معقول آب و ہوا سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کاشتکاری کے بہترین طریقے آزمائے۔ ادریسی نے صقلیہ میں ہر جگہ عمدہ فصلیں، خوبصورت باغات اور وسیع سیرگاہیں دیکھی ہیں۔ لَھُمْ اجنّۃٌ کثیرۃٌ (ان کے کثرت سے باغ ہیں) اور بھا میاہٌ جَارِیَۃٌ علیھا مزارِعُ (یہاں چشمے جاری ہیں اور ان کے کنارے زراعت ہوتی ہے) ایسے جملے ہیں جو ادریسی نے یہاں کی اعلیٰ زراعت اور عمدہ باغبانی کو بیان کرنے کے لئے استعمال کئے ہیں۔

صنعت و تجارت کو جسے کسی ملک کی اقتصادی حالت کو بہتر بنانے میں بڑی اہمیت حاصل ہے، نظر انداز نہیں کیا گیا۔ مسلمانوں کے تجارتی جہاز بحیرۂ روم کے سینے پر تیرتے نظر آتے اور صقلیہ کی مصنوعات کو جنہیں دنیا بھر میں قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ دور

Marfat.com

دراز تک لے جاتے۔ چٹائیاں، کاغذ اور ریشمی اور سوتی کپڑا ایسی مصنوعات ہیں جن کی بیرونی منڈیوں میں بے حد مانگ تھی۔ ابن حوقل نے پلرمو میں تیار کئے جانے والے کپڑے اور مصری طرز کے کاغذ کی بہت تعریف کی ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ ایسی مصنوعات دوسری جگہ پر بہت کم دیکھنے میں آتی ہیں۔ موسیو لیبان کا خیال ہے کہ مسلمانوں نے یہاں کی تجارت نئے سرے سے زندہ کی اور زراعت صنعت اور حرفت کو ترقی دے کر غیر معمولی تجارتی فروغ حاصل کیا۔ اگر یہ کہا جائے کہ صقلیہ اس زمانے میں مشرق و مغرب اور یورپ و افریقہ کی تجارت کا سنگم تھا تو غلط نہ ہوگا۔

اگر ملک کے اندر تجارتی منڈیاں ہر قسم کے مال سے بھری پڑی تھیں تو ساحل کی تجارتی گودیاں درآمدی مصنوعات اور برآمدی اشیاء سے بھرپور نظر آتی تھیں۔ یہ گودیاں مسینا، سرقوسہ، مازر، طبرم، طرابنش، لیاچ اور میلاص میں قائم تھیں۔

مسلمانوں نے صقلیہ میں ایک مخصوص طرز تعمیر کی بنیاد رکھی جسے لیبان نے "صقلیہ کا شرقی عربی طرز" کہا ہے۔ یہاں کی عمارات میں پہلی مرتبہ اینٹ کی بجائے پتھر استعمال کیا گیا۔ ستونی طرز کو جسے مسلمان مہندسوں نے اندلس، دمشق اور بغداد میں استعمال کیا تھا صقلیہ میں درجِ کمال تک پہنچایا۔ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا نے اس طرز پہ یوں خیال آرائی کی ہے:-

"یونانیوں نے ستونوں کی ایجاد کی، رومیوں نے ترقی دی، مسلمانوں نے ان پہ نوکدار محرابیں بنائیں اور صقلیہ کے

Marfat.com

مسلمانوں نے ان ہی عناصر سے ایک بلند و حسین طرز ایجاد کیا جو مختلف حیثیتوں سے پُر شوکت، سادہ اور حسین و جمیل تھا۔"

اس زمانے میں آرائشی طاقچوں کا استعمال عام ہو چلا تھا۔ دیواروں پر نقش و نگار بنائے جاتے، عمدہ مصنوعی بیلیں چڑھائی جاتیں اور خط کوفی و طغریٰ میں آیاتِ قرآنی لکھی جاتیں یہی طرز نارمنوں کے عہد میں جاری رہا۔ نارمن بادشاہوں کو اس بات کا احساس تھا کہ "مفتوحین (مسلمان) اگر قائم رہے ہیں تو محض اپنے قوائے عقلی کی وجہ سے اور انہوں نے تجارت اور سیاست میں مسیحی اٹلی کے اربابِ سیاست پر اگر فروغ پایا ہے۔ تو بالکلیہ اپنی ذہانت کے سبب سے"[1] یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اس تہذیب کی قدر کی جس کو ان لوگوں نے نشوونما دی تھی جو ان کی رعایا بننے والے تھے۔

ظاہر ہے کہ جب ملک میں قانون کی عملداری ہو گی، لوگ اپنے پیشوں میں سکون اور یکسوئی سے مصروف ہوں گے اور وسائل دولت کی تقسیم ہموار ہو گی تو معاشرت میں ایک خاص قسم کا حُسن اور بانکپن نظر آئے گا۔ سماجی روگ جو اقتصادی بدحالی سے پیدا ہوتے ہیں اور معاشرتی برائیاں جو اوقاتِ فرصت کو عمدگی سے گزارنے کے وسائل نہ ہونے کے سبب پیدا ہوتی ہیں، کم ہو جاتی ہیں۔ طرزِ معاشرت میں خوش سلیقگی آجاتی ہے۔ خوش حالی اور

---

[1] اخبار الاندلس، ج ۳، ص ۱۵۔

Marfat.com

حسنِ معاشرت سے جسمانی حسن وجمال میں بھی نکھار پیدا ہوتا ہے حقیقت یہ ہے کہ صقلیہ اسلامی عہد میں اسی قسم کی زندگی کا مرقع تھا۔ یہاں کے لوگ اپنے ہمسائیوں کے درمیان سامان، لباس اور دیگر حالات کے لحاظ سے صفائی اور ستھرائی میں مشہور تھے۔ اور لوگوں میں احسان حسنِ صورت، معاشی اعتدال پسندی، مروت اور عمدہ معاشرت کی وجہ سے ممتاز تھے۔[1]

اسی طرح ابنِ جبیر نے بلرم میں مسیحی عورتوں کی ایک ٹولی کو بازار میں سے گزرتے دیکھا۔ عکاس نے جو تصویر ان کی کھینچی ہے وہ درج ذیل ہے:۔

"اس شہر میں مسیحی عورتوں کی وضع قطع مسلمان خواتین جیسی ہے۔ وہ بھی بڑی شان سے نکلتی ہیں۔ سنہری حریر کے کپڑوں میں ملبوس، عمدہ، نرم اور نازک اور جواہر ٹکے ہوئے، چادروں میں سمٹی سمٹائی رہتی ہیں۔ جسم پر زرنار چادریں اور چہروں پر رنگین نقاب اور پیروں میں سنہری موزے ہوتے ہیں غرض مسلمان عورتوں کی آرائش کے تمام سامانوں اور زیوروں سے آراستہ، مہندی لگائے، کپڑے عطر میں بسائے، بڑی شان سے ایک دن گرجے کی طرف چلتی دکھائی دیں"۔[2]

مسلمانوں نے اپنے دورِ اقتدار میں علم وفن، شعر وشاعری، قرآن وحدیث، فلسفہ وطب اور ریاضیات وطبیعات کی جو گرانقدر خدمت کی ہے اس کا ذکر تو اپنے مقام پر آئیگا بہر حال یہ ایک حقیقت ہے

[1] مضمون زیرِ عنوان "سسلی میں مسلمانوں کا تمدن" معارف، اکتوبر، ۱۹۳۵ء۔
[2] ایضاً۔ ص ۲۶۲؛ اخبار الاندلس، ج ۲، ص ۶۹۔

Marfat.com

کہ مسلمانوں نے صقلیہ میں داخل ہونے کی ساعتِ سعید سے لیکر یہاں سے رختِ سفر باندھنے تک، تمام مشکلات کے باوجود، علومِ نقلیہ اور علومِ عقلیہ کی وہ آبیاری کی ہے کہ عوام و خواص دنیا کی قدامت اور رُوح کی ماہیت ایسے مشکل مسائل میں دلچسپی لیتے نظر آتے ہیں۔ فریڈرک کا تو یہ حال تھا کہ پاپائے روم نے اس کی علم دوستی میں دلچسپی کے پیشِ نظر اسے دینِ عیسوی سے خارج کر دیا اور اس کے قتل کا فیصلہ صادر کر دیا۔ صقلیہ میں روشن خیالی، اختراع و ایجاد کی قوت، آزادیٔ فکر و رائے اور دوسروں کے نقطہ نظر کی قدر کرنا جو انسانی معاشرہ کی ترقی کے لیے نہایت ضروری ہیں، مسلمانوں کے خلوص اور محنت کا نتیجہ ہیں۔ اگر مسلمان اس سرزمین پر اپنے قدم نہ جماتے تو صقلیہ اس شور اور بنجر زمین کی مانند ہوتا جس کی کوکھ سے کبھی سنبل و ریحان پیدا نہیں ہوتے۔

خاندانِ اغلب کے بعد دولتِ فاطمیہ مہدویہ نے یہاں عروج حاصل کیا۔ سب سے پہلا گورنر علی بن محمد ابن الفوارس تھا، جو ۹۰۸ء میں مقرر ہوا، وہ اس سے قبل دولتِ اغالبہ کے عہد میں مختلف سیاسی عہدوں پر مامور رہ چکا تھا، اور حقیقت یہ ہے کہ خاندانِ اغلبیہ کا خاتمہ بھی اُسی کے ہاتھوں ہوا تھا۔

دولتِ فاطمیہ کا صقلیہ میں اقتدار ۹۴۷ء تک رہا، جس کے بعد خاندانِ کلبیہ نے جس کا بانی حسن بن ابی الحسن تھا، یہاں پر ایک مضبوط حکومت قائم کی۔

اس خاندان کی حکومت ۱۰۳۹ء تک رہی۔ اس کے فوراً بعد

Marfat.com

مرکزی حکومت کے کمزور ہو جانے کے سبب طوائف الملوکی کا دور دورہ شروع ہو گیا۔

مختلف صوبوں کے والیوں نے دولتِ کلبیہ سے بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے اپنے مطلق العنان حکمران ہونے کا اعلان کر دیا۔ اس عظیم سلطنت کے پاش پاش ہو جانے پر جو ریاستیں وجود میں آئیں مندرجہ ذیل ہیں:-

بلرم اور اُس کے مضافات، بازر اور اُس کے مضافات، قصریانہ اور قصر لوبو مع اپنے مضافات کے، سرقوسہ اور قطانیہ مع مضافات کے۔

اس افراتفری کے دور میں ایک فرانسیسی راہب پیطرس نے ۱۰۹۶ء میں اٹلی میں عیسائی راہبوں اور خدمتگاروں کی عظیم الشان کانفرنس منعقد کی اور اُنہیں مصر و شام اور بیت المقدس کو فتح کرنے کی ترغیب دلائی اسی تحریص کے تحت ۱۰۹۷ء میں انطاکیہ فتح ہوا۔ ۱۰۹۸ء میں بیت المقدس اور ۱۱۰۲ء میں شام کے مختلف حصے فتح ہوئے۔

تقریباً نوّے برس تک ان علاقوں میں مسیحیت کا اقتدار رہا۔ تاآنکہ صلاح الدین ایوبی اور نورالدین زنگی نے اپنی قوت اور شجاعت کے سبب نہ صرف شام کے علاقے واپس لے لئے بلکہ صلیبی جنگوں کا بھی ایک حد تک خاتمہ کر دیا۔

صقلیہ کے مسلمانوں کا خروج راجر اوّل[1] (المتوفی ۱۱۰۱ء) کے ہاتھوں انجام پایا۔ اُس نے ۱۰۹۱ء کے اوائل میں ہی تمام صقلیہ پر

[1] راجر اوّل (Hauteville) خاندان کے ایک معزز فرد ٹینکرڈ کا لڑکا تھا اور رابرٹ گوسکارڈ کا بھائی جس نے کلبریہ کے معرکوں میں نمایاں حصہ لیا۔ وہ ۱۰۳۱ء میں پیدا ہوا۔

Marfat.com

قبضہ جما لیا تھا۔ وہ تاریخ میں "محافظ مذہبِ عیسائیت" کے مقدس نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ مذہبی جنون اس قدر تھا کہ اسلام کی اشاعت قانوناً ممنوع قرار دی گئی۔ گرد و نواح کے عیسائیوں کو بُلا کر صقلیہ میں مسلمانوں کے دوش بدوش آباد کیا گیا۔ مسلمانوں کے اسباب معیشت اور طریقِ تجارت پر قبضہ جما لیا گیا۔ ابنِ اثیر لکھتا ہے:۔

وملك راجر (اوّل) جميع الجزيرة واسكنها الروم والفرنج مع المسلمين ولم يترك لاحد من اهلها حماماً ولا دكاناً ولا طاحوناً ولا فرناً

راجر (اوّل) جلد ہی تمام جزیرے کا مالک بن گیا۔ اُس نے رومیوں اور انگریزوں کو مسلمانوں کے پہلو بہ پہلو آباد کر دیا، اور مسلمانوں کے لیے کوئی حمام، کوئی دکان، کوئی آٹا پیسنے کی چکی اور کوئی تنور باقی نہ چھوڑا۔

مسلمان جلد ہی حقوقِ زمینداری سے محروم کر دیئے گئے اور اُن کی حیثیت ایک مزدور اور کاشتکار کی رہ گئی۔

سیاہ رُو زوال گرد و پیش منڈلانے لگا اور دیکھتے ہی دیکھتے مسلمانوں نے صقلیہ کو خالی کر دیا۔ مسلمانوں کی کثیر جماعتیں افریقہ، اندلس اور مصر میں جاکر آباد ہو گئیں۔ جو لوگ ہجرت کے جاں گسل مصائب کی تاب نہ لا سکے وہیں رہ پڑے۔ پیٹ پالنے کے لیے ٹوکری اُٹھانے مزدوری کرتے اور اپنے آقاؤں کے دروازے پر پڑے رہتے۔ اُن زمینوں کا لگان جو عیسائیوں کو دی جا چکی تھیں مسلمان ہی ادا کرتے اور محصولات کا بوجھ بھی یہی مفلس برداشت کرتے۔ جو لوگ اپنی عزت نفس کی حفاظت نہ کر سکے، ترکِ اسلام کر بیٹھے اور کعبہ کو چھوڑ دیر و کلیسا کی طرف چل دیئے۔ سرقوسہ، مسینا اور قصریانہ جیسے شہروں میں

Marfat.com

تو مسلمان اپنی رسومات اور فرائض مذہبی بھی ادا نہ کر سکتے تھے۔

ولیم اول (۱۱۵۱ء تا ۱۱۶۶ء) کے سریر آرائے سلطنت ہونے کے ساتھ ہی مسلمانوں پر مصیبتوں کا ایک نیا پہاڑ آ ٹوٹا۔ اُن کی جائیدادیں ضبط کر لی گئیں، ان کی املاک پر قبضہ جما لیا گیا، اور انہیں ملک کو چھوڑ دینے پر مجبور کیا گیا۔ ایک عیسائی امیرالبحر کو جس کا نام فلپ تھا صرف اِس لئے آتشِ سوزاں میں ڈالا گیا کہ اس نے بونہ کے مسلمانوں کے ساتھ ہمدردانہ سلوک کیا تھا۔ ابنِ اثیر اس واقعہ کو "محنِ اوّل" کے نام سے یاد کرتا ہے، جس سے اس کی مُراد "پہلی بڑی مصیبت" ہے جو مسلمانوں پر نازل ہوئی۔ اس عہد کے مسلمانوں کی حالت کا تفصیلی جائزہ لینے کے لئے ہمیں ابن جبیر، اندلسی کے سفرنامہ کی طرف رجوع کرنا چاہیئے جو ۵۸۰ھ (مطابق ۱۱۸۳ء) میں صقلیہ آیا۔ یہ روئداد دردناک اور اندوہگیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلمان قوم کا زوال، جس نے یورپ کو علم سے شناسا کیا، اسے مہذب اور متمدن بنایا اور اُسے شاہراہِ ترقی پر چلایا۔ روح فرسا ہے۔ ابنِ جبیر لکھتا ہے :-

"اطرابنش کے قیام کے دوران میں ہم کو اس جزیرہ کے باشندوں کی وہ بُری حالت جو عیسائیوں کی وجہ سے ہوئی ہے، اور ان کی ذلت و مسکنت اور ذمیوں کی طرح رہنے اور بادشاہ کی ایسی سختی جو ان کے مدبخت بچوں اور عورتوں کو دین سے برگشتہ کرنے کے متعلق کی جارہی ہے، دردانگیز طریق پہ معلوم ہوئی۔ اس سختی نے بعض اوقات اُن کے

Marfat.com

بوڑھوں کے ساتھ ایسی ذلت انگیز سزا کی صورت اختیار کرلی، جو ان کے مذہب چھوڑنے کا سبب بن گئی۔ چنانچہ انہی چند قریبی سالوں کا قصہ ہے کہ اس ظالم بادشاہ کے دارالسلطنت کے ایک فقیہہ کو جس کا نام ابن زرعہ تھا۔ اس قدر تنگ کیا گیا کہ وہ دائرہ اسلام سے نکل کر عیسائیت کے دائرے میں آگیا۔ انجیل خوب یاد کرلی، رومیوں کی سیرتوں کا مطالعہ کیا اور ان کی شریعت کے قوانین ازبر کرلیے۔ اس کے گھر کے سامنے ایک مسجد تھی جس کو اس نے گرجا بنا لیا۔ لیکن اسی کے ساتھ ہمیں معلوم ہوا کہ وہ اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے ہے۔ اس لئے غالباً وہ اس استثناء میں داخل ہے۔

اِلَّا مَنْ اُکْرِہَ وَقَلْبُہٗ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِیْمَانِ

(مگر وہ شخص جس کو دین چھوڑنے پر مجبور کیا گیا۔ حالانکہ اس کا دل ایمان سے مطمئن ہے)

اسی زمانے میں ابن الجحر اس شہر میں تشریف لائے۔ وہ اس جزیرہ کے خاندانی لوگوں میں سے ہیں اور اپنے اجداد سے سیادت وراثتہً پائی ہے۔ اُن سے یہ معلوم ہوا کہ وہ اس ظالم بادشاہ کے زیرِ عتاب تھے، اور اپنے گھر میں نظر بند تھے۔ اس نظر بندی کے زمانہ میں بھی حریفوں نے ان پر جھوٹے الزامات لگائے کہ وہ مسلمانوں سے میل جول قائم رکھتے ہیں۔ جس کی پاداش میں وہ عنقریب ہلاک کردیئے جاتے۔ لیکن اُن کے پہرے والے نے اُن کی صفائی دی۔

Marfat.com

ان کے تمام گھربار اور اُن کی تمام ملکیت جو انہوں نے اپنے اسلاف سے وراثتہً پائی تھی ضبط کر لی گئی۔ اس جزیرہ کے باشندوں کی سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ ایک آدمی اگر اپنے لڑکے یا بیوی پر غصہ کرتا ہے یا ماں اپنی لڑکی پر غصہ کرتی ہے تو یہ سب اُس کے عار سے گرجا میں جاکر عیسائی ہو جاتے ہیں۔ اور اب بیٹا باپ کے ہاتھ سے اور لڑکی ماں کے ہاتھ سے نکل جاتی ہے۔

ہم نے ان سب سے عجیب درد انگیز حالت یہ دیکھی کہ اُس شہر کے اعیان میں سے ایک شخص نے اپنے بیٹے کو ہمارے رفقاء میں سے ایک کے پاس بھیجا کہ وہ ان کی ایک باکرہ قریب البلوغ لڑکی سے نکاح کرنا منظور کرلیں، اور اگر وہ خود نکاح کرنا پسند نہ کریں تو اپنے شہر میں جس سے پسند کریں نکاح کر دیں۔ لیکن اس کو اپنے ساتھ لے جائیں۔ وہ اپنے باپ اور بھائیوں کو چھوڑنے پر راضی ہے تاکہ اس آزمائش سے نجات پائے اور مسلمانوں کے شہروں میں پہنچ جائے۔"

ولیم دوم کے عہد میں، جو ۱۱۶۶ء میں فرمانروائے سلطنت مقرر ہوا مسلمانوں نے آرام کا سانس لیا۔ وہ تاریخ میں (William The Good) کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس کی تربیت اسلامی ماحول میں ہوئی تھی اُس نے آزادانہ فضا میں آنکھیں کھولی تھیں، اُس کی فطرت اسلامی سانچے میں ڈھل چکی تھی۔ برسرِ اقتدار آنے پر اُس نے عربی تہذیب و تمدن

Marfat.com

کے احیاء کی پوری کوشش کی۔" اس طرح طرزِ حکومت، قوانینِ ملکی، تقسیم مراتب اور حکومت کے ذرائع اظہارِ نمود و نمائش سب کے سب اسلامی طرز پر قائم تھے۔ جب شاہی دربار منعقد ہوتا، یا موکبِ شاہی نکلتا، تو تمام ساز و سامان، خدم و حشم، لاؤلشکر، ترتیبِ جلوس اور عام تزک و احتشام و کرّو فر کے اظہار میں اسلامی تہذیب نمایاں ہوتی۔ شاہی محل کی خواتین میں بھی کثیر تعداد مسلمان خواتین کی تھی۔ جو اس دور کی بہتر سے بہتر آرائش و زیبائش اور معاشرتی تکلفات سے آراستہ رہتیں۔ اور ان کے اثر سے یہاں کی عیسائی عورتوں نے بھی اسلامی معاشرت قبول کر لی تھی۔ یہاں تک کہ بہ سرِ بازار بغیر حجاب و نقاب کے باہر نہیں نکلتیں[1]۔"

تہذیب و تمدّن کا گہرا اثر جو نارمنوں پہ مسلمانوں کے اخراج کے بعد ہوا، اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ مسلمانوں نے اپنے تمدّن کے نقوش اس ملک میں کتنے گہرے چھوڑے تھے! یہ وہ وقت تھا جب جرمنی، فرانس اور انگلستان ذلیل حالت میں زندگی گزار رہے تھے۔ وہ طریقِ بود و باند سے بے بہرہ تھے، علم و حکمت سے خالی الذہن تھے اور صنعت و حرفت میں صفر تھے۔" اس وقت صقلیہ مختلف اقوام و ملل سے وابستگی کے سبب ایشیا کا فلسفہ، یونان کا تمدّن، فونیشیا کی جسارت اور بلند نظری رومیوں کی صولت اور شوکت اپنے دامن میں لئے ہوئے تھا[2]۔

---

[1] تاریخِ صقلیہ۔ جلد اوّل۔ ص ۴۸۰۔ ۴۸۱

[2] ایس۔ پی۔ سکاٹ

Marfat.com

نارمن تقلید و تمثیل میں دوسری قوموں سے بڑھے ہوئے تھے۔ اس لیے اُنھوں نے اپنی مسلمان رعایا سے مختلف چیزیں سیکھنے میں فراخدلی سے کام لیا۔ نارمنوں کے تحت مسلمانوں کی ایک خاص تعداد فوج میں موجود تھی۔ دیوانی اور فوجداری عدالتوں میں جج سبھی کے سبھی مسلمان تھے۔ محکمہ مال و خزانہ کے حکام مسلمانوں میں سے ہی لیے گئے تھے۔ ملک کا قانون اور دیگر احکامات عربی زبان میں لکھے جاتے[1]۔ اسی پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ عدالتی زبان بھی عربی رہی۔ شاہی محلات پر جو نارمنوں نے عہد میں تیار کیے گئے تمام کتبے عربی زبان میں لکھے گئے تھے۔ کمال تو یہ ہے کہ نارمنوں کے سکوں پر بھی قرآنی آیات کندہ تھیں[2]۔

عمائدینِ سلطنت کے لباس، اخلاق، مراسم شاہی، آدابِ سلطنت اور دیگر رسومات پر ایشیائی رنگ چڑھا ہوا نظر آتا ہے۔ ابنِ حوقل، ابن جبیر اور شریف ادریسی نے صقلیہ کے اہم شہروں کے متعلق بہت کچھ لکھا ہے۔ بڑے شہروں میں سے پلرمو ایک تھا۔ اس میں پانچ سو سے زیادہ مساجد موجود تھیں، جو نہایت کشادہ، ہوادار اور خوبصورت تھیں۔ ان کی دیواریں مختلف رنگوں کے پتھروں سے تیار کی گئی تھیں۔ ان کی چھتوں

---

[1] عربی بول چال کے علاوہ ذریعہ تعلیم بھی عربی تھی۔ اور اس زمانہ میں عربی زبان کی تحصیل اسی طرح ضروری تھی جیسے موجودہ زمانے میں علوم کے حاصل کرنے کے لیے انگریزی، جرمن اور فرنچ کا جاننا ضروری ہے، خاص طور پر علم طب کے لیے عربی زبان کی تحصیل سترھویں صدی تک نہایت اہم سمجھی جاتی تھی۔ [2] نارمن سکوں پہ کلمہ طیبہ کندہ تھا اور سرکاری نشان "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ حَقَّ حَمْدِہٖ" تھا۔ (رحالات سفرنامہ ابن جبیر ص ۳۴۰۔ ۳۴۳)

Marfat.com

پر ماربیچ وضع کے پھول بوٹے بنے ہوئے تھے۔ عربوں نے اپنے دورِ حکومت میں آب رسانی کا بہترین انتظام کر رکھا تھا۔ مختلف مقامات پر نزہت گاہیں سیر و تفریح کے لیئے بنادی گئی تھیں ان میں فوارے خنکی پیدا کرتے تھے۔ بازار صاف اور کشادہ تھے، جن کے فرش صاف اور شفاف پتھروں سے بنائے گئے تھے۔ رات کو روشنی کا باقاعدہ انتظام کیا گیا تھا۔

ابن جبیر، جس نے صقلیہ" اچھے ولیم کے عہد میں دیکھا تھا لکھتا ہے: کہ عورتیں نقاب ڈالتی تھیں، ریشمی مطلا کپڑے پہنتی تھیں اور ایشیائی طرز کے کڑھے ہوئے پھولدار نازک جوتے استعمال کرتی تھیں، خوشبویات اور عطریات کا استعمال عام تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلامی تہذیب و تمدن نے یورپ کی عورتوں کے حقوق و فرائض میں ایک عجیب انقلاب پیدا کر دیا تھا۔ اسلامی شریعت نے عورتوں کو جو مقام دے رکھا ہے، عیسائی عورتیں اس کے مقابلے میں بہت پیچھے تھیں۔ یورپ نے عورتوں کے مقام و مراتب مسلمانوں سے ہی سیکھے۔ موسیو لیبان لکھتا ہے:

"تمدنِ اسلام میں عورتوں کو بالکل وہی مرتبہ دیا گیا تھا، جو انہیں بہت دنوں بعد یورپ میں حاصل ہونے والا تھا۔ وہ مذہب عیسائی نہ تھا، جیسا کہ عموماً سمجھا جاتا ہے، بلکہ اسلام تھا، جس نے عورتوں کو اس وقت کی گری حالت سے ترقی دی۔ قبل اس کے کہ عربوں نے عیسائیوں کو عورتوں کا محافظ بننا سکھایا، ہمارے

Marfat.com

زمانۂ قدیم کے امراء اور جنگجو ان سے بہت ہی بری طرح سے پیش آتے تھے۔[1] (تمدنِ عرب ایلیبان، ص ۲۷۰)

فرمانروایانِ سسلی اور قیصرانِ جرمنی نے اسلامی تمدن سے متاثر ہو کر عورتوں کے وہ حقوق تسلیم کر لئے جو اسلام نے انہیں دے رکھے تھے۔ بلکہ نارمنوں نے تو مسلمانوں کے قانونِ وراثت اور ترکہ کے اصول کو بھی دو صدیوں تک کسی قدر جزئی ترمیم کے ساتھ جاری رکھا۔

---

[1] صدیوں تک عورتوں کے متعلق مسیحی نقطۂ نگاہ رجعت پسندانہ رہا ہے۔ وہ گناہ کی ماں اور بدی کی جڑ سمجھی جاتی تھی۔ مرد کے لئے معصیت کی تحریک کا سرچشمہ اور دروازہ تھی ——— (Tertullian) کا خیال ہے کہ "عورت شیطان کے آنے کا دروازہ ہے۔ وہ شجرِ ممنوعہ کی طرف لے جانے والی، خدا کے قانون کو توڑنے والی اور خدا کی تصویر — مرد کو غارت کرنے والی ہے۔" ایک اور ذاتِ شریف لکھتے ہیں: "وہ ایک ناگزیر برائی ہے، ایک پیدائشی وسوسہ ہے، ایک مرغوب آفت ہے، ایک خانگی خطرہ ہے، ایک غارتگر دلربائی ہے اور ایک آراستہ مصیبت ہے۔" مسٹر اسکاٹ کو ان ناقابلِ برداشت اذیتوں کا شدید احساس ہے جو کلیساء کے اقتدار کے دور میں عورت پر روا رکھی جاتی تھیں۔ وہ کہتا ہے: "تمام ممالک میں ان پر ناقابلِ بیان سختیاں کی جاتی تھیں۔ وحشیوں کی صحبت اور وحشیانہ گردوپیش نے ان کو ذلیل کر رکھا تھا۔ اگر وہ کسی بڑے خاندان سے تعلق رکھتی تھیں تو اپنے آقاؤں کا کھلونا ہوتیں اور تسکینِ جذبات کا آلہ۔ اگر کمتر درجہ کی ہوتی تھیں تو تحقیر، تذلیل اور ہر قسم کی تکلیف و رنج اٹھانے والی کنیزوں کی حالت میں تھیں۔ یہ اخلاقی ذلت اور طبعی دنائت مدتوں تک قائم رہی۔ اس کلیہ سے وہ مقامات مستثنیٰ تھے جہاں عربوں کی تہذیب نے دماغی و اخلاقی تبدیلی بالاستقلال پیدا کر دی تھی۔ (اخبار الاندلس۔ ص ۵۰۰۔ جلد سوم)

Marfat.com

اس طرح یورپ کی عورتوں کے ملبوسات، زیورات اور طریق نشست برخاست پر مسلمان عورتوں کے اثرات پڑے۔ یہاں تک کہ اونچے گھرانوں کی عورتیں پردہ دار سواریوں میں سفر کرنے لگیں اور چہروں پر نقاب ڈالنے کا رواج عام ہو گیا۔ ان ہی کے طفیل فرقۂ نسواں کی عزت ہونے لگی، اسی سے ننگ و ناموس کی عزت بڑھی، اسی سے خودداری پیدا ہوئی، اور اسی سے طرزِ تمدّن میں لطافت پیدا ہوئی۔[1] کلیساء نے جو مذہب کا ٹھیکہ دار بھی تھا اُن کا جنازہ ہی نکال دیا تھا۔

صقلیہ کے عربوں نے ریاضیات میں بھی وہ کمال دکھایا ہے کہ عرصہ تک کوئی قوم اُن کی گردِ راہ کو نہیں پہنچ سکی۔

لیکن افسوس ہے کہ عیسائی غارتگروں نے ہماری تہذیب و تمدّن کے تمام آثار جلد ہی محو کر دیئے۔ حقیقت ہے کہ ان آثارِ تعمیر و اشیائے صنعتی و حرفتی کا دُنیا سے ناپید ہو جانا تعجب خیز معلوم ہوتا ہے۔

---

[1] ایس۔ پی۔ اسکاٹ۔

Marfat.com

- مسلمانوں کا ذوقِ تجسس اور انکی اخذ و جذب کی قوت۔
- یورپ میں نشاۃ ثانیہ کے لئے عربوں اور ان کی زبان کا حصّہ۔
- علم الادیان اور تجدید و احیائے ملت کے لئے جد و جہد۔
- یحییٰ بن یحییٰ اللیثیؒ۔ قاضی منذر بن سعید البلوطیؒ۔ قاضی محمد بن بشیرؒ، قاضی اسد بن فراتؒ۔

علم الابدان۔

- تاریخی پس منظر۔ طبِ یونانی کی ترقی میں عربوں کا حصّہ۔
- اطباء —— ابن سینا۔ ابن زکریا الرازی۔ حنین بن اسحٰق۔ الزہراوی۔
- علم نباتات —— طبی جڑی بوٹیوں پہ عرب اطباء کی تحقیق۔ ابن مسکویہ۔ ابن بیطار
- علم جغرافیہ و تاریخ۔ مسلمانوں کا شوقِ سیاحت اور حج ایک رکنِ اسلام کی حیثیت سے۔
- ابن جبیر اور ادریسی۔ ادریسی کے بارے میں مسٹر اسکاٹ کی رائے۔

علم تاریخ اور اس کے مشاہیر۔

- علامہ ابن خلدون کا نظریۂ تاریخ اور فلسفہ اجتماعیات۔ قانونِ سہ دوری اور اسکا مفہوم
- حکومت کی مختلف اقسام اور زوال تمدن کے اسباب۔
- لسان الدین ابن الخطیب۔ علامہ المقری۔ ابن القوطیہ۔
- زریاب کا موسیقی اور آداب رسمیہ ETIQUETTE میں حصّہ۔

فلسفہ اور مابعد الطبیعات:۔

- کلیسا کے دورِ اقتدار میں علم و فن کی بے قدری
- اسلام کا اکتساب علم و فن پر زور اور انتقاد و استدلال کی نئی راہیں۔

مشاہیر فلسفہ۔

- ابن رشد۔ ابن ماجہ۔ ابن طفیل۔ ابن میمون تصوف اور حضرت محی الدین ابن عربیؒ کے تصورات۔

Marfat.com

باب ۲۱

آٹھویں صدی عیسوی میں مسلمانوں کی اندلس میں آمد کے ساتھ ایک نئے دور کا آغاز ہوتا ہے۔ یہ دور یورپ کی معاشرتی، ثقافتی اور ذہنی تاریخ میں ایک درخشندہ باب کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ عرب جب اندلس میں داخل ہوئے تو وہ کسی قدر ناشائستہ تھے۔ اُن کا دامن فلسفہ، سائنس اور دیگر علوم جدیدہ سے تہی تھا۔ لیکن وسعتِ نظر، مذاقِ سلیم اور ذہنی تجسّس نے اُن کی رہنمائی کی اور اُن کی خفیہ صلاحیتیں جلد ہی اُبھر آئیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ ان قدیم متمدن قوموں کے وارث بن گئے جنہیں وہ میدانِ جنگ میں اب تک نیچا دکھا چکے تھے یا مستقبل قریب میں انہیں اپنا باجگذار بنانے والے تھے۔ اُن کے ذہن رسا کا معترف ڈاکٹر ہٹی بھی ہے، وہ لکھتا ہے: عربوں نے شام میں آرامی زبان کو اپنایا، یونانی تہذیب سے متاثر ہوئے، عراق میں اس نہج واسلوب کو قبول کیا جو ایرانی تہذیب کے زیرِ اثر پیدا ہوا تھا۔ بغداد کے وجود میں آنے کے پچھتّر سال کے اندر اندر عرب[1] ارسطو کی فلسفیانہ تصنیفات، بڑے بڑے افلاطونی

---

[1] یہاں "عرب" سے مراد صرف مسلمان عرب ہی نہیں بلکہ وہ تمام لوگ ہیں جو عربی ثقافت کے حامی تھے۔

(باقی اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

شارحین کی تالیفات، جالینوس کی طبی کتب، اور فارسی اور ہندی سائنٹیفک تحقیقات کے مالک بن گئے[1]۔ عربوں نے چند ہی سالوں میں وہ کچھ حاصل کر لیا جسے یونانیوں نے ترقی دینے میں صدیاں لگا دی تھیں۔

دورِ جہالت میں عربی صرف شاعری کی زبان تھی، نبی اکرمؐ کی بعثت کے بعد الہامی اور مذہبی زبان بن گئی۔ لیکن دسویں صدی عیسوی تک اس میں اتنی لوچ اور وسعت پیدا ہو چکی تھی، کہ وہ سائنٹیفک خیالات اور فلسفیانہ تصورات کو اپنے دامن میں جگہ دے سکتی تھی۔ عربی زبان نے نہ صرف علم الادیان اور علم الابدان کو ہی سمویا بلکہ فلکیات، الٰہیات، موسیقی، ادب، علمِ کیمیا، جغرافیہ، اقلیدس، فلسفہ اور تاریخ میں بھی وہ طبعزاد شاہکار پیدا کئے جو یورپ میں "نشاۃ ثانیہ" (Renaissance) کی تخلیق کا سبب بنے۔ اس میں شک نہیں کہ ترکوں کے فاتحانہ داخلے کے بعد استنبول (Constantinople) سے بھاگنے والے یونانی علماء اور آکسفورڈ مصلحین (Oxford Reformers) نے یورپ کے اطراف و اکناف میں بلند خیالی اور آزادہ روی کی لہر دوڑا دی تھی، لیکن اصحابِ بصیرت جانتے ہیں کہ

(گذشتہ سے پیوستہ) اسی طرح جب ہم "عرب طب" یا "عرب فلسفہ" یا "عرب ریاضی" کا نام لیتے ہیں تو اس سے ہماری مراد یہ نہیں ہوتی کہ ان علوم کے مدون کرنے والے صرف مسلمان عرب ہی تھے جو جزیرہ نمائے عرب میں پیدا ہوئے بلکہ ہماری مراد عربی زبان میں لکھی ہوئی اُن کتابوں سے ہوتی ہے جو مختلف علوم پر تحریر کی گئی ہیں۔ لکھنے والا مصری ہو یا شامی، عربی ہو یا عجمی، مسلمان ہو یا عیسائی، ہمیں اس سے بھی بحث نہیں کہ اُس کے مآخذ کیا ہیں؛ (پروفیسر ہٹی)

[1] پروفیسر ہٹی، صفحہ ۳۰۷ - ۳۰۶ -

اس سنہ سے کوئی پانچ سو سال قبل مسلمانوں نے اندلس اور جزائر سسلی میں تہذیب و ثقافت کی قندیلیں روشن کر دی تھیں، اور یہ مسلمانوں کی ہی کدّ و کاوش اور جدّ و جہد کا نتیجہ تھا کہ وہ گمشدہ حکمت کو دوبارہ زندگی مل سکی۔

تاریخ کے طالبعلم کو جو بات سب سے زیادہ کھٹکتی ہے وہ مغربی اقوام کا متعصبانہ رویہ ہے جس کے تحت اُنھوں نے عربوں کی تمام کوششوں کو نظر انداز کرتے ہوئے، جو اُنھوں نے خیال کی دو لہروں (فلسفہ اور سائنس) میں تال میل پیدا کرنے اور یورپ کو سوچ بچار کے نئے اسلوب سے آگاہ کرنے کے لیے کی تھیں، یونان اور روما کو تہذیبِ جدید کا علمبردار اور سائنسی فکر کا امام تسلیم کیا ہے۔ تجربہ اور مشاہدہ جن پہ سائنس کی عظیم عمارت کھڑی کی گئی ہے، یونان کی میراث ہیں نہ روما کی۔ ان کو رائج کرنے کا سہرا صرف عربوں کے سر ہے۔ رابرٹ بریفالٹ، جنہیں علم الانسان میں گہری بصیرت حاصل ہے، اپنی کتاب "Making of Humanity" میں اس حقیقت کا اظہار اس طرح کرتے ہیں:

> ہم جس چیز کو سائنس کے نام سے موسوم کرتے ہیں وہ ان امور کا نتیجہ ہے کہ تحقیق کی نئی روح پیدا ہو گئی، تفتیش کے نئے طریقے معلوم کیے گئے، تجربے، مشاہدے اور پیمائش کے نئے اسلوب اختیار کیے گئے۔ ریاضیات کو ترقی دی گئی اور یہ سب کچھ ایسی شکل میں نمایاں ہوا جس سے یونانی بالکل بے خبر تھے۔ دنیا کے یورپ

Marfat.com

میں اس روح کو اور ان اسالیب کو رائج کرنے کا سہرا عربوں کے سر ہے۔"[1]

بریفالٹ عربوں کی مساعیٔ جمیلہ کو سراہتے ہوئے ایک اور مقام پر رقمطراز ہے۔

"جس روشنی سے تہذیب کا چراغ ایک دفعہ پھر روشن ہوا وہ یونانی رومی ثقافت کے ان شراروں سے نہیں اٹھی جو یورپ کے کھنڈروں میں سلگ رہے تھے اور نہ باسفورس کی 'زندہ موت' سے وجود میں آئی تھی۔ یہ روشنی شمال سے نہیں آئی بلکہ اُسے سلطنت کے جنوبی حملہ آور یعنی عرب اپنے ساتھ لائے تھے۔"[2]

جان ڈبلیو کیمبل جونیر نے اپنے ایک خیال انگیز مقالے میں جو اسلامک ریویو کے صفحات کی زینت بنا تھا، تحریر کیا ہے۔

"اسلام نے سائنس ایجاد کی۔ یہ کام روما اور یونان نہ کر سکا... فلسفہ خوب ہے لیکن یہ تنہا قائم نہیں رہ سکتا ایتھنز اپنے دلفریب فلسفے پر مر کے بل گرا کیونکہ یہاں نکاسی کے لئے بدر رو نہ تھی نہ آبی گزرگاہ۔ روما کے پاس صفائی ستھرائی کا شاندار انتظام تھا لیکن سیکھانہ کر سکا تھا۔ ہم نے سائنسی میراث روما سے لی ہے نہ یونان سے بلکہ اسلام سے لی ہے۔"

---

[1] تشکیل انسانیت، ص ۲۹۷ - ۲۹۶

[2] ایضاً، ص ۲۸۳

بے جا نہ ہو گا اگر ہم پروفیسر ہٹی کے ان الفاظ کو نقل کر دیں جو اس نے "عربوں کی تاریخ" کے صفحات پر رقم کئے ہیں:-

"مسلمانوں کے دور کے اندلس میں ازمنہ وسطیٰ کے یورپ کی تاریخ علم و دانش کے سنہری ابواب لکھے گئے۔ آٹھویں صدی اور تیرھویں صدی کے آغاز تک عربی بولنے والے دنیا بھر میں تہذیب و ثقافت کے عظیم مشعل بردار تھے۔ مزید برآں انہی کے توسط سے قدیم علم اور فلسفہ دریافت ہوا، اس میں اضافہ ہوا اور اس انداز سے پھیلا کہ مغربی یورپ میں تحریک احیائے علوم ممکن ہوئی"

یورپ نے اسلام کو اس کی علمی کوششوں اور عملی کاوشوں کے لئے خراجِ تحسین ادا کرنے کی بجائے روما اور یونان کو جو اہمیت دی ہے اس کے اسباب کا کھوج لگانا مشکل نہیں۔ درحقیقت یورپ جب ظلمت و جہالت کے دور سے باہر نکلا ہے تو یونان اور روما جو کبھی عیسائیت کے دشمن تھے، حلقہ بگوشِ مسیحیت ہو چکے تھے لیکن اسلام تثلیث کا دشمن بن چکا تھا۔ احیائے علوم و فنون کے بعد یورپ نے اسی میں لطف محسوس کیا کہ وہ سائنسی ترقی کا خراج اپنے دشمن کو پیش کرنے کی بجائے یونان اور روما کی اس شعبے میں اوّلیت کو تسلیم کرے۔

میکب کو اس بات کا اعتراف ہے کہ "اگر تعلیماتِ اسلامی ہم تک بر وقت پہنچ چکی ہوتیں اور فرانس کے عیسائی حکمران مسلمانوں کو یورپ میں داخل ہونے سے نہ روک دیتے تو آج

Marfat.com

نہ صرف ہم بلکہ تمام بنی نوعِ انسان پانچ سو برس پہلے فلسفہ اور علم کے ہر شعبے میں ترقی یافتہ ہو چکے ہوتے۔"

مسلمانوں کی شمشیرِ آبدار جب اپنے جوہر دکھا چکی اور اندلس و صقلیہ کے اہم شہر زیرِ نگیں ہو چکے، تو مسلمانوں نے زمانۂ امن کے علوم کی طرف توجہ دی۔ اب نیزوں کو حرکت دینے اور تلواروں کے جوہر دکھانے کی بجائے "تصوراتی یلغاروں" کی طرف دھیان کیا گیا۔ شاہانِ ذی حشم نے سلطنت کو استحکام، تجارت کو فروغ، صنعت و حرفت کو ترقی اور ملک کو خوشحالی بخشنے کے لئے جس انہماک سے کام کیا، وہ اُن کی بلند نظری، روشن ضمیری اور قابلیت کا کھُلا ثبوت ہے!

شہروں کو آرائش اور زینت بخشی گئی۔ باغات اور نزہت گاہیں قائم کی گئیں۔ عوام کے استعمال کے لئے حمام اور حوض بنوائے گئے۔ علوم و فنون کی ترویج اور ترقی کے لئے دانش گاہیں قائم کی گئیں۔ مدرسے اور کالج کھولے گئے۔ اندلس میں تعلیم اس قدر ارزاں اور عام کی گئی کہ اندلس میں تقریباً ہر شخص لکھ پڑھ سکتا تھا، اور یہ حالت ایسے زمانے میں تھی جب مسیحی یورپ میں صرف چند پادری ہی مبتدیاتِ علم سے واقف تھے، اور باقی عوام چوپائے تھے۔ نہیں، بلکہ چوپاؤں سے بھی بدتر۔ اعظم بلاد میں پبلک لائبریریاں قائم کی گئیں، تاکہ لوگ اپنے اوقاتِ فرصت کو مطالعہ کتب میں گزار سکیں۔ شاہانِ اندلس کو کُتب اکٹھا کرنے کا جنون کس قدر تھا؟ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ حکم

Marfat.com

ثانی کی لائبریری میں چار لاکھ مجلد کتاب موجود تھی، جب کہ ملکہ ازابیلا کی ذاتی لائبریری میں صرف دو سو ایک کتاب رکھی تھی، اور پیرس کے اسقف کے ہاں صرف اٹھارہ کتابوں کا حقیر مجموعہ موجود تھا۔

شہروں کا انتظام میونسپل کمیٹیوں کے سپرد تھا۔ جنہیں خود اختیاری کے تمام حقوق حاصل تھے۔ روشنی اور صفائی کا انتظام اعلیٰ پیمانے پر کیا جاتا تھا۔ صفائی اور پاکیزگی قائم رکھنے کے لئے حفظانِ صحت کے اصولوں پر سختی سے عمل کیا جاتا۔ مسلمان حکمرانوں نے نہ صرف مسالک کو ڈاکوؤں اور لٹیروں سے ہی محفوظ رکھا بلکہ ملک میں نئی اور پختہ سڑکوں کا جال بچھا دیا۔ تمام شوارع پر روشنی کا انتظام کیا گیا تھا۔ حالانکہ "اس کے سات سو سال بعد تک لندن میں ایک بھی پبلک لیمپ موجود نہ تھا"۔ "پیرس میں صدیوں بعد بھی اگر کوئی شخص بارش کے دن گھر سے باہر نکلتا تو گھٹنوں تک کیچڑ میں دھنس جاتا"۔

زرعی ترقی کے لئے جہاں نہریں کھدوائی گئیں، وہاں جدید آلاتِ کاشت کو بھی استعمال میں لایا گیا۔ ان اصلاحات کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک کی دھن دولت بڑھ گئی، محاصل سے آمدنی کثیر ہوگئی اور مسلمان اب فراغت کے ساتھ زندگی کے ہر شعبہ میں ترقی کرنے کے قابل ہو گئے۔

اب مختلف علوم میں ریسرچ کرنے کا وقت آیا، اور یہ کام بھی ایسی جانفشانی سے کیا گیا کہ اقوام و ملل کی تاریخ میں اس کی مثال تک نہیں ملتی۔

آج کی محفل میں ہم اُن یگانہ روزگار اصحابِ علم و فن[1] کا ذکر کریں گے

---

[1] طوالت کے خوف سے اندلس اور صقلیہ کی علمی خدمات کو علیحدہ علیحدہ ابواب میں تقسیم نہیں کیا جا سکا۔ انہیں یکجا اکٹھا کر دیا گیا ہے۔

Marfat.com

جنہوں نے اپنے تمام وسائل اور ذرائع علمی تحقیق وتدقیق میں صرف کر دیئے اور مسیحی یورپ کی ذہنی اور ثقافتی تاریخ میں وہ کارہائے نمایاں سرانجام دیئے کہ انجم بھی اس عروجِ آدمِ خاکی سے سہمے جاتے ہیں۔

(۱) عِلمُ الاَدیان

(علمائے عصر)

"تجدید و احیائے ملت، رفعِ اعلامِ سنت اور اخمادِ شرِ بدعت" کے لئے علماءِ حق کا وجود کسی اسلامی ریاست میں ناگزیر ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنی عزیمت وہمت اور اجتہادانہ قوت کے سبب" نہ صرف سلف کے ذخائر کو خلف کے لئے محفوظ کر دیا ہے بلکہ تمام مشکلات و معضلاتِ کار کو صاف کر کے اور ضبط و اتقان، تہذیب و ترتیب، تلخیص وتشریح، نقد رجال و اسناد سے آراستہ و پیراستہ کر کے تمام آنے والی اُمت کے لئے اتباعِ سنت کی راہ بالکل سہل و آسان کر دی ہے۔" یہی وہ اصحاب عزیمت ہیں کہ جب ثبات و استقامت کی لگاتار آزمائشیں کی گئیں، تو اُنھوں نے "گوشۂ رخصت و بیچارگی میں امن و عافیت کے پھول چننے کی بجائے دہکتے ہوئے انگاروں کو پکڑ لیا۔ کیونکہ وہ میدانِ عزیمت واسبقیت بالخیرات کو چھوڑ کر تنگنائے رخصت و ضعف میں پناہ لینا کیونکر گوارا کر سکتے تھے؟"[1،2]

[1،2] تذکرہ، ابوالکلام آزاد۔

Marfat.com

ابنِ خلدون کا خیال ہے کہ علماء عموماً سیاست سے بے بہرہ ہوتے ہیں۔ لیکن اس گروہ میں لوگوں کا ایسا ہونا کوئی تعجب خیز امر نہیں ہے۔ قرونِ وسطیٰ کی تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ اس دور میں ایسے گوہر یکتا بھی تھے جنہیں "ذوالریاستین" کہا جا سکتا ہے۔ جہاں وہ ذہنی اور علمی دنیا کے امام تھے وہاں وہ عملی اور مدنی سیاست میں بھی پیش پیش تھے۔ اگر وہ محافلِ علم و ادب کے صدر نشین تھے تو وہ بادشاہوں کی مجلسِ شوریٰ کے بھی سرگرم رکن تھے۔ آج ہم انہی لوگوں کا ذکر کریں گے جنہیں شاہِ جیلان رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب غُنیۃُ الطّالبین میں حراسُ القُلوب" اور "جواسیسُ الارواح" (دلوں کے نگران اور روحوں کی جاسوسی کرنے والے) کے نام سے یاد کیا ہے۔

اس گروہ کے سرِ عسکر، عاقلِ اندلس[1] یحییٰ بن یحییٰ لیثی ہیں۔

(۱) یحییٰ بن یحییٰ اللیثی

آپ بربری خاندانِ مصمودہ میں پیدا ہوئے۔ یہ وہی قبیلہ ہے جو اپنی وحشت و بربریت میں بے مثال تھا۔ اور جب موسیٰ بن نصیر نے بربروں کو مغلوب کرنا چاہا، تو یہ سدِّ راہ بنے، لیکن تہذیبِ جذبات کے بعد اس خاندان کے اکثر لوگ نہ صرف مسندِ علم کے ہی صدر نشین بنے بلکہ ناموسِ اسلام کی حفاظت کے لئے بھی ڈھال ثابت ہوئے۔

یحییٰؒ نے فریضۂ حج ادا کرنے کے بعد ۱۷۹ھ میں، جب آپ کی عمر

---

[1] علامہ المقری نے محمد بن لبابہ کا قول نقل کیا ہے اور آپ کو عاقل اندلس لکھا ہے۔ عیسیٰ بن دینار فقیہہ اندلس، کہلاتے ہیں اور عبدالملک بن حبیبؒ السلمی عالمِ اندلس، عاقل اندلس کا لقب انہیں حضرت امام مالکؒ نے عطا کیا تھا۔ (المقری جلد الثانی، صفحہ ۲۱۵)

۲۸ برس کے قریب ہو چکی تھی۔ حضرت امام مالکؒ کی شاگردی اختیار کی اور مؤطا کی تحصیل کی۔ یوں نظر آتا ہے کہ آپ کتاب الاعتکاف کے بعض حصے آپ سے نہ سُن سکے۔ مشرق کی طرف تحصیل علم کے لئے یہ آپ کا پہلا سفر تھا۔ اس دوران میں ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔

ایک دن جب آپ حلقۂ درس میں بیٹھے ہوئے تھے، تو ایک ہاتھی مسجد کے سامنے سے گزر پڑا۔ تمام کے تمام طلباء اس عجیب الخلقت جانور کو دیکھنے کے لئے بھاگ دوڑے۔ صرف ایک مخلص شاگرد (یحییٰؒ) ہمہ تن گوش بیٹھا رہ گیا۔ امام مالکؒ نے تعجب سے پوچھا: یحییٰ! تم نے اس سے پہلے کبھی ہاتھی تو نہ دیکھا ہوگا؟ جاؤ دیکھ آؤ تم بھی!" یحییٰ نے عرض کی: "حضورِ والا! میں نے یہ طویل سفر اس لئے اختیار نہ کیا تھا کہ اپنا وقت لہو ولعب میں ضائع کردوں۔ اصل مقصد تو آپ کے چشمۂ علم سے مستفیض ہونا تھا۔ میرے لئے بس یہی کافی ہے۔"

امام مالکؒ یہ سُن کر جوشِ مسرت سے پکار اُٹھے "یہ اندلس کا عاقل ہے۔ اور اس ملک کے لئے باعثِ فخر ومباہات ہے جس میں اس نے جنم لیا ہے۔"[1]

مصر میں آپ نے لیث ابن سعد اور مکہ شریف میں سفیان ابنِ عینیہ سے استفادہ کیا۔

علم وعمل، حلم وکرم، زہد وتقویٰ میں آپ کی نظیر نہیں ملتی۔ امیر

[1] المقری، جزء الثانی، ص ۲۱۷؛ خلافتِ اندلس، ص ۹۵۔

Marfat.com

عبدالرحمٰن کے عہد میں وہ تمام فوجداری قضایا کا فیصلہ کرتے۔ طبیعت نڈر اور خود دار پائی تھی۔ امیر نے ماہِ رمضان میں ایک دن (بسبب اپنی لونڈی سے مجامعت کے) روزہ فاسد کر لیا۔ یحییٰ سے مسئلہ پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا "ساٹھ روزے اور رکھئے" چنانچہ امیر کو شریعت کی متابعت میں دو ماہ کے روزے اور رکھنے پڑے۔ بعض درباری علماء نے جنہیں امیر کی خوشنودی منظور تھی، اعتراض کیا کہ کفارہ ایک غلام کو آزاد کرنے یا ساٹھ مساکین کو کھانا کھلانے کی صورت میں بھی ادا ہو سکتا تھا! اس کے جواب میں آپ نے فرمایا: یہ درست ہے۔ لیکن شاہِ کامگار کے لئے اس قسم کے کفارے کا ادا کرنا کیونکر مشکل ہو سکتا تھا؟ یہ امر اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ یحییٰ کے سامنے بادشاہ کی خوشنودی نہ تھی بلکہ تجدید و احیائے شریعت تھی۔ یحییٰؒ کو عبدالرحمٰن کے دربار میں غیر معمولی منزلت حاصل تھی۔ وہ قضاۃ کو اُن کے مشورہ کے بغیر مقرر نہ کرتا تھا[1]۔ حقیقت یہ ہے کہ عبدالرحمٰن کے عہد میں اسلامی تعلیمات کا احیاء اور اجراء آپ ہی کے جذبۂ اخلاص و دینداری کا نتیجہ تھا[2]۔

ابن حزم کا خیال ہے کہ دو مذہب ایسے ہیں جنہیں بادشاہوں کی حمایت حاصل رہی ہے ایک مذہب حنفی ہے اور دوسرا مالکی۔ اول الذکر کی اشاعت حضرت امام ابو حنیفہؒ اور قاضی ابو یوسفؒ کی تبحرّ علمی، بلند کرداری، راست گفتاری اور سیاسی وجاہت کے

---

[1] افتتاح الاندلس، ص ۵۸؛ المقری، جزء الثانی، ص ۲۱۸

[2] المقری، جزء الثانی ۲۱۸

Marfat.com

سبب ہوئی۔ لیکن مغرب میں مالکی مذہب کا فروغ شیخ یحییٰؒ کی عظمت وجلالت کے ذریعہ سے ہوا۔

آپ مستجاب الدعوات بھی تھے۔ لوگ امساکِ باراں کے موقعہ پر آپ سے دعا کرواتے اور وہ قبول ہوتی۔

آپ نے ماہِ رجب ۲۳۴ھ میں وفات پائی۔

(۲) قاضی منذر بن سعید البلوطیؒ

آپ عبدالرحمٰن الناصر کے عہد کے اُن جلیل فقہا میں سے تھے جنہیں حق گوئی اور خلوصِ عمل کے لئے عزّ و وقار کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ عوام تو اس لئے احترام کرتے کہ آپ فرض شناس تھے، متدیّن تھے اور راست گو۔ ارکانِ سلطنت اس لئے خائف تھے کہ آپ نے نڈر اور خوددار طبیعت پائی تھی۔ فیصلہ دیتے وقت، تمام عمر، عدل وانصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹا۔

المقریؔ کا کہنا ہے کہ: لَا یخاف فِی اللہِ لَومۃ لائمٍ (وہ اللہ تعالیٰ کے حق میں ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈرتے تھے[1])

آپ کی ابتدائی عمر خمول و گمنامی میں گزری۔ اپنے زمانہ کے متداول علوم پر آپ کو کمال دسترس حاصل تھی۔ آپ نہ صرف علمی روشنی کا مینار تھے، تقویٰ کی مسند کے امام تھے بلکہ بہترین خطیب بھی تھے۔ جب آپ خطبہ دیتے تو سامعین گھنٹوں مبہوت بیٹھے رہتے۔ الناصر کے دربار میں جب بازنطینی خیر سگالی کا وفد پہنچا تو شاہ نے ابوعلی القالی

---

[1] المقری، جزء الثانی، ص ۲۲۳

Marfat.com

(المتوفی ۹۶۰ھ) کو حکم دیا کہ وہ سفیرِ روم کے خطبے کا جواب دے لیکن القالی اپنی قادر الکلامی کے باوجود رومی سفیر کی عظمت وشوکت سے اس قدر متاثر ہو چکا تھا کہ چند سطور سے زیادہ نہ کہہ سکا اس انبوہِ کثیر میں قاضی صاحب بھی تشریف فرما تھے۔ فوراً اُٹھ کھڑے ہوئے اور فصاحت کو قائم رکھتے ہوئے ایسی خود اعتمادی کے ساتھ خطبے کا جواب پیش کیا کہ الناصر ولیعہد سے پوچھ رہا تھا کہ یہ کون ہے؟

معلوم ہوتا ہے کہ یہ پہلا دن تھا جب الناصر پر آپ کے جوہر کھلے۔ مجلس کے برخاست ہونے پر آپ کو انعام و اکرام شاہی سے نوازا گیا۔ محمدؒ بن عیسیٰ کی وفات کے بعد آپ کو زہرا کی جامع مسجد کا خطیب مقرر کیا گیا۔

آپ عزم وثبات کا ایک ایسا کوہِ گراں تھے کہ کسی قسم کا لالچ یا بیم وخوف اسے متزلزل نہ کر سکتا تھا۔ احمد المقری نے سند کے طور پر یہ واقعہ بیان کیا ہے:۔

ایک دفعہ بادشاہ کے چند آدمی ایک عورت کی خاطر کوئی عمدہ سا مکان خرید کرنا چاہتے تھے، ان کی نظرِ انتخاب ایک ایسے مکان پر پڑی جو چند یتیم اور لاوارث بچوں کی ملکیت تھا۔ اس زمانہ میں بیع نامہ کی توثیق قاضی القضاۃ کرتا۔ جب شاہی اہلکاروں نے بیع نامہ قاضی صاحب کی عدالت میں تصدیق کے لئے پیش کیا تو صاحبِ موصوف نے مہرِ عدالت ثبت کرنے سے انکار کر دیا۔

۱؎ المقری، جزو الاوّل، ص ۳۴۹۔

Marfat.com

کارندے مکان خریدنے پر مُصر تھے۔ لیکن قاضی صاحب اُن یتیم بچوں کی حمایت پر تُلے ہوئے تھے۔ قاضی صاحب نے جب کوئی اور صورت نہ دیکھی تو حکم دے دیا کہ مکان کا ایک حصّہ گرا دیا جائے اسے عیب دار بنا دیا جائے تاکہ اس کی افادیت ختم ہو جائے۔ معاملہ لمبا ہو گیا اور کارندوں نے الناصر کے ہاں شکایت کر دی بادشاہ نے جب قاضی صاحب سے مکان کو خراب کر دینے کی وجہ پوچھی تو آپ نے اپنے عمل کے جواز میں سورۃ کہف کی یہ آیات تلاوت کر دیں:۔

أَمَّا السَّفِينَةُ فَكَانَتْ لِمَسَاكِينَ يَعْمَلُونَ فِي الْبَحْرِ فَأَرَدْتُّ
أَنْ أَعِيبَهَا وَكَانَ وَرَاءَهُمْ مَلِكٌ يَأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ غَصْبًا ۝

(اس آیت میں اشارہ ہے اُس سفر کی طرف جو حضرت موسیٰؑ اور حضرت خضرؑ نے ایک ساتھ کیا۔ راستے میں جب دونوں کشتی میں سوار ہوئے، تو حضرت خضرؑ نے کشتی میں سوراخ کر دیا۔ حضرت موسیٰؑ کشتی کو بلاوجہ عیب دار بنانے پر چلّا اُٹھے اور پوچھا: کیا آپ نے کشتی کو اس لئے پھاڑ دیا ہے کہ مسافروں کو ڈبو دیا جائے؟ حضرت خضرؑ اس وقت تو خاموش ہو رہے لیکن بعد میں جب اپنے عمل کی وضاحت کرنے لگے تو فرمایا! وہ کشتی اُن غریب ملاحوں کی ملکیت تھی جو سمندر میں کام کرتے ہیں۔ میں نے چاہا کہ (اس میں چھید کر کے) اسے عیب دار بنا دوں تاکہ وہ بادشاہ جو ان کے آگے ہے اور کشتیوں کو بیگار پکڑتا ہے اس کشتی کو کام میں نہ لا سکے۔)

۱۱۔ المقری، جزء الثانی، ص ۲۲۴ - ۲۲۳۔

قاضی صاحب کا مقصد یہ تھا کہ شاہی اہلکار اس کی خرید نہ کر سکیں۔ اُن کا یہ جرأت مندانہ قدم بنظرِ استحسان دیکھا گیا۔ المقرّی نے اُن کے بعض اشعار نقل کرتے ہوئے بتایا ہے کہ وہ اچھے شاعر بھی تھے۔ اُن کی شاعری میں مذہبی رنگ زیادہ نمایاں ہے۔

(۳) قاضی محمدؒ بن بشیر

یہ اپنے عہد کی ممتاز شخصیّت ہیں۔ ابن القوطیہ نے اُنھیں "عمدۃ القضاۃ" شمار کیا ہے۔ آپ زہد و ورع، علم و حلم اور عدل گستری میں اپنے ہم عصروں پر فوقیت رکھتے تھے۔

آپ مصر کے ایک علمی گھرانے سے تعلق رکھتے تھے، جو زمانۂ امارت میں باجہ میں مقیم ہو گیا تھا۔ آپ جلد ہی اپنی قابلیّت اور ذہانت کے سبب عباس بن عبداللہ، عاملِ باجہ کے کاتب مقرر ہوئے۔ تحصیلِ علم کے لیے مصر کا سفر کیا اور بعد میں حضرت امام مالکؒ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ اندلس میں آپ شیخ یحییٰؒ کی طرح مالکی مسلک کے پیرو کار تھے۔ حکم اوّل کے عہد میں قرطبہ کے قاضیِ اعظم مقرر ہوئے[1] اس منصبِ جلیلہ کے حصول کے بعد بھی طبیعت اور لباس کی سادگی پہلے کی طرح قائم رہی انھیں ظاہری ٹیپ ٹاپ اور آرائش و زیبائش سے سخت نفرت تھی۔ ایک زرد سی موٹی چادر زیبِ تن ہوتی اور پاؤں میں موٹی اور بھدّی سی چپل پہنی ہوتی۔ کوئی اجنبی حلقۂ احباب میں آپ کو پہچان نہ سکتا تھا۔

---

[1] اخبار الاندلس سمہ ۱۲۶ - ۱۲۷، و افتتاح الاندلس، ص ۱۴۵،

Marfat.com

ایک مرتبہ ایک شخص جامع مسجد قرطبہ میں آپ سے ملاقات کی خاطر حاضر ہوا۔ وہ ایک گروہ کے پاس پہنچا، اور قاضی صاحب کے متعلق دریافت کیا۔ ایک شخص نے اشارہ سے بتایا کہ قاضی صاحب فلاں جگہ پر تشریف فرما ہیں۔ جب وہ قریب پہنچا تو آپ کی ہیئت اور وضع کو دیکھ کر آپ کو قاضی باور نہ کر سکا اور واپس لوٹ آیا اور ان لوگوں سے کہا: "میں تو ایک ضروری کام کی خاطر حاضر ہوا تھا۔ لیکن آپ نے میرا مذاق اُڑایا ہے۔ بھلا وہ کھدر پوش اور سادہ لوح آدمی بھی کہیں قاضی القضاۃ ہو سکتا ہے؟" اُنھوں نے جواب دیا: "بھئی! ہمارے قاضی صاحب تو وہی ہیں۔ معلوم نہیں آپ کس کی تلاش میں ہیں!" وہ واپس لوٹا اور قاضی صاحب کے پاس جا بیٹھا۔ جب مسئلہ کے مالہٗ و ماعلیہ پر بات چیت شروع ہوئی تو وہ آپ کی علمی قابلیت اور مجتہدانہ قوت سے بہت زیادہ متاثر ہوا۔

حقیقت میں یہ لوگ ہیں جنھوں نے مادی دولت پر اُخروی نعمت کو ترجیح دی ہے اور دنیا کی "متاعِ قلیل" کو چھوڑ کر اس "خیر و برکت" پر قناعت کر لی ہے، جو دوسری دنیا میں اُنھی کا حصہ ہے۔

دنیا میں کسی انسان کو صرف دو ہی چیزیں راہِ راست سے ہٹا سکتی ہیں۔ رجا۔ یا بیم۔ بادشاہوں سے نفع کی امید اور نقصان کا خوف انسان کے پائے استقامت میں لغزش پیدا کر دیتا ہے۔ لیکن مردانِ حق کے لیے "مَا عِندَ اللہِ خَیرٌ" (جو کچھ (اجر) اللہ تعالیٰ کے پاس ہے بہتر ہے)، خدمتِ خلق، قیامِ عدل و انصاف اور راست

کرداری وہ مقصود ہے جس کے حصول کے لئے اُنھوں نے اپنی زندگیاں وقف کردی ہیں۔

ایک مرتبہ حکم نے بعض شکایات کی بنا پر انہیں عہدہ قضاۃ سے معزول کر دیا۔ قاضی صاحب نے اس معزولی کی چنداں پروا نہ کی۔ وہ اپنی خچر پر سوار ہوئے اور وطن مالوف کی طرف چل دیئے۔ دل کی دھڑکنیں پہلے سے زیادہ تیز نہ تھیں۔ وہ اب بھی قانع تھے اپنی قسمت پر۔ زیادہ دن نہ گزرے تھے کہ قاضی صاحب کو یہ مسند دوبارہ بخشی گئی۔ آپ نے اپنے زمانہ میں "عدلِ فاروقی" کو دوبارہ زندہ کیا۔ کمرۂ عدالت میں مدعی اور مدعا علیہ کے درمیان کوئی فرق نہ سمجھتے تھے۔ امراء جب گھر پہ ملنے کے لئے آتے تو آپ نجی معاملوں کے سوا کسی اور معاملہ پہ گفتگو کرنے سے انکار کر دیتے۔

ایک دفعہ عباس قرشی کے خلاف، جو باجہ کا گورنر تھا، ایک شخص نے زمین کا دعویٰ کر دیا۔ قاضی صاحب نے مقدمہ کی سماعت کے بعد عباس کے خلاف فیصلہ سُنا دیا۔ عباس نے حکم کے ہاں شکایت کی اور قاضی صاحب کو ملازمت سے علیحدہ کر دینے پر زور دیا۔ لیکن حکم ایسا نہ کر سکتا تھا، کیونکہ اُسے قاضی صاحب پر کُلّی اعتماد تھا۔ اس نے عباس سے کہا۔ اگر قاضی صاحب تمہیں خلوت میں گھر پر ملنے کی اجازت بخشیں اور تمہاری خاطر و مدارات کریں، تو میں سمجھ لوں گا کہ جو کچھ تم کہتے ہو درست ہے۔ ورنہ قاضی صاحب کا فیصلہ آخری سمجھا جائے گا۔

عباس کو اس بات کا یقین تھا کہ قاضی صاحب چونکہ اس کے

Marfat.com

تحت بحیثیت کاتب کام کر چکے ہیں۔ اس لئے وہ ضرور اسے خوش آمدید کہیں گے۔ حکم نے بھی اپنی طرف سے ایسے لوگوں کو مقرر کر دیا جو اسے معاملہ کی حقیقت سے آگاہ کر دیں۔

عباس آپ کے مکان پر پہنچا اور دروازے پر دستک دی۔ ایک لونڈی باہر آئی اور پوچھا "آپ کون ہیں اور کیسے آئے ہیں؟" عباس نے کہا "میں والی باجہ ہوں اور قاضی صاحب سے ملنے آیا ہوں"۔ لونڈی نے اندر قاضی صاحب کو اطلاع دی۔ قاضی صاحب نے فرمایا: "حاکم باجہ سے کہہ دو کہ وہ بھی جامع مسجد قرطبہ میں جا کر دوسرے حاجتمند لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر میرا انتظار کریں۔ عدالتی معاملات کا تعلق کچہری سے ہے نہ کہ گھر سے[1]۔ عباس اپنی تمام کوششوں کے باوجود ناکام رہا۔ چنانچہ اس کے خلاف فیصلہ جوں کا توں رہا۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ حکم جیسا جابر بادشاہ بھی اُس رات رو رہا تھا جب قاضی صاحب بستر مرگ پر دم توڑ رہے تھے[2]۔ وہ دعا کرتا تھا کہ قاضی صاحب کی رحلت کے بعد اُسے کوئی عادل اور منصف قاضی مل جائے۔ چنانچہ ۱۹۸ھ میں جو آپ کی وفات کا سنہ ہے آپ کے صاحبزادے قاضی سعید بن محمد اس منصب پر فائز ہوئے وہ بھی اپنے وقت کے مشاہیر فقہاء میں سے تھے۔

---

[1] اخبار الاندلس، ص ۱۲۸ - ۱۲۷ - خلافت اندلس، ص ۸۷

[2] افتتاح الاندلس۔ ص ۵۶، ۵۷۔

Marfat.com

(۴) قاضی اسد بن فراتؒ (فاتح سسلی)

"تاریخ عالم نے ایسی شخصیتوں کو بہت کم نمایاں کیا ہے، جو صاحب علم بھی ہوں اور صاحبِ سیف بھی۔ ایک دنیا تو ان کے تبحرّ علمی، زہد و تقویٰ اور مجتہدانہ قوتوں کی قائل ہو، اور ایک زمانہ اُن کی جرأت و ہمت، شجاعت و فراست اور قوتِ بازو کا معترف ہو۔ وہ بزم کے روح رواں بھی ہوں اور رزم کے حقائق سے واقف بھی ہوں"

اسد بن فرات کو ان لوگوں کی صفِ اوّل میں جگہ دی جائے گی جنھوں نے اپنی ان تھک کوششوں سے علمی اور عملی دنیا میں تہلکہ مچا دیا ہے۔ اُن کی حربی کوششوں کا ذکر گذشتہ اوراق میں آچکا ہے آج ہم ان کی علمی سرگرمیوں کا ذکر کریں گے۔

اسد کا آبائی وطن تو نیشاپور (خراساں) ہے، لیکن اُن کی ولادت دیارِ ابی بکر میں ۱۴۲ھ میں ہوئی۔ اُن کے والد کا نام فرات اور دادا کا نام سنان تھا۔ آپ کبھی کبھی مذاقاً کہا کرتے تھے۔ میں، اسد (شیر) ہوں جو وحشی جانوروں میں سب سے بہتر ہے۔ میرے والد فرات، ہیں جو دریاؤں میں سب سے بہتر ہے اور میرے دادا سنان (نیزے کی انی)، ہیں جو ہتھیاروں میں بہترین ہے۔

دیارِ ابی بکر سے وہ قیروان آئے اور پانچ سال کی عمر میں وہ

۱؎ تین اصحاب کا تعلق سرزمینِ اندلس سے تھا لیکن اسدؒ کی علمی اور عملی سرگرمیوں کا تعلق جزیرہ سسلی سے ہے جہاں وہ ۲۱۲ھ میں فاتحانہ انداز میں داخل ہوئے۔

۲؎ ان کی ولادت کا سن ۱۴۳ھ اور ۱۴۵ھ بھی بتایا جاتا ہے۔

Marfat.com

ٹیونس پہنچے۔ ابتدائی تعلیم ٹیونس میں حاصل کی جہاں علی ابن زیاد کا چشمۂ علم جاری تھا۔ ۱۷۲ھ میں مدینہ شریف پہنچ کر حضرت امام مالکؒ کے حلقۂ درس میں شریک ہوئے۔ اس وقت عبداللہ بن وہب اور عبدالرحمن بن قاسم بھی یہاں موجود تھے۔ اسد صاحب بڑے ذہین تھے۔ انہوں نے اپنے خدشات کو رفع کرنے کے لئے امام صاحب پر سوال در سوال کرنے شروع کر دیئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب قیل وقال کو زیادہ پسند نہ فرماتے تھے، اس لئے انہوں نے اسد کو بھی ایسا کرنے کی ممانعت کر دی۔

اسد موطا کی تکمیل کے بعد یہاں سے رخصت ہوئے۔ امام صاحب نے رخصت کرتے وقت "تقوی اللہ" اور "امت کی بھلائی" کی تلقین کی۔

اس کے بعد وہ عراق آئے، جہاں "علمائے احناف" کی مسند درس بچھی تھی۔ امام ابو یوسف، اسد بن عمرو اور امام محمد بن حسن (جو حضرت امام ابو حنیفہؒ کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں) کے حلقہا درس قائم تھے۔ اسد نے یہاں پہنچ کر کافی اہمیت حاصل کر لی اور فقہ حنفی سے پورا پورا استفادہ کیا۔ امام محمدؒ نے انہیں اپنے پاس ٹھہرنے کی اجازت دے دی اور عام درس میں شریک ہونے کے علاوہ انہیں رات کے وقت بھی احادیث نبویؐ سنایا کرتے۔ جب انہیں یہ علم ہوا کہ اسدؒ ابن السبیل ہیں، تو وہ زیادہ شفقت سے پیش آنے لگے۔ بعض اوقات انہیں نقد رقم بھی دیتے تاکہ وہ اپنی ضروریات کو پورا کر سکیں۔

Marfat.com

امام مالکؒ کی وفات حسرت آیات کے بعد اسد مرجع انام بن گئے
امام محمدؒ، امام مالکؒ کو "امیر المؤمنین فی الحدیث" کہہ کر پکارا کرتے تھے۔
اسد کے مقام (فی الحدیث) کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے اس تشنۂ علم کو سیراب کرنے کے بعد خود فقہ مالکی میں ان سے استفادہ کیا، اور موطأ امام مالکؒ کا درس لیا۔" اس حیثیت سے اسد کی شخصیت اسلام کے دو اہم مذاہب کے اساطینِ اوّلین کے درمیان ایک سِلسلۃُ الذّہب کی قرار پاتی ہے[1]۔"

عیسیٰ سے علم حدیث حاصل کرنے کے بعد اسد نے یحییٰ بن زکریا الکوفی، ابو بکر بن عیاش، مثبت بن شریک اور ہیثم بن شریک وغیرہ سے، جو شیوخ عراق میں سے تھے، علم حدیث پڑھا۔ موسیٰ خرّ الذمہ سے آپ نے کوئی بارہ ہزار حدیثیں لکھیں۔

مشرق میں تحصیلِ علوم کے بعد آپ نے رختِ سفر باندھا اور وطن کو واپس لوٹ گئے۔ اس موقعہ پر سفر کے تمام مصارف ولیعہد شاہزادہ محمد (امین) نے برداشت کئے۔

اسد نے مصر کے قیام کے دوران میں عبد اللہ بن وہب، اشہب اور عبد الرحمٰن ابنِ قاسم سے استفادہ کرنا چاہا۔ لیکن عبد اللہ بن وہب اور اشہب سے تعلقات جلد ہی بگڑ گئے۔ اب اسد نے ابن قاسم کی طرف رجوع کیا۔ وہ کبرسنّی، ذہانت اور فطانت کے لئے امام مالکؒ کے تلامذہ کے درمیان عزو وقار کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔

---

[1] تاریخِ صقلیہ، جلد دوم، ص ۲۴۷

Marfat.com

ایک دن اسد نے اُن کے متعلق یہاں تک کہہ دیا:۔
"حضرات! اگر مالک بن انسؒ رحلت فرما گئے ہیں، تو کوئی بات نہیں۔ یہ دوسرا امام مالک ہمارے درمیان موجود ہے؟"

اسد نے اب اسدیہ کی تدوین کی طرف توجہّ دی۔ آپ نے ابنِ قاسم کے جوابات کو (جو اسد کے سوالات کے جواب میں پیش کئے جاتے) سپردِ قلم کرنا شروع کیا۔ یہ تمام مواد ساٹھ جزوں میں مکمل ہوُا اور فقہِ مالکی کا سب سے زیادہ مستند ضابطہ قرار پایا۔ اسد نے اسے اپنے نام پر "الاسدیہ" کہا۔

اسد مصر سے ۱۸۱ھ میں قیروان پہنچے۔ جہاں آتے ہی آپ نے مؤطا امام مالک اور اسدیہ کی تعلیم دینی شروع کر دی۔ مصر سے روانگی کے وقت آپ نے قاضیِ مصر کے اصرار پر اسدیہ کا ایک نسخہ اُن کے حوالے کر دیا تھا۔ اسد کو یہ فخر حاصل ہے کہ ان کا مجموعہ مسائل ان کی زندگی میں ہی مشہور ہو چکا تھا اور اہلِ علم لوگوں نے اس کو مستحسن نظروں سے دیکھا تھا۔

یہاں آپ کے حلقۂ درس میں دیگر تلامذہ کے علاوہ دو جلیل القدر علماء محمد ابنِ رشید اور سحنون بھی شامل ہوئے۔ ان دونوں اصحاب نے آپ کی لاعلمی میں اسدیہ کی نقل تیار کرنی شروع کر دی۔
اس زمانہ میں قلمی نسخوں کو بڑی اہمیت حاصل تھی، اور کوئی شاگرد اپنے معلّم کی اجازت کے بغیر ان کی نقل بھی نہ کر سکتا تھا۔ اگر نقل کر بھی لی جاتی تو استاد کے دستخطوں کے بغیر وہ مسودہ قابلِ قبول نہ سمجھا جاتا۔ لیکن ان تمام چیزوں کے باوجود سحنون نے اپنا نسخہ

Marfat.com

مکمل کر لیا، اور ایک باب (کتاب القسم) جو رہ گیا وہ آپ نے کسی اور آدمی کو بھیجا کر لکھوا لیا۔

یہ امر ناقابلِ فراموش ہے کہ سحنون نے بعض جگہوں پر ترمیم بھی کر دی اور بعض قضایا سے رجوع بھی کر لیا۔ سحنون نے اس نقل کو "المدونۃ الکبریٰ" کا نام دیا۔ وہ کہا کرتے تھے۔

"تمہیں اس مدونہ کو اپنے لیے لازم کر لینا چاہیے۔ وہ ایک صالح شخص ابنِ قاسم کا کلام ہے اور ایک عالم شخص اسد کی روایت ہے۔ یہ (مدونہ) علم میں وہی درجہ رکھتی ہے جو نماز میں اُمّ القرآن کا ہے"

ابن فرحون، اسدیہ کے متعلق لکھتا ہے:۔

"لوگوں نے اس میں خوب طبع آزمائیاں کی ہیں۔ شرحیں لکھی ہیں، اور اس کی توضیحیں کی ہیں۔ ایسا کوئی شخص نہیں ہے جس نے اس مدونہ پر بھروسہ نہ کیا ہو۔ اور اس کا درس نہ لیا ہو، اور پھر وہ اسد کے زہد و تقویٰ کا قائل نہ ہوا ہو[1]"

المدونہ پہلی مرتبہ ۱۳۲۴ھ میں مطبع خیریہ مصر سے چار جلدوں میں شائع ہوئی۔[2]

اسد نے ان حالات کے تحت فقہ مالکی کو چھوڑ کر فقہ حنفی کے تحت فتوے دینے شروع کیے۔ اس کی دو وجوہات تھیں۔

---

[1] تاریخ صقلیہ، ج دوم، ص ۲۵۷

[2] تاریخ صقلیہ، ج دوم، ص ۲۵۷

Marfat.com

۱۔ اسدیہ کے مسائل المدونہ سے مقابلہ نہ کرنے کے باعث کمزور مشتبہ ہو گئے تھے، کیونکہ ابن قاسم نے جابجا ترمیم و تنسیخ کر دی تھی۔
۲۔ مسائل معاملات میں جس قدر جزئیات دولتِ عباسیہ کی سرپرستی کی وجہ سے فقہ حنفی میں منضبط ہو گئے تھے، وہ الاسدیہ میں موجود نہ تھے "

اس طرح سے اسد، افریقیہ میں فقہ حنفی کے سب سے بڑے علمبردار بن گئے۔

جعفر القصری کا بیان ہے :-

کان اسدٌ امام العراقین بالقیروان کانۃً مشہوراً بالفضلِ والدّین و دِینُہٗ ومذہبہٗ السُّنَۃَ۔	اسد قیروان میں احناف کے امام تھے علم وفضل اور دینداری میں شہرتِ تامہ کے مالک تھے۔ ان کا دین "سنت" تھا۔

اسد ۱۹۱ھ میں عبداللہ بن خانم کی وفات کے بعد قاضی القضاۃ مقرر ہوئے۔ انہوں نے اپنے عہدۂ قضاء میں عدل و انصاف کو قائم کیا اور اپنی تمام عمر وسعتِ نظر اور اجتہاد کے ساتھ سنت پر عمل کرتے رہے۔ ۲۰۹ھ میں جب منصور، زیادۃ اللہ پر غالب آیا، تو اسد نے اس کے سامنے بھی اعلانِ حق سے خوف نہ کھایا، اور منصور کے تمام بیانات کی جن کی وہ تائید چاہتا تھا، برملا تردید کر دی۔ قریب تھا کہ اسد کو موت کے گھاٹ اُتار دیا جاتا، لیکن معاملہ رفع دفع ہو گیا۔

زیادۃ اللہ نے ۲۱۱ھ میں جب دوبارہ فتح حاصل کی تو اُسے اسد کی جرأت و ہمت کا اندازہ ہو چکا تھا۔ چنانچہ اس نے اسد کو انعامات

Marfat.com

و اکرامات شاہی کے ساتھ نوازا، اور تمام ممالکِ محروسہ کا قاضی القضاۃ مقرر کر دیا۔

اسد صقلیہ میں اسلامی حکومت کی داغ بیل ڈال کر ۲۱۳ھ میں شہید ہوئے۔ ع

خدا رحمت کند این عاشقانِ پاک طینت را

اندلس میں ان اصحاب کے علاوہ عبدالملک بن حبیب، عالم اندلس، شیخ غازی بن قیس، شیخ ابوموسیٰ، محمد بن عبدالملک، ابوزکریا یحییٰ اور ابنِ عمران، علم کے مینار تھے، اور صقلیہ میں ابوظفر الصقلی، حجتہ الدین۔ فلوری، ابوالقاسم، عبدالرحمٰن بن محمد اور علامہ مازری وغیرہم مسندِ تقویٰ کے امام تھے۔

(۲) علم الابدان

تاریخی پس منظر

تہذیبِ جدید پر قدیم یونان کے اَن گنت احسانات ہیں۔ علوم و فنون کا شاید ہی کوئی ایسا شعبہ ہو گا جو یونان کا مرہونِ منت نہ ہو۔ چنانچہ طب کے ابتدائی اصول و ضوابط بھی اس معدنِ علم و فن سے ہی ماخوذ ہیں۔

افلاطون کے بعد اُس کا شاگرد ارسطو (۳۸۴-۳۲۲ ق م)۔ حکمت کے آسمان پر شہابِ ثاقب کی طرح چمکا۔ اس نے سائنس میں

Marfat.com

جو تحقیق کی، حیاتیات کے سلسلے میں جو سرگرمی دکھائی اور مشاہدات و تجربات کے لئے جو مسالہ جمع کیا اور جس تنقیدی نگاہ سے اُسے جانچا اس بات کا متقاضی ہے کہ فلسفۂ طب کے ارتقاء میں اُس کا نام سنہری حروف میں لکھا جائے۔

اس کے بعد ایرد فیلوس[1] (۳۰۰ ق م)، ایرا سیسطراطو[2] اور جالینوس[3] (۱۹۱ء) نے یکے بعد دیگرے اس فن کی آبیاری کی۔

ایرد فلوس پہلا شخص ہے جس نے دماغ اور نخاع کی تشریح کی اور اعصاب اور شریانوں میں امتیاز کیا۔ ایرا سیسطراطو کو علم الابدان کا بانی سمجھنا چاہیئے۔ اس نے یہ بھی دریافت کیا کہ جسمِ انسان میں تین قسم کی مختلف رگوں کا جال ہے: شریانیں، وریدیں اور اعصاب۔

پھر سلطنتِ رومی کا زوال آتا ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ وہ خاک جس نے ہزاروں عالموں، فلسفیوں اور فنکاروں کو جنم دیا تھا، گمنامی کے پردہ میں چلی جاتی ہے۔ اس زمانہ میں علم شاہی کتب خانوں میں مقید ہو گیا۔

علوم و فنون کی گت اُس وقت بنی جب عیسائی راہب اور علماء علم کے محافظ اور ٹھیکیدار مقرر ہوئے۔ اس عرصہ میں نہ صرف طب کی ترقی رُک گئی بلکہ سائنس کو بھی نقصان پہنچا۔ اس کی ایک اور وجہ یہ بھی تھی کہ بیماری کے متعلق مسیحی نقطہ نگاہ انتہائی رجعت پسندانہ تھا[4]۔

---

[1] Heraphilus [2] Erasistratus

[3] Claudine Galen

[4] History and Heroes of the Art of Medicine

سینٹ بیسل، جس نے قیصریہ میں سب سے پہلا ہسپتال قائم کیا، کا کہنا ہے کہ بیماری ہمارے گناہوں کی پاداش میں عذاب بن کر آتی ہے۔ چنانچہ اس کا علاج سوائے توبہ اور استغفار کے اور کچھ نہیں[1]

دُنیاوی علوم سے نفرت اور بیزاری کا اظہار ۳۹۱ء میں اپنے کمال کو پہنچ گیا، جب متعصب عیسائیوں نے اسکندریہ کے کتب خانوں کو آتش کر دیا اور اس طرح ہزاروں سالوں کے تجربات اور تحقیقات کا تمام ذخیرہ اور نچوڑ ختم ہو گیا[2]

ساتویں صدی عیسوی میں جب مسلمان شرق و غرب پر چھا گئے تو اُنھوں نے مختلف علوم کو (جو مفتوح قوموں کی پیداوار تھے) اپنایا اور ان کی سرپرستی اختیار کی۔ مسلمانوں کے دارالسلطنتوں میں تحقیق و تدقیق کا کام زور و شور سے شروع ہوا۔ مترجمین نے طب پر مفید کتابوں کے ترجمے کیے، ان پر حواشی لگائے اور ان کی شرحیں لکھیں طب کو اُنھوں نے اس درجہ تک کمال کو پہنچایا کہ جس وقت پیرس اور روم میں مرض کی تعریف اوہام سے عبارت تھی، اور تشخیص ثوابت و سیار کی مرہونِ منت، علاج کی کوششیں فصد کھولنے تک محدود اور علم کیمیا، آبِ حیات اور پارس کی تلاش کا نام تھا، اس وقت عرب طبیب دورانِ خون کی تفصیلات میں لگے ہوئے تھے، اور ان علاماتِ امراض اور خصوصیات کی تحقیقات کر رہے تھے،

---

[1] Mediaeval Medicine by Walch.

[2] A History of Medicine by D. Guthrie

جو جدید علم طب اور میٹریا میڈیکا کا سرمایۂ افتخار ہیں[1]

مسلمانوں نے اپنی علمی سرگرمیوں کو صرف یونانی علوم کے اکتساب تک ہی محدود نہیں رکھا، بلکہ علومِ ہندسہ، ہیئت اور نجوم بھی برعظیم ہند سے حاصل کئے۔ عباسی دورِ خلافت میں بغداد کے برمکی ہسپتال کا نگرانِ اعلیٰ ایک ہندو طبیب دھن تھا۔

سَلرنو کا طبیہ کالج جو یورپ کا پہلا طبی مدرسہ تھا ترقی کے مدارج طے کرتا ہوا ۱۱۵۰ء میں یونیورسٹی بنا۔ سرزمین یورپ میں یہ پہلی طبیہ یونیورسٹی تھی جو عالمِ وجود میں آئی۔ حفظانِ صحت، دواسازی تشخیص امراض، اور جراحی میں جو اصول یہاں کے اساتذہ نے وضع کئے تھے، وہ اس زمانہ میں بھی تسلیم کئے جاتے ہیں۔ اس یونیورسٹی میں مدتِ تعلیم آٹھ سال تھی۔ پہلے تین سال ادب و فلسفہ کی تعلیم کے لئے وقف تھے اور آئندہ پانچ سال طب کے مختلف شعبوں میں دسترس حاصل کرنے کے لئے صرف کئے جاتے۔ فضیلت کی سند دینے سے پہلے طالب علم کو ایک سال کے لئے کسی حاذق حکیم کی نگرانی میں کام کرنا پڑتا۔ "یورپ کے موجودہ علم طب کے نظامِ تعلیم کا ابتدائی خاکہ سلرنو (سسلی) کے مدرسۂ طبیہ سے ہی ماخوذ ہے۔" نیپلس اور پیڈوا کے طبی کالج بھی ادبیات، ریاضیات اور فلسفہ کے علاوہ طب و جراحت کی تعلیم میں خصوصیت کا درجہ رکھتے تھے۔ پٹرارک کی بھرپور شکایات سے ہمیں عربوں کی علمی سرگرمیوں

---

[1] مختصراتِ مقالہ از مولانا محمد کبیرالدین، حیدرآباد دکن۔ یہ مقالہ آل انڈیا طبی کانفرنس کے اجلاس منعقدہ دہلی میں پڑھا گیا۔ یہ اپنے مؤلف کے علمی کمالات پہ شاہد ہے۔

Marfat.com

اور ان کے اثر کا صحیح اندازہ ہو سکتا ہے۔ وہ لکھتا ہے:۔

"ڈیباس مغینئر کے بعد سسرو فصیح نکلا۔ ہومر کے بعد ورجل ہوا۔ لیکن کہا جاتا ہے کہ عربوں کا کوئی مقابلہ تحریر میں نہیں کر سکتا۔ ہم اکثر یونانیوں کے برابر رہے ہیں اور بعض چیزوں میں ان سے بڑھ گئے ہیں۔ یعنی ہم تمام اقوامِ عالم پر فوقیت لے گئے ہیں۔ لیکن تم کہتے ہو کہ "باستثنائے عرب" وائے ہماری حماقت! وائے ہمارا جنون! او فطرتِ اطالیہ کیا تو سو گئی ہے۔ کیا تو مر گئی ہے؟"[1]

عربوں کے دورِ استقلال میں لکھی ہوئی طبی کتب اس قدر بلند پایہ تھیں کہ مشرق و مغرب کی دنیائے علم نے انہیں سر آنکھوں پر رکھا۔

لیبان کہتا ہے کہ "تجربہ اور مشاہدہ (المشاہدۃ اقوی الدلائل) جو موجود دورِ سائنس کا مسلمہ اصول ہے، قرونِ وسطیٰ کے علمائے یورپ نے ایک ہزار برس کی محنت کے بعد اس مسئلہ کو سیکھا۔ تحقیقاتِ علمی کے اس اصول کا بیکن سے غلط انتساب کیا جاتا ہے۔[2] اس وقت یہ تسلیم کرنا چاہیئے کہ اس کے اصل بانی و موجد عرب تھے۔"

آگے چل کر وہ لکھتا ہے کہ "دارالعلوم بغداد میں طرزِ استدلال بالکل "علمی اصول" پر مبنی تھا۔ یعنی معلوم کے ذریعے نامعلوم دریافت

---

[1] تمدن عرب، لیبان، ص ۵۱۶ - ۵۱۵

[2] تمدن عرب، گستاؤ لیبان، سید علی بلگرامی (اردو ترجمہ)

Marfat.com

کرنا، معلول کے ذریعے علل کو نکالنا اور صرف تجربہ سے ثابت شدہ قضایا کو تسلیم کرنا۔ عرب تجربات کی وجہ سے انکشافات میں یونانیوں پر بہت کم مدّت میں سبقت لے گئے، اور اُن کی تحقیقات میں زیادہ صحت و جدّت پیدا ہو گئی۔"

عربوں کے انکشافات

(۱) جدید نظریۂ جراثیم (Theory of Germs) بھی دراصل عرب اطباء کے خیالات کا پرتو ہے جنہوں نے اجسام خبیثہ اور عفونت کا تعلق واضح طور پہ بتایا تھا۔ اس ضمن میں شیخ[1] (مصنفِ قانون) نے وبا (Epedemics) کی بحث میں صاف لکھا ہے کہ جب تک اجسامِ خبیثہ ارضیہ نہ مل جائیں کوئی رطوبت متعفن نہیں ہو سکتی۔ اندلس کے ایک اور طبیب ابن خاتمہ بھی اس امر کے قائل تھے کہ انسان کے ماحول میں بعض باریک باریک اجسام موجود ہیں جو انسانی جسم میں پہنچ کر موجبِ امراض بنتے ہیں۔

(۲) چودھویں صدی عیسوی کے وسط میں جب یورپ "سیاہ موت" کی لپیٹ میں آ چکا تھا، اور عیسائی اپنے رجعت پسندانہ اعتقادات کے سبب اُسے "عذابِ الٰہی" سمجھتے تھے، غرناطہ کے طبیب ابن الخطیب[2]

---

[1] وہ الشیخ الرئیس، ابو علی حسین ابن عبداللہ ابن سینا ہے۔ وہ ۹۸۰ء سے لے کر ۱۰۳۷ء تک جیا۔ (تاریخ الحکماء)

[2] لسان الدین، ابن الخطیب۔ (۱۳۱۳ء تا ۱۳۷۴ء) محمد خامس کے عہد کا درخشندہ ستارہ۔ اپنے عہد کا بہترین مؤرخ، طبیب، ادیب اور جغرافیہ دان تھا۔ فاس کے مقام پہ سُولی پہ چڑھایا گیا۔ اُس کی کتاب "الاحاطہ فی اخبارِ غرناطہ"، بہت اہم ہے۔

Marfat.com

نے چھوت کے نظریہ کے متعلق ایک کتاب لکھی اور اپنے تجربات کو سائنٹیفک طریق سے پیش کیا۔ وہ لکھتا ہے :۔

"کچھ لوگ کہتے ہیں۔ ہم چھوت چھات کا امکان کیسے تسلیم کر سکتے ہیں، جب مذہبی قانون اس کے وجود سے انکار کرتا ہے۔ ہم جواب دیتے ہیں کہ چھوت کا وجود تجربہ، تحقیق، حسیات کی شہادت اور موثق ذرائع سے ثابت کر سکتے ہیں۔ چھوت کی حقیقت اس شخص پر واضح ہو جاتی ہے جو بیمار کے ساتھ رابطہ قائم کر کے خود بیمار ہو جاتا ہے۔ لیکن جو شخص بیمار سے نہیں ملتا درست رہتا ہے، وہ یہ بھی دیکھ سکتا ہے کہ کپڑوں، برتنوں اور کانوں کے زیوروں سے چھوت کا مرض کس طرح پھیلتا ہے۔"[1]

(۳) ابوالحسن طبری نے سب سے پہلے خارش کے باریک کیڑوں کا ذکر کیا ہے جنہیں آج کل طبی اصطلاح میں (Ioelcoptes Scabiet) کہتے ہیں۔

(۴) "علاج بالعضو" کے اصول سے عرب حکماء خوب واقف تھے اس سے مراد یہ ہے کہ جو عضو مریض ہو وہی عضو یا اُس کا عصارہ دوا کے طور پر استعمال کرایا جائے۔ ڈاکٹر توفیق لکھتے ہیں کہ "اس طریقۂ علاج کو اب براؤن سیکورڈ (Brown Sequard) نے پچاس سال سے رائج کیا ہے جس سے ساری دنیا میں اس کی شہرت ہوگئی ہے۔ مگر دراصل یہ طریقہ بلادِ شام وغیرہ میں عرصۂ دراز سے جاری ہے۔"

---

[1] پروفیسر ہٹی، ص ۵۷۶؛

اسی اصول پر اطباءؒ دماغ میں بھیجہ اور قوتِ باہ کے لیے انثیین استعمال کراتے ہیں۔

(۵) ابوسہل مسیحی نے معدے کی رطوبتِ ہاضمہ، کا نہایت واضح طور پر ذکر کیا ہے۔

(٦) حنین بن اسحٰق اس بات کے قائل ہیں کہ "معدے میں ایک ترش رطوبت پائی جاتی ہے جو بھوک لگاتی ہے"۔

(۷) عرب اطباء یہ بھی جانتے تھے کہ "جگر دیگر اخلاط (Humor) بنانے کے علاوہ خون (Blood) بھی بناتا ہے"۔ طب جدید کو ایک عرصہ تک اس سے انکار رہا۔ اب اُسے اقرار ہے کہ جگر خون بھی بناتا ہے۔

(۸) اشبیلیہ کا بہترین طبیب ابن زہر (Avenzor) "علاج بالحفظ کا قائل تھا۔ اُس نے ثابت کیا کہ "طبیعت جو جسم پر حکمران ہے بطور خود، بغیر دوا کے، امراض کو دفع کر سکتی ہے۔ اُس نے علم الامراض، علم تشریح الابدان اور علم الادویہ کو الگ الگ کر دیا۔ ڈاکٹر گرونر (O. G. Gruner) جو قانونِ شیخ کا مترجم بھی ہے "مدافعتِ طبعی" کی تائید میں رقمطراز ہے کہ:-

"میں نے قانونِ شیخ کا انتخاب اس لیے کیا کہ شیخ نظریۂ طبیعت کا قائل ہے۔ موجودہ علم الجراثیم میں مدافعتِ طبعی کو جو اہمیت دی گئی ہے، وہ آج ایک مسلمہ حقیقت ہے"۔

موسیو لیبان لکھتا ہے۔

Marfat.com

"علاجِ امراض میں عرب اطباء کو اصولِ حفظِ صحت پر بڑا بھروسہ تھا، اور وہ طبیعت (قوت مدبرہ بدن) سے بہت کام لیتے تھے۔ علاج بالحفظ انہی اصولوں پر مبنی ہے جن کی مدد سے دسویں صدی میں عرب اطباء ہم سے زیادہ مریضوں کی جانیں بچا لیتے تھے۔"[1]

علم الجراحت (SURGERY) و علم القابلہ (MIDWIFERY)

(۹) یونانیوں نے اس سلسلہ میں کوئی قابلِ قدر مواد نہیں چھوڑا علم القابلہ کے بانی عرب اطباء ہی ہیں۔ اس کی بنیاد ابو قاسم زہراوی (Abbas al- zaravi) کی معرکۃ الآرا تصنیف "کتاب التصریف" پر رکھی گئی ہے۔ اُس نے وضع حمل کے دوران میں زچہ کی اُس خاص وضع کا بھی ذکر کیا ہے جسے آج کل (Welcher s Position) کہتے ہیں۔ زہراوی نے "اخراج جنین میت" کے عنوان کے تحت جدید آلات کے ذریعے مردہ بچے کو رحم سے نکالنے کا ذکر بھی کیا ہے۔

(۱۰) موسیو لیبان کو اعتراف ہے کہ "ابو القاسم زہراوی جس نے ۱۱۰۷ء میں وفات پائی۔ عربوں میں سب سے بڑا جراح تھا۔ اس نے بہت سے جراحی آلات ایجاد کئے۔ اُس کی کتاب اس موضوع کی تمام دنیا میں پہلی تصنیف ہے جس میں تصویریں دی گئی ہیں فنِ جراحت کی ترقی عربوں سے شروع ہوئی اور زمانۂ حال تک انہی کی تصانیف پر یورپ کے مدارسِ طبیہ کا دارومدار رہا۔ مثلاً

---

[1] تمدن عرب، (ترجمۂ اردو) سید علی بلگرامی، ص ۴۸۵۔

Marfat.com

کے اندر پتھری توڑنے کا عملیہ جراحیات میں عربوں کا اضافہ ہے۔ زہراوی نے اس کا بیان اپنی تصنیف میں تصویر کے ساتھ درج کیا ہے۔

(۱۱) زخم سینے میں ریشمی ٹانکوں کا استعمال (Silk Ligatures) عربوں کے ہاں مستعمل تھا۔

(۱۲) ابوبکر محمد بن زکریا رازی نے پہلی بار ٹائیفائیڈ میں ٹھنڈے پانی کا استعمال کیا۔[1]

(۱۳) سکتہ (Apoplexy) میں سنگیوں[2] (Wet Cupping) کا استعمال بھی رازی کا اضافہ ہے۔

ترکیب ادویہ اور فنِ دواسازی

(۱۴) نباتاتی ادویہ کا وہ مجموعہ جو ابنِ بیطار کا مرہونِ منت ہے عرصہ دراز تک اہلِ مغرب کے لئے چراغِ ہدایت بنا رہا۔ حتیٰ کہ برطانوی قرابادین ادویہ (Pharmacopoeia) بڑی حد تک اسی سے ماخوذ ہے۔ لیپ، ضماد (Liniments)، پلستر، ورق نقرئی و طلائی اور روغن (Emulsions) وغیرہ عربوں ہی سے یورپ تک پہنچے۔

(۱۵) کیمیائی ادویہ کا استعمال جس میں الکحل بھی شامل ہے سب سے پہلے رازی نے کیا۔

(۱۶) عرب اطباء پٹرول (Petrol) کے استعمال اور خصوصیات سے واقف تھے۔ سوڈیم کا دوسرا نام (Natrum) عربی لفظ "نطرون" سے مشتق ہے۔ اسی طرح کیلشیم (Calcium) لفظ

---

[1]، [2] تمدن عرب، گستاؤلیبان، ص ۴۵۴، ۴۴۹۔

Marfat.com

"قلی" سے مشتق ہے۔

(۱۷) عربوں کی طبی ترقیاں زیادہ تر فنِ جراحت، علاماتِ امراض، قرابادین اور علم الادویہ میں ہیں۔ قرابادین میں عربوں نے بہت اہم اضافے کئے۔ مثلاً

(ا) املتاس (Cassiar Pulpa).

(ب) ریوند چینی

(ج) جوز القی

(د) کافور (Camphor)

(ر) سناءِ مکی (Senna)

(ز) تمر ہندی (Tamarid)

(س) الکحل (Alcohal)

(۱۸) عربوں نے سب سے پہلے کتابوں میں تصاویر کو رواج دیا۔ حنین بن اسحاق کی "کتاب العین" دنیا میں سب پہلی بالتصویر کتاب ہے۔ زہراوی کی شہرہ آفاق تصنیف "علم الجراحت" بھی اسی طرح بالتصویر کتاب ہے۔

(۱۹) علاج الاطفال پر رازی نے علیحدہ تصنیفات کیں۔

(۲۰) آب رسانی کے لئے جستی نلوں کے استعمال سے عرب خوب واقف تھے۔ چنانچہ شیخ نے اپنی تحریر میں "مسالکِ رصاصیہ" کا ذکر کیا ہے۔

(۲۱) مسلمانوں نے انسانی ہمدردی کی تحریک کو خوش آمدید کہا۔ جابجا شفا خانے اور ہسپتال قائم کئے جہاں محتاجوں، بے کسوں اور

Marfat.com

بے نواؤں کا مفت علاج ہوتا۔ ان بیمارستانوں میں نہ صرف رہائش اور خورد و نوش کی سہولتیں ہی بہم پہنچائی جاتی تھیں بلکہ مستحق مریضوں کو وظائف بھی دیئے جاتے تھے۔ یہاں پر حاذق حکیم مقرر کئے گئے۔ عمدہ آلاتِ جراحی مہیا کئے گئے۔ روشنی، صفائی، اور صاف ہوا کا مناسب انتظام کیا گیا۔

سب سے پہلے ولید بن عبدالملک نے ۸۸ھ میں پہلے شفاخانے کی بنیاد رکھی۔ اس کے بعد عباسی دورِ حکومت میں کئی ایسے شفاخانے کھولے گئے جہاں مفلوج (Paralytic) مدقوق (Tuberculous) اور مدہوش (Narcomaniac) لوگوں کا علاج وسیع پیمانے پر کیا جاتا تھا۔ ہارون الرشید کے شفاخانوں کا مہتمم رئیس الاطباء بخت یشوع[1] تھا۔ اسی طرح یحییٰ برمکی کا بیمارستان بہترین انتظامات عمدہ علاج اور اچھی نگہداشت کے لئے اقصائے عالم میں مشہور تھا۔ حفظانِ صحت کے اصولوں کی پابندی صحت کے معیار کو بلند رکھنے کی ضامن تھی۔ ایس۔ پی۔ سکاٹ لکھتا ہے۔

"اسلامی شفاخانوں میں صحت و صفائی کے اصولوں کا اس سے زیادہ اہتمام تھا جتنا کہ اس ترقی کے باوجود آج کل کے ہسپتالوں میں پایا جاتا ہے۔ ان میں مکانیت زیادہ ہوتی تھی۔ انتظامات بہتر تھے۔ روشن دانوں وغیرہ کے ذریعے سے تازہ اور صاف ہوا کا خاص لحاظ رکھا

[1] اس کا پورا نام بختیشوع بن جبرئیل بن بختیشوع ہے۔ وہ متوکل کے عہد میں لوٹ لیا گیا اُس کی وفات اتوار کے دن ۲۱-۲۲ صفر ۲۵۶ھ کو واقع ہوئی۔

Marfat.com

جاتا تھا۔ شفا خانوں کے باغ، صحن اور بڑے بڑے
کمروں میں فوّارے ضرور لگائے جاتے تھے "

ان احسانات کو گنوانے کے بعد میں اُن مشاہیر اطبّاء کا ذکر کرنا چاہتا ہوں، جن کی تحقیقات اور تجربات نے انسانی دکھوں اور روگوں کو دُور کرنے کے لئے بہت کچھ کیا ہے۔ اُن کے مشاہدات اب تک ہمارے مشعلِ راہ بنے رہے ہیں۔ موجودہ ڈاکٹر جنھوں نے ایکس رے (X'Ray) اور کلوروفارم (Chloroform) جیسے طریقِ علاج کی ایجاد سے طبّی دُنیا میں سنسنی پیدا کر دی ہے، اب بھی اُن ہی کے خوشہ چین ہیں۔

اطبّاء

(۱) الشیخ الرئیس ابو علی الحسین ابنِ سینا (المتوفی ۱۰۳۷ء)

علم و حکمت کی تاریخ نے جن اسماء کو زیادہ اُجاگر کیا ہے اُن میں ارسطو اور ابونصر الفارابی کے بعد ابنِ سینا کا نام آتا ہے تبحرِ علمی، عُمقِ نظری اور جودت و فطانت میں جالینوس (Galen) بھی کوئی کم نہیں، لیکن اُس کی تصانیف تنظیم و ترتیب سے خالی ہیں۔ اس کے برعکس شیخ کی تالیفات، اسلوبِ بیان، اندازِ فکر اور ترتیبِ مواد کا بہترین شاہکار ہیں۔ ایک مغربی محقق، تاریخ طب کے مقدمہ میں لکھتا ہے۔

ل‍ہ ربط و تسلسل کے لحاظ سے بعض اُن مشاہیرِ اطباء کا ذکر بھی کر دیا گیا ہے جن کا علم ایران، شام، بغداد اور عراق میں پروان چڑھا۔ چونکہ موضوع عرب اطباء تھا اس لئے یہاں اندلسی حکماء کے علاوہ دوسروں کو بھی شامل کر لیا گیا ہے۔ (مصنف)

Marfat.com

"اس تفاوت کو دیکھنے کے لئے پہلے جالینوس کی کتاب اور پھر ابنِ سینا کی تصنیفات کو پڑھ لینا کافی ہے۔ اوّل الذکر مبہم ہے اور مؤخر الذکر کا ملاً واضح تنظیم و ترتیب جو جالینوس کے ہاں مفقود ہے، وہ "المالکی" اور "القانون" میں مل جاتی ہے، جو انتہائی درجہ علم آموز کتابیں[1] ہیں۔"

اُس کی ولادت بخارا کے ایک گاؤں "خرمثین" میں ۹۸۰ء میں ہوئی۔ ذہانت کا یہ حال تھا کہ شیخ نے دس سال کی عمر میں قرآنِ مجید حفظ کر لیا تھا۔ اور سولہ برس کی عمر تک تمام مروجہ علوم میں دسترس حاصل کر لی تھی۔

واقعات سے نظر آتا ہے کہ شیخ کے والد اسماعیلی[2] گروہ میں داخل ہو چکے

---

[1] "المالکی" علی بن عباس (مجوسی) کی تصنیف ہے۔ مصنف نے اسے سلطان عضدالدولہ (۹۳۶ تا ۹۸۳ء) بن بویہ کے لئے تصنیف کیا تھا۔ مغربی مفکرین نے اس کتاب کو (Liber Regius) یا (Kingly book) یعنی شاہی کتاب کے نام سے یاد کیا ہے۔ یہ طب کے علمی اور عملی دونوں پہلوؤں پر حاوی ہے۔ "القانون" شیخ کی تصنیف ہے اور ۱۴ جلدوں میں دستیاب ہوتی ہے۔

[2] حضرت امام جعفر کے دو بیٹے تھے۔ امام موسیٰ کاظمؒ اور اسماعیلؒ۔ امام جعفر نے پہلے اسماعیلؒ کو اپنا جانشین نامزد کیا پھر کسی بات پر ناراض ہو کر موسیٰ کاظم کو مقرر فرمایا۔ اس سے اُن کے پیرو دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔ ایک وہ جو اسمٰعیل ہی کو امام سمجھتے رہے اور دوسرے امامتِ موسیٰ کے قائل۔ اوّل الذکر اسماعیلیہ کہلائے۔ مشہور روایت یہ ہے کہ اسمٰعیلؓ امام جعفرؒ کی زندگی میں ہی فوت ہو چکے تھے۔ اس لئے موسیٰ کاظم کو نامزد کرنا پڑا۔ لیکن اسمٰعیلیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ ہر امام عالم الغیب ہوتا ہے اور چونکہ امام جعفر نے اسمٰعیل کو نامزد کر دیا تھا اس لئے اسمٰعیل فوت نہیں ہوئے بلکہ کہیں زندہ موجود ہیں۔ ورنہ اگر اسمٰعیل کو مرنا ہی تھا تو ایک عالم الغیب امام نے انہیں اپنا جانشین کیوں مقرر کیا۔ امام غلطی نہیں کر سکتا۔ اس لئے اسماعیل زندہ موجود ہیں۔

تاریخ الحکماء اردو۔ صفحہ ۵۳۳

تھے، اور وہ اُسے بھی اپنا ہم خیال بنانا چاہتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ شیخ کسی خاص گروہ کے ساتھ منسلک نہ تھے، اُن کی یہ رُباعی مناسب حال ہے۔ ؎

کفر چو منی گزاف و آساں نبود
محکم تراز ایمانِ من ایماں نبود
در دہر چو من یکے و آں ہم کافر
پس در ہمہ دہر یک مسلماں نبود

شیخ نے اپنے علمی اور فنی کمالات کے سبب مختلف درباروں میں قدر و منزلت حاصل کی وہ نہ صرف طب میں ہی یکتائے روزگار تھے بلکہ ادب، منطق، طبیعات، ریاضیات اور الٰہیات میں بھی کمال پیدا کر چکے تھے۔ ان متداول علوم کی طرف توجہ کی شہادت ابو عبید الجوز جانی سے ملتی ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ شیخ جب ابو محمد شیرازی کے پڑوس میں رہ رہے تھے تو میں ان کے ہاں اکثر آیا جایا کرتا تھا۔ ان ہی دنوں میں نے شیخ سے المجسطی[1] پڑھی۔ شیخ نہ صرف مجسطی کے مضامین پر حاوی ہی تھا بلکہ اُس نے اختلافِ منظر پہ دس نئی اشکال داخل کیں اور مجسطی میں علمِ ہیئت پر وہ حواشی لکھے جو کسی کو پہلے نہ سوجھے تھے "القانون فی الطب" شیخ کی وہ شہرہ آفاق کتاب ہے جسے شہرت نے

---

[1] المجسطی۔ یونانی زبان میں حکیم بطلیموس کی کتاب ہے جس کا عربی ترجمہ محقق طوسی نے کیا ہے (خواجہ نصیر الدین معروف بہ محقق طوسی ۱۲۰۱ء ۱۲۷۳ء) متقدمین حکمائے اسلام میں سے تھا۔ وہ علوم ریاضی اور ہیئت میں کمال دسترس رکھتا تھا ۱۲۵۸ء میں ہلاکو خان کے حکم سے مراغہ میں ایک رصدگاہ قائم ہوئی تھی۔ جہاں اُس نے زیچ ایلخانی تیار کی تھی۔

Marfat.com

آنکھوں پر رکھا اور قبولیت نے ہاتھوں میں لیا۔ اور ڈاکٹر ہٹی کے الفاظ[1] میں یہ کتاب پہلی مرتبہ ۱۵۹۳ء میں روم میں شائع ہوئی۔ اس طرح یہ اُن عربی کتابوں کی صفِ اول میں داخل ہوتی ہے، جو ابتدائی دور میں طبع ہوئیں۔ اس میں شیخ نے پہلی مرتبہ ذات الجنب اور التہاب الحجاب میں فرق واضح کیا ہے۔ چھوت چھات کے نظریے کو تسلیم کرتے ہوئے شیخ نے سل اور دق کو چھوت دار مرض بتایا ہے، اور مشاہدات کی بنا پر ثابت کیا ہے کہ امراض پانی اور مٹی سے بھی پھیلتے ہیں۔ اس میں تحجر المفاصل کے اسباب پر بحث کی گئی ہے اس کا سبب انتڑیوں کا زخم بتایا گیا ہے۔ بارھویں صدی سے لے کر سترھویں صدی تک مغرب میں یہ کتاب سب سے بڑی رہنما بنی رہی ہے۔ اور آج بھی مشرق کے اسلامی ممالک میں افضل ترین کتاب مانی جاتی ہے۔ ڈاکٹر کیم

---

[1] The Arabic text of the Qanun was published in Rome in 1593 and was therefore one of the earliest Arabic books to see print. The book distinguishes mediastinitis from pleurisy and recognizes the contagious nature of Phthisis and the spreading of diseases by water and soil. It gives a scientific diagnosis of ankylostomiasis and attributes it to an intestinal worm. From the 12th to 17th centuries this work served as the chief guide to medical science in the West. In the words of Dr. Osler, it has remained "a medical bible for a longer period than any other work". (Hitti, Page 368)

Marfat.com

آسلر کے الفاظ میں جتنے عرصے تک یہ کتاب طبی بائبل رہی ہے اتنا عرصہ کسی اور کتاب کو نصیب نہیں ہوا "

پروفیسر ہٹی کا کہنا ہے کہ " القانون (Canon) اپنے انسائیکلوپیڈیائی مندرجات، مربوط ترتیب اور فلسفیانہ پلان کے باعث اس عہد کے طبی لٹریچر میں جلد ہی ممتاز مقام پا گیا۔ اس نے جالینوس، رازی اور المجوسی کی تالیف کی جگہ سنبھالی۔ یہ یورپ کے مدرسوں میں طبی تعلیم کا نصاب بن گیا۔ مغرب میں یہ دائرۃ المعارف بارہویں سے سترہویں صدی تک علم طب میں عظیم راہنما کا کام دیتا رہا۔ پندرہویں صدی کے آخری تیس سالوں میں اس کے پندرہ لاطینی اور ایک عبرانی ایڈیشن شائع ہوئے "[۱]

شیخ کے بارہ میں یہ رائے کتنی جچی تلی ہے: علم طب جب معدوم تھا تو اُسے بقراط نے پیدا کیا، جب وہ مر چکا تھا تو جالینوس نے اسے زندگی بخشی جب وہ متفرق اور پراگندہ تھا تو الرازی نے اسے سمیٹا اور ناقص تھا تو ابنِ سینا نے اسے مکمل کیا۔[۲]

شیخ کی دوسری کتاب " الشفا " ہے جو ۱۸ جلدوں میں لکھی گئی۔ آپ دردِ قولنج کے مریض تھے، چنانچہ ۵۸ برس کی عمر میں طبی دنیا کا یہ روشن ستارہ ۱۰۳۷ء میں چل بسا۔

(۲) ابوبکر محمد ابن زکریا الرازی (المتوفی ۹۲۵ء)

اسلامی دنیا کا یہ قابل مفکر اور حاذق طبیب " جالینوس العرب "

---

[۱] پروفیسر ہٹی، ص ۳۶۸

[۲] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام (اردو)، ج ۱، ص ۵۶۱

Marfat.com

لے معزز لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ ماہیتِ امراض میں وہ زیادہ تر جالینوس کا مقلد تھا لیکن معالجات میں وہ بقراطی اصول کا متبع تھا نظریات کی نسبت عملیات کو پیشِ نظر رکھتا۔ دورانِ علاج میں اصول حفظانِ صحت کی پابندی، مفرد ادویہ کے استعمال اور غذائی تناسب پر زور دیتا۔ وہ بغداد کے شاہی ہسپتال کا طبیبِ اعلیٰ تھا جب اُسے کہا گیا کہ وہ ہسپتال کی عمارت کے لئے مناسب جگہ کا انتخاب کرے تو اس نے کئی مقامات پر گوشت کے ٹکڑے لٹکا دیئے۔ کچھ عرصہ انہیں دیکھا، جس جگہ گوشت کم سڑا ہوا پایا۔ اس جگہ کو ہسپتال کے لئے چن لیا۔ وہ جراحی میں (seton) کا موجد تھا۔ علم کیمیا پر اُس کی تصنیف "کتاب الاسرار" بہترین کتاب ہے۔ راجر بیکن نے اپنی تصنیفات میں مختلف موقعوں پر اس کے اقتباسات پیش کئے ہیں۔

فنِ طب میں اس کی کتاب "الحاوی" اُس تمام علم پر حاوی ہے جو یونانی، ایرانی اور ہندی طب کے سلسلے میں عربوں کو حاصل تھا۔ اس میں متقدمین اطباء (بقراط سے لے کر حنین کے زمانہ تک) کے تمام اقوال متعلقہ امراض و معالجات درج کئے گئے ہیں۔ رازی اپنی عمر کوتاہ کے سبب اسے حشو و زوائد سے پاک نہ کر سکا۔ اس طرح اندازِ فکر اور اسلوبِ بیان کا بہترین نمونہ جو ابنِ سینا کے ہاں نظر آتا ہے رازی کے ہاں مفقود ہے۔ انگریزی میں Magnum Opus کے نام سے مشہور ہے۔

لے تمدنِ عرب۔ گستاؤ لیبان، ص

لے Br. Brown; Arabian Medicine, P. 44.

رازی نے جدری[1] اور حصبہ[2] (Small-pox and Measles)[3] میں تفریق اور تشخیص کی اور اس موضوع پر ایک رسالہ لکھ کر طبی دنیا میں مزید شہرت حاصل کی۔

رازی کی ایک اور کتاب "المنصوری" بھی ہے جو امیر منصور بن اسمٰعیل حاکم خراسان کے لئے لکھی گئی تھی۔ یہ فنِ طب علمی و عملی اصول وضوابط میں مختصر مگر جامع ومانع تالیف ہے۔

یہ تمام تصانیف ان کتابوں میں سے ہیں جنہوں نے صدیوں تک لاطینی مغرب کے دماغوں کو حیرت انگیز طریق پر متاثر کئے رکھا۔[4]

رازی کی آنکھ سے رطوبت بہتی رہتی تھی۔ جس کے سبب وہ آخری ایام میں اندھا ہوگیا۔ اور ۹۲۵ء میں دوسری دنیا کو سدھارا۔

ابوریحان بیرونی نے اپنے مکتوبات میں رازی کی جودتِ طبع وحدتِ فہم اور حذاقت وتبحر کا قوی الفاظ میں ذکر کیا ہے۔ ایک فاضل مصنف کا کہنا ہے کہ رازی نادر ونایاب صلاحیتوں کا مالک تھا اور ان تھک مصنف تھا۔ وہ باکمال انسان اور فکر انگیز مصنف تھا۔ اس میں بڑا وصف یہ تھا کہ اس میں طبیبانہ بصیرت تھی۔[5]

(۳) حُنین بن اسحٰق (العبادی) المتوفی ۸۷۳ء

حُنین، یوحنا بن ماسویہ، کا شاگرد، اپنے وقت کا عظیم ترین عالم اور نیک ترین فرد تھا۔ وہ نسطوری عیسائی تھا۔ اور جماعت عباد کی

---

[1] چیچک [2] خسرہ

[3] Treatise on the small-pox aud Measles (London, 1848)

[4] مخزن الجواہر، ص ۳۹۲ [5] ڈاکٹر رہمی، ص ۹۷

طرف منسوب ہونے کے سبب عبادی کہلاتا تھا۔ عدی بن زید[1] بھی اس جماعت کا ایک فرد تھا، جس کا قصہ نعمان ابو قابوس کے متعلق کافی مشہور ہے۔ حنین فصیح البیان شاعر اور خطیب بھی تھا۔

اس نے کچھ عرصہ بصرہ میں خلیل بن احمد[2] کے پاس رہ کر عربی میں جِلا پیدا کی۔ حنین جب جوان ہوا، تو یوحنا کے پاس طبی علوم میں مہارت حاصل کرنے کے لئے پہنچا۔ وہ تسکینِ قلب کی خاطر اُستاد پر کئی قسم کے سوالات کرتا۔ بسا اوقات یوحنا کی طبیعت اکتا جاتی۔ ایک دن کسی سوال پر یوحنا بھڑک اُٹھا اور کہنے لگا: "تم حیرہ والوں کو طب سے کیا واسطہ، جاؤ اور بازار میں کوڑیاں بیچا کرو۔" حنین دل برداشتہ ہو کر چل دیا، اور مدتوں غائب رہا۔ اس دوران میں اُس نے یونانی، سریانی اور عربی زبانوں پر عبور حاصل کیا۔

یوسف (مامون کا درباری طبیب) بیان کرتا ہے۔ کہ ایک مرتبہ میری حنین سے ملاقات ہوئی۔ کہنے لگا: یہ لو کتاب[3] اور یوحنا کو پہنچا دینا، اور کہنا یہ اُس شخص کی کوشش کا نتیجہ ہے جسے تم نے درس سے نکال دیا تھا۔ میں سیدھا یوحنا کے پاس پہنچا۔ اور کتاب حوالے کی۔ یوحنا کتاب کو پڑھ کر سخت متعجب ہوا اور کہنے لگا۔

"دیکھتے ہو یوسف! یہ کتاب انسانی کوشش کا نتیجہ نہیں بلکہ الہام ہے الہام ـــ روح القدس کی امداد کے بغیر ایسی چیز پیدا کرنا

---

[1] تاریخ تمدن عرب، سلیمانی، ص ۴۷۔

[2] خلیل ابنِ احمد بصری علماء کے درمیان ممتاز حیثیت رکھتا ہے۔ وہ عروض کا موجد تھا۔ اُس نے عربی کی ایک لغت کتاب العین کے نام سے شروع کی تھی۔ لیکن مکمل نہ ہو سکی۔

[3] کتاب کا نام الجوامع تھا۔

Marfat.com

ناممکن ہے !"

میں نے عرض کیا :-

"یہ کوئی الہام نہیں بلکہ اُس غریب حنین کی تصنیف ہے جسے تم نے درس سے نکال کر کہا تھا ، جاؤ بازار میں کوڑیاں بیچا کرو۔"

حنین منازلِ علمی طے کرتا ہوا اس درجے پر جا پہنچا ، جہاں وہ علوم و فنون کا سرچشمہ اور فضائل کی کان متصور ہونے لگا ۔

ترجمے کی قابلیت اس قدر تھی کہ وہ شیخ المترجمین کے معزز لقب سے ملقب ہوا ہے ۔ حنین جن کتب کا ترجمہ کرتا ، المامون اُسے اُن کے وزن کے مطابق سونا دے دیتا ۔ علمی ذوق اور فنی کمالات کے سبب وہ شاہی اکادمی کی لائبریری کا نگران مقرر کیا گیا ۔ ترجمہ کے کام میں دو حضرات کی اعانت اس کے شاملِ حال تھی ۔ ایک تھا علیی بن یحیٰی اور دوسرا موسیٰ بن خالد ۔ اس سلسلہ میں حنین کے لڑکے اسحٰق کی خدمات بھی نظر انداز نہیں کی جا سکتیں ، جو اپنے وقت کا بہترین مترجم اور ادیب لبیب تھا ۔ ارسطو کی تصانیف کا عربی ترجمہ اُسی کی کوششوں کا نتیجہ ہے ۔

حنین نے چند سالوں میں ہی ارسطو کی طبیعات (Physics) خلقیات (Magna Moralia) اور قاطیغوریاس[1] (مقولات Categories) کو عربی کا جامہ پہنا دیا ۔ جالینوس کی تمام تالیفات بھی عربی میں منتقل کر دی گئیں ۔ علم الابدان پر جالینوس کی سات کتابوں کا یونانی میں پتہ نہیں چلتا ، لیکن خوش قسمتی سے اُن کا عربی

---

[1] کتاب کا اصل نام قاطیغوریاس (مقولات) ہے (تاریخ الحکماء اردو ، ص ۶۶) ۔

Marfat.com

ترجمہ محفوظ ہے۔

المتوکل کے عہد میں وہ شاہی طبیب مقرر ہوا۔ خلیفہ نے ایک دن اُسے خلعتِ شاہی سے نوازا اور کثیر انعام دینے کا وعدہ کیا پھر کہا: "میں ایک دشمن کو موت کے گھاٹ اُتارنا چاہتا ہوں۔ اس مقصد کے لئے کوئی سمِّ قاتل تیار کر دو۔"

حنین نے عرض کی: "جہاں پناہ! میں صرف مفید ادویہ سے آگاہ ہوں۔ لیکن سمومِ قاتلہ سے ناآشنا۔"

اس پر خلیفہ نے اُسے ایک سال کے لئے جیل بھیج دیا۔ رہائی پر اُسے بلا کر کہا۔ "میں نے تمہیں سوچنے کے لئے پورا ایک سال دیا تھا۔ اُمید ہے کہ تم کسی فیصلے پر پہنچ چکے ہو گے۔ اگر تم نے میرے حکم کی تعمیل نہ کی تو میں تمہیں ہلاک کر دوں گا۔"

حنین نے عرض کی: "میرے آقا! میں آپ سے پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ میرے پاس نفع بخش ادویہ کے سوا اور کچھ نہیں۔"

خلیفہ نے کہا: "بہت اچھا، تو مرنے کے لئے تیار ہو جا!"

حنین موت سے خائف نہ تھا۔ جب خلیفہ نے دیکھا کہ وہ نڈر ہے تو کہنے لگا: "میں تو تمہاری آزمائش کرنا چاہتا تھا۔ زہر تیار کروانا تو مقصود نہ تھا۔ لیکن یہ تو بتا دو کہ زہر تیار نہ کرنے کی کیا وجہ ہوئی؟"

حنین نے جواب دیا: "دو وجوہات ہیں؛ میرا دین اور میرا پیشہ۔ دین یہ کہتا ہے کہ دشمنوں سے بھی نیک سلوک کرو، اور میرا پیشہ انسانوں کی بہتری کے لئے ہے۔ یہ اُن کی امداد اور علاج تک محدود ہے۔ مزید برآں ہر طبیب یہ حلف اُٹھاتا ہے کہ وہ کسی شخص کو

Marfat.com

ایسی دوا نہ دے گا جس کا نتیجہ افسوس ناک ہو!"

علم طب کا ایک فرانسیسی مؤرخ حنین کو ازمنۂ وسطیٰ (نویں صدی) کی عظیم ترین شخصیت قرار دیتا ہے۔

حنین کی موت عبداللہ طیغوری کے حسد کا نتیجہ تھی۔ اُس کی ایک لغزش کے سبب پادریوں نے اُس کا زنّار کاٹ دیا۔ اور لوگوں کے سامنے ستر بار لعنت بھیجی۔ حنین چپکے سے اُٹھ کر گھر کو چلدیا، اور دوسری صبح چارپائی پر مردہ پایا گیا۔ اُس کی موت غالباً اسی سخت دماغی صدمے سے واقع ہوئی[1]۔"

(۴) ابوالقاسم بن عباس الزّہراوی (المتوفی ۱۱۰۶ء)

زہراوی: مدینۃ الزہرا کا باشندہ تھا۔ یہ وہی بستی ہے جسے عبدالرحمٰن ثالث نے بسایا۔ لاکھوں روپیہ خرچ کرنے کے بعد یہ حسین اور پاکیزہ شہر بیس سال میں تیار ہوا۔ اس کے آثار اب بھی دیرینہ عظمت پر زبانِ حال سے گواہی دے رہے ہیں۔ زہراوی کے ابتدائی ایّام کے متعلق بہت کم معلوم ہو سکا ہے۔ اُس کی شہرت کا سبب اس کی تصنیف ہے جو خود اسی کے نام سے مشہور ہو گئی ہے۔ آج بھی یہ کتاب "زہراوی" کے نام سے ہی موسوم کی جاتی ہے۔

اس کتاب نے اپنی افادیت کے سبب مصنف کو ان لوگوں کی صفِ اول میں لا کھڑا کیا ہے جو علم و حکمت کے آسمان پر ہمیشہ شہابِ ثاقب کی طرح چمکتے رہیں گے۔ یہ کتاب مسائل و مبادیاتِ طِب اور اعمال بالید و آلاتِ جراحی کے لئے ایک عرصہ تک

---

[1] تاریخ الحکماء۔ ص ۲۴۷

دانایانِ فرنگ اور حکمائے یورپ کی مشکلات کو حل کرنے میں ممد اور معاون ثابت ہوتی رہی ہے۔ اس کا ایک مکمل نسخہ جو شہر پٹنہ کی اورینٹل لائبریری میں موجود ہے، ایک ہزار صفحے پر مشتمل ہے۔

تاریخ طب میں اس امر کا اظہار کیا گیا ہے کہ زہراوی کی اس کتاب کا مآخذ یونانی حکیم پالوس[1] (Paulos) کی کتاب کا باب جراحی ہے۔

التصریف میں نہ صرف جراحت سے متعلق مختلف طریق پر بحث کی گئی ہے۔ اس میں آلاتِ جراحی کی تصاویر بھی دی گئی ہیں۔

زہراوی ۱۱۰۶ء میں بمقام قرطبہ فوت ہوا۔

(۵) ابو مروان بن ابی العلا بن زُہر (المتوفی ۱۱۶۲ء)

ابو مروان ایک ایسے گھرانے کا چشم و چراغ تھا جو اندلس میں اپنے علم و فضل کے لئے ہمیشہ ہی ممتاز رہا ہے۔ ان کے والد بہت بڑے فقیہہ اور محدث تھے۔ علومِ طبیعہ میں مہارت نامہ کے علاوہ ادب و شعر میں بھی یکتائے روزگار تھے۔ ذہانت اور فطانت کے سبب جو انہیں ورثہ میں ملی تھی، وہ اپنے زمانے کے بے مثل طبیب بنے۔

خلیفہ عبدالمومن، اندلس کا عظیم الشان فرمانروا ابنِ زہر کا بڑا معتقد تھا۔ ابنِ زہر جلد ہی شاہی طبیب بنا دیا گیا۔ دُنیائے مغرب میں اُس کی شہرت اس لئے بھی ہے کہ مشہور فلاسفر اور حکیم ابنِ رُشد[2] نے

---

[1] یہ مشہور یونانی حکیم ساتویں صدی عیسوی کے آخر میں پیدا ہوا۔ وہ علم جراحی میں مشاق اور ممتاز تھا۔ اس کی وفات کے بعد سلطنتِ روما میں فنِ جراحی کو زوال آنا شروع ہوا۔ یہاں تک کہ ۱۱۶۲ء میں ٹورس کی کونسل نے جراحت کو قانوناً ممنوع قرار دے دیا (مخزن الجواہر ص ۱۹۰)

[2] ابنِ رشد (۱۱۲۶ء - ۱۱۹۷ء) بمقام مراکش فوت ہوا۔

اس سے استفادہ کیا ہے۔

ابنِ زہر کی تصنیف "التیسیر" فنِ طب کی بہترین کتاب ہے۔ مستشرقین نے اسے (Magnum Opus) یا (Al-Taisir) کے نام سے یاد کیا ہے۔

اس حاذق طبیب نے ۱۱۶۲ء میں بمقام اشبیلیہ انتقال کیا۔

---

(۳) علم النباتات

(BOTANY)

عربوں نے طب کی طرح علم النباتات میں بھی اپنے مشاہدات اور تجربات سے مغربی دنیا کو مالا مال کیا ہے [۱] اُنھوں نے کھجور اور پٹ سن کے پودوں کے درمیان جنسی امتیاز پر صحیح مشاہدات کئے، اور پودوں کو تین قسموں میں تقسیم کیا۔

(ا) جو پنیری لگانے سے اُگتے ہیں

(ب) جو بیج ڈالنے سے اُگتے ہیں

(ج) جو خود بخود پیدا ہو جاتے ہیں

بارہویں صدی کے اواخر میں اشبیلیہ کے ابن العوام (ابوزکریا یحییٰ ابن محمدؒ) نے زراعت پر ایک عمدہ کتاب لکھی جو "الفلاح" کے نام سے مشہور ہے۔ یہ نہ صرف اسلامی دنیا کی منفرد کتاب

---

[۱] مخزن الجواہر۔ ص ۱۶۔ [۲] عربوں کا عروج و زوال، ص ۱۷۵

Marfat.com

ہے بلکہ ازمنۂ وسطیٰ میں بھی اس کی نظیر نہیں ملتی[1]۔ اس میں ایک طرف ابتدائی یونانی اور عربی ماخذوں سے اور دوسری طرف اندلسی مسلمانوں کے اپنے تجربات سے استفادہ کیا گیا ہے۔ اس میں پانچ سو پچاس پودوں کا ذکر ہے، اور پچاس سے زیادہ پھلدار پودوں کی کاشت کی تشریح کی گئی ہے۔ یہ کتاب قلم لگانے، زمین کی خصوصیات اور کھاد پر نئے مشاہدات کی حامل ہے۔ اس میں درختوں اور پھلوں کی کئی بیماریوں کی علامات اور علاج کے طریقے بھی بیان کئے گئے ہیں۔

اسی طرح قرطبہ کے ایک مشہور طبیب ابوجعفر ابن محمد، الغافقی۔ (المتوفی ۱۱۶۵ء) نے زراعت وفلاحت میں نئے تجربے کئے۔ اور انہیں اپنی کتاب "الادویۃ المفردہ" میں نئے انداز سے پیش کیا ہے اس نے اندلس اور افریقہ سے مختلف پودے اکٹھے کئے اور انہیں نئے عربی ناموں سے موسوم کیا۔ مصنف نے کتاب کی تدوین میں جس کدوکاوش سے کام لیا ہے وہ اسی کا حصہ ہے۔ ابن بیطار نے اسے بنظرِ استحسان دیکھا ہے۔ حکیم ابنِ مسکویہ (المتوفی ۱۰۳۰ھ) بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے جس نے سب سے پہلے پودوں میں نر اور مادہ کا جوڑا ہونا ثابت کیا ہے۔

حیوانات کے نر اور مادہ کے متعلق تو کسی تشریح کی ضرورت نہیں۔ موجودہ زمانے کی تحقیقات نے تو یہ ثابت کر دیا ہے کہ نباتات میں بھی نر اور مادہ کا جوڑا ہوتا ہے۔ اس کا مسکن عموماً پودے کا پھول ہوتا ہے۔ پھول کی پتیوں میں ایک ایسا مادہ ہوتا ہے جس میں نر کا

---

[1] پروفیسر ہٹی، ص ۵۷۵

جوہر تولید (Male Stamens) پایا جاتا ہے۔ پھول کے درمیانی حصّہ میں ایک اور خانہ ہوتا ہے جسے (Pistil) کہتے ہیں۔ اس خانہ کو ہم مادہ کا گوشۂ رحم کہہ سکتے ہیں۔ بعض پودوں میں یہ دونوں جوہر ایک ہی پھول میں نہیں ہوتے بلکہ وہ علیحدہ علیحدہ پھولوں میں پائے جاتے ہیں۔ ہوا یا مکھیاں نر سے جوہر تولید کو اٹھا کر لے جاتی ہیں اور مادہ کے گوشۂ رحم میں بحفاظت رکھ دیتی ہیں۔ اس طرح ان کے درمیان ارتباط اور اختلاط واقع ہوتا ہے۔

ابنِ مسکویہ نے اپنی تحقیقات کے ماحصل کو آج سے نو سو سال پہلے پیش کر دیا تھا۔ وہ اپنی کتاب "الفوز الصغیر" میں لکھتا ہے۔

"اب یہی اثر تدریجی ترقی کر کے خرما کے درخت میں بغایت شرف ظہور کرتا ہے اور نباتات کو مرتبہ، اعلیٰ پر پہنچاتا ہے۔ خرما کے درخت میں نفس کا اثر اس درجہ قوی اور زیادہ ہوتا ہے کہ حیوان سے کثیر مشابہت اور قوی نسبت پیدا ہو جاتی ہے۔ ایک تو مثلِ حیوان کے اس میں نر اور مادہ ہوتے ہیں اور بار آور ہونے کے لئے نر کو مادہ سے ملانا ضروری ہے۔ اس ملانے کو "تلقیح" کہتے ہیں، جو حیوانات کے جماع کے مثل ہے۔ پھر خرما کے درخت میں علاوہ جڑ اور رگوں کے ایک چیز مثل دماغِ حیوانات کے ہوتی ہے۔ یہ اس کے لئے ایسی ضروری ہے کہ اگر اس کو کوئی آفت لاحق ہو جائے تو درختِ خرما ضائع ہو جاتا ہے۔"

Marfat.com

ابنِ مسکویہ نہ صرف عالمِ نباتات ہی تھا بلکہ ایک عظیم مفکر، معلّم اخلاق اور ماہرِ حیاتیات بھی تھا۔ اس کی کتاب تہذیب الاخلاق، اخلاقیات پر مشہور ترین کتابوں میں سے ہے۔ نصیرالدین طوسی ایسے جیّد عالم اور مفکر نے اس کا ترجمہ فارسی میں کیا اور اسے اپنی کتاب اخلاقِ ناصری میں جگہ دی۔ گویا اخلاقِ ناصری کا پہلا حصّہ تہذیب الاخلاق کا ترجمہ ہے۔ یہ بات بلا خوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ "اور نہیں تو اخلاقیات کے موضوع میں اس کی تصنیفات کا اسلوبِ بیان فارابی اور ابنِ سینا دونوں کے مقابلے میں زیادہ واضح، زیادہ سلیس اور زیادہ شیریں ہے"[1]

ابنِ مسکویہ نے اپنی تصنیف الفوز الاصغر میں ارتقائی نظریے کا اظہار جس حُسن و خوبی سے کیا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ ارسطو یونان کا عظیم مفکر، اس کے سامنے کتنا چھوٹا ہے۔ ارسطو کے ہاں ارتقاء کا مفہوم نشوونما اور بالیدگی کے مترادف ہے۔ وہ ارتقاء کی حقیقی نوعیت اور اس کے مضمرات کو نہیں سمجھ پایا۔ ابنِ مسکویہ کے نزدیک ارتقاء سے مُراد وہ حرکت ہے جو بحیثیتِ مجموعی کائنات میں جاری ہے اور جس کے سبب زندگی مختلف مراحل سے گزرتی ہوئی انسانی روپ میں جلوہ گر ہوئی۔ ارتقاء کے اسی تصور کے تحت اس نے شخصیت سے بحث کی ہے اور نبوت کو کمالِ انسانیت قرار دیا ہے۔ وہ ۱۶ ر فروری ۱۰۳۰ء کو اس دنیا سے رخصت ہوا۔

---

[1] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام (اردو)، ص ۶۹۷

Marfat.com

(۶) عبداللہ بن احمد، ابن بیطار (المتوفی ۶۴۸ھ)

اندلس کا ایک اور یگانۂ روزگار ابن بیطار ہے، جسے جڑی بوٹیوں اور فرابا دین پر کما حقہ عبور تھا۔ مسٹر اسکاٹ کے الفاظ میں "اُس کا نام ماہرِ نباتات کی فہرست میں سب سے اوپر لکھنا چاہیئے"

اُس کی آخری تصنیفات "المغنی فی الادویۃ المفردۃ" اور "الجامع فی الادویۃ المفرودہ" کے نام سے موسوم ہیں۔ مؤخر الذکر کتاب میں ابنِ بیطار نے امراض اور اُن کے علاج پر بحث کرتے ہوئے بتایا ہے کہ مفرد ادویہ (حیوانات، نباتات اور دھات کی قسم سے) کس طرح اثر انداز ہوتی ہیں۔ اس میں یونانی اور عربی مآخذ کے علاوہ مصنّف نے اپنے تجربات بھی نقل کئے ہیں۔ اس سیاح اور حکیم نے جڑی بوٹیوں کی تحقیقات کے لئے بحیرہ متوسط سے لے کر شام تک کی سیاحت کی اور ۱۴۰۰ مفردات کا حال ۱۲۵ حکماء کے گذشتہ تجربوں کے ساتھ قلمبند کیا۔ اسلامی معائنہ و مشاہدہ اور علمی تجربوں کے لحاظ سے ابنِ بیطار کی کتابیں علمِ نباتات اور فنِ دوا سازی کے زبردست کارنامے ہیں۔

میکب کا خیال ہے کہ "ڈسکورائڈس (DISCO RIDES) کے بعد پندرہ سو برس میں یہی ابنِ بیطار ایک کامل شخص پیدا ہوا۔

ابنِ بیطار نے ۶۴۸ھ میں بمقام دمشق وفات پائی۔

ان حکماء اور اطباء کے علاوہ سینکڑوں ایسے ستم بالشان ماہرینِ فن ہیں جنھوں نے تصنیف و تالیف میں اپنی عمریں خرچ کیں اور دنیا نے اُن سے استفادہ لیا۔ لیکن یہاں طوالت کے خوف سے اُن کا تذکرہ نہیں کیا گیا۔ لین پول کے یہ الفاظ کتنے خوبصورت ہیں۔

Marfat.com

"قرطبہ کے مقامات اور باغات توحسین ہیں لیکن اس کا مرکزِ علم ہونا اُسے اور بھی تعریف و توصیف کے قابل بنا دیتا ہے۔ دماغ بھی اتنا ہی خوبصورت ہے جتنا جسم ۔۔۔ یہاں علم کی ہر شاخ کا سنجیدگی سے مطالعہ کیا جاتا۔ جالینوس کے زمانے کے بعد جو صدیاں بیت گئیں اور ان میں جو کچھ اضافہ ہوا، اندلس کے مسلمان اطباء نے اس سے کہیں زیادہ اضافہ کیا۔ اور ایجادات و اختراعات کا انبار لگا دیا چنانچہ علم الادویہ کو کہیں زیادہ علمی سرمایہ ملا۔"

عرب اطباء کی تصانیف کے مغربی ترجمے

مغربی حکماء نے عرب اطباء کی کتب سے زیادہ فائدہ اٹھایا ہے۔ یہ سرمایہ نہ صرف دیار مغرب کی دانش گاہوں میں نصاب تعلیم ہی بنا رہا ہے بلکہ یہ اُن کی تحقیقات کے میدان میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے اگر دیکھا جائے تو علم و فن کے ہو چکا چوند پیدا کرنے والے مناظر ہمیں دکھائی دے رہے ہیں، وہ ہماری تعمیر کی ہوئی عمارت پر مزید نقش و نگار ہیں۔

مغرب میں عربی سے لاطینی میں ترجمہ کا کام گیارہویں صدی کے وسط میں شروع ہو چکا تھا، اور ۱۱۲۵ء سے ۱۲۸۰ء تک اسپین میں مغربی تراجم پر خصوصاً توجہ کی گئی، یہاں ہم بعض اہم طبی کتب کا ذکر کریں گے جن کے ترجمے مغربی زبان میں ہو چکے ہیں۔

Marfat.com

(ا) الفانون فی الطب :- شیخ بوعلی سینا کی کتاب ہے۔ اسے مغرب میں غیر معمولی شہرت حاصل رہی ہے۔ یہ کتاب پہلی مرتبہ ۱۴۷۶ء میں روم میں شائع ہوئی۔ پھر ۱۵۹۵ء میں وینس میں لاطینی زبان میں اس کا ترجمہ شائع کیا گیا۔ زیادہ عرصے کا واقعہ نہیں کہ اس کے بعض حصص کا انگریزی ترجمہ بھی لندن سے شائع ہو چکا ہے اس کا نام ہے —

(A treatise on the Canon of Medicine of Avicenna)

یہ کتاب ۱۶۵۰ء تک بلجیم کی مشہور یونیورسٹی لووین میں پڑھائی جاتی تھی۔ قانون کے علاوہ شیخ کی کتاب السموم، الشراب اور الادویۃ المفردہ کے ترجمے بھی مغربی زبانوں میں ہو چکے ہیں۔

(ب) التیسیر :- ابو مروان بن ابی العلا بن زہر کی تصنیف ہے۔ انگریز مصنفین اسے (Magnum opus) کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ ۱۴۹۰ء میں اس کتاب کا لاطینی ترجمہ اٹلی سے چھپ کر شائع ہوا۔

(ج) التصریف : ابوالقاسم (Abul casis) الزہراوی کی تصنیف ہے، اور علم جراحت کی بہترین کتاب ہے۔ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ موجودہ (Sutgery) کے دور ترقی کا سنگ بنیاد یہی کتاب ہے اس کتاب کے عملی حصے کا ترجمہ ۱۴۹۷ء میں گیرارڈ آف کریمونہ کی مساعی جمیلہ سے لاطینی میں ہوا۔ پوری کتاب عبرانی زبان میں ۱۵۱۹ء میں گسبرگ سے شائع ہوئی، پھر اس کے حصہ دوم کا ترجمہ عبرانی میں لاطینی ترجمہ کے ساتھ ۱۷۷۸ء میں شائع ہوا۔ ازاں بعد دوسرے حصہ کا آخری نصف حصہ عربی متن اور لاطینی ترجمہ کے ساتھ طبع ہوا۔ اس ترجمہ میں

Marfat.com

یہ خصوصیت تھی کہ اس میں عمل جراحت کے اُن تمام آلات کی تصاویر بھی دی گئی تھیں جو اصل کتاب میں موجود ہیں۔

(د) الحادی: ابوبکر محمد بن زکریا الرازی کی تصنیف ہے۔ اسے فرج بن سالم نے، جو سسلی کا مشہور یہودی طبیب تھا، ۱۲۷۹ء میں لاطینی میں منتقل کیا۔ پھر یہ کتاب (Continens)[1] کے نام سے متعدد بار چھپ کر شائع ہوئی۔ اس کا پانچواں ایڈیشن ۱۵۴۲ء میں وینس سے شائع کیا گیا۔

رازی کی کتاب "الجدری والحصبہ" کا لاطینی ترجمہ وینس سے ۱۵۶۵ء میں شائع ہوا۔ "کتاب الاسرار" اور "المنصوری"[2] بھی کئی مرتبہ طبع ہوچکی ہیں۔

(س) الملکی: علی بن عباس (مجوسی) کی تصنیف ہے، یہ "الحادی" کی نسبت زیادہ جامع ہے۔ اس میں پہلی مرتبہ نظام عروق شعریہ پر بحث کی گئی ہے۔ اور بتایا گیا ہے کہ وضع حمل کے وقت جنین خود بخود بطنِ مادر سے باہر نہیں آجاتا بلکہ یہ رحم کے عضلاتی سکڑاؤ کا نتیجہ ہے۔ اس کے علمی (نظریاتی) حصے کا ترجمہ (Constantine—1087) نے لاطینی زبان میں کیا۔ یہ کتاب ایک عرصے تک مغربی مدارس طبیہ میں داخل نصاب رہی ہے تاآنکہ "قانون" نے اس کی جگہ لے لی۔

---

[1] راجر بیکن نے کئی جگہ پر اس سے اقتباسات پیش کئے ہیں، اور اسے (De Spiritibus et Corporibus) کے نام سے یاد کیا ہے۔

[2] یہ کتاب لاطینی میں (Liber Almonsoris) کے نام سے مشہور ہے "المنصوری" کا ایک ترجمہ گیرارڈ آف کرمونہ (المتوفی ۱۱۸۷ء) نے بھی کیا ہے۔

Marfat.com

(ز) تذکرۃ الکحالین[1]: علی بن عیسٰی کی بلند پایہ تصنیف ہے۔ وہ عربوں کے درمیان بہترین کمال مانا گیا ہے۔ بعض مصنفین نے اُسے عیسٰی بن علی سے ملا دیا ہے جو معتمد[2] کا شاہی طبیب تھا۔ عربوں نے جو کتابیں امراضِ چشم پر تصنیف کی ہیں، اُن کے درمیان تذکرہ زیادہ مقبول ہوا ہے۔ اس میں آنکھوں کی ایک سو تیس بیماریوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ انگریز اطباء اسے (Book of Memorands for Eye Doctors) کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اس کا ایک مرتبہ عبرانی میں اور دو مرتبہ لاطینی میں ترجمہ ہو چکا ہے۔

(س) الفُرسیہ وشیعۃُ الخَیلِ: یہ یعقوب کی تصنیف ہے جو المعتضد (۸۹۲ء تا ۹۰۲ء) کے اصطبل کا نگران تھا۔ یہ کتاب اپنی نوعیّت کی پہلی ہے، جس میں حیوانات کے امراض اور ان کے علاج پر بحث کی گئی ہے۔ اس کا مسوّدہ برٹش میوزیم میں محفوظ ہے۔

مفصلّہ بالا کتب کے علاوہ سینکڑوں ایسی کتابیں ہیں جو مختلف مغربی زبانوں میں چھپ چکی ہیں۔ انہی میں ابنِ رُشد کی الکلّیات (Colliget) ہے، ابو جعفر احمد بن ابراہیم کی طب الفقراء یا علاج الغربا (Guide for the poor) ہے۔ ابنِ وافد کی کتاب "الادویۃ المفردہ اور کتاب الوساد ہے۔ ابنِ رضوان کی صناعۃِ جالینوس ہے اور ابن ماسویہ کی الحمیات ہے۔

---

[1] (A note for Oculists)

[2] عباسی خاندان کا جلیل القدر بادشاہ جس نے ۸۷۰ء سے ۸۹۲ء تک حکومت کی۔

Marfat.com

عربی طِبّ اور علم کے دوسرے شعبوں کی بہت سی اصطلاحیں (TERMS) ہسپانوی، لاطینی اور انگریزی زبانوں نے اپنا لی ہیں، اور اس طرح اسلامی تمدن کے زندہ نقوش اب تک باقی ہیں۔ ان اصطلاحات کا تذکرہ خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔

شعبہ	عربی لفظ	انگریزی، لاطینی یا ہسپانوی لفظ
طبّ و کیمیا	جُلّاب	Julep.
"	رُبّ	Rob.
"	شراب	Syrup.
"	سوداء	Soda, Sodanum.
"	نطرون	Natrum.
"	اُمّ جانیہ[1]	Dura mater
"	اُمّ رقیق[2]	Pia mater,
"	انبیق[3]	Alembic
"	کافور	Camphor
"	صندل	Sandal,
"	عنبر	Amber.
"	مُشک	Musk,
"	القلی	Alkali,

[1] یہ دماغ کا موٹا اور سخت پردہ ہے جو کھوپڑی کی ہڈی سے اندر کی جانب ملا رہتا ہے (مخزن الجواہر)

[2] یہ دماغ کا نرم اور باریک پردہ ہے جو بھیجے کے اوپر لپٹا ہوا ہے۔

[3] یہ دیگ کا ڈھکنا ہے جس کی ٹونٹی سے عرق کھنچ کر باہر آتا ہے۔

Marfat.com

شعبہ	عربی لفظ	انگریزی، لاطینی یا ہسپانوی لفظ
طب وکیمیا	تمرھندی	Tamarid,
"	سناء مکی	Senna
"	لیلاج	Lilac,
"	اثمد	Antimony,
بحر وہیئت	امیر البحر	Admiral,
"	بُوق	Alboque
"	مستول	Mast,
"	اصطرلاب	Astrolabe
"	مقنطرات	Almocantar,
"	طوفان	Typhoon,
"	عذرا	Adara (Canis Majoris)
"	اثیر	Aether
"	عنکبوت	Alankabuth,
"	الذیبین	Aldhibain
"	الجبار	Algebar
"	الغراب	ALGORAB
"	عبور	Alhabor.
"	الهنعه	Alhena.
"	بیض	Beid.

Marfat.com

انگریزی، لاطینی یا ہسپانوی الفاظ	عربی لفظ	شعبہ
Delphini,	راس الدلفین	نجوم وہئیت
Deneb Afeat.	ذنب الاسد	"
Halo	ہالہ	"
Aldebran	الدبران	"

نہ صرف طب وکیمیا اور فلسفہ وحکمت کے علوم ہی عربی لغت سے متاثر ہوئے ہیں بلکہ بصریات، طبیعات، میکانیات اور ریاضی بھی عربوں کی تحقیقات سے مالا مال ہوئے بغیر نہیں رہ سکے۔

۴۔ علم جغرافیہ وتاریخ

مسلمانوں نے تحصیل علم کے لئے، یا سیر وسیاحت اور تجارت کے لیے دور دراز ممالک کا سفر اختیار کیا۔ جن ممالک کو انہوں نے دیکھا، جہاں انہوں نے اقامت اختیار کی، وہاں کے جغرافیائی، معاشرتی اور تجارتی حالات کو سائنٹیفک طریقے سے پیش کیا۔ بعض مسالک اور ممالک کو اس لئے بھی دیکھا گیا کہ وہاں کی تمدنی اور فنی ترقیوں کے پیش نظر وہاں پر تجارتی تعلقات قائم کئے جائیں۔

مسلمانوں نے ساتویں صدی عیسوی میں ہی مشرق بعید کے ساتھ تجارتی تعلقات استوار کر لیے تھے۔ اور مسلمان عرب، ہندوستان، چین،

۱؎ "اُطْلُبُوا العِلْمَ وَلَوْ کَانَ بِالصِّیْن" — میں اسی طرف اشارہ کیا۔

۲؎ سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ۔

Marfat.com

فرانس، صقلیہ اور افریقہ جیسے اعظم بلاد میں اپنی تجارتی کوٹھیاں قائم کر چکے تھے۔ موسیو لیبان کا خیال ہے کہ چین کے اکثر صوبوں میں جہاں مسلمان کثرت سے موجود ہیں، اسلام کی اشاعت و تبلیغ صرف اسلامی تجارت ہی کے ذریعہ سے ہوئی۔ یہ وہ وقت تھا جب کہ اقوامِ مغرب جمود اور تعطّل کی زندگی بسر کر رہی تھیں۔ مسٹر کریمر (Von Kremer) ایک مقام پر لکھتا ہے۔

"اسلام کے لئے فریضۂ حج ہی وہ زبردست فریضہ ہے جس نے مسلمانوں میں روحانی اتحاد پیدا کیا، اور مادی حیثیت سے تمام دنیا سے اُن کا رشتۂ تجارت جوڑ دیا۔ اُسی کی بدولت مسلمانوں کے ہر طبقہ کو مختلف راہوں، پیچ در پیچ وادیوں، پہاڑیوں اور مختلف جغرافیائی اور تاریخی حالات کا قدرتاً علم حاصل ہوا۔ جب تمام دُنیا کی قومیں سستی و پستی کی حالت میں ڈوبی ہوئی جمائیاں لے رہی تھیں، اور اپنے جانے بوجھے ملک کے سوا دوسرے ملکوں کے حالات سے دلچسپی نہ لیتی تھیں، تو یہ (عرب) بحری تجارتوں کے مالک تھے، اور دنیا بھر میں چکر لگاتے رہتے تھے۔ اس کا سبب یہ تھا کہ ان کے دارالحکومت یا تجارتی مقام زیادہ تر ساحل پر واقع تھے۔ ہندوستان۔ جاوا۔ چین۔ اٹلی۔ فرانس صقلیہ، بغداد، اسپین۔ مصر اور افریقہ وغیرہ ان کی گزرگاہ بنے ہوئے تھے، یہاں تک کہ دسویں صدی عیسوی کے وسط میں مسلمانوں کے تجارتی جہاز (C9U!Z) تک پہنچ چکے تھے۔"

Marfat.com

اندلس کے جن سیاحوں اور جغرافیہ دانوں نے اپنے اسفار (Travels) اور مشاہدات کو ہمارے لئے چھوڑا ہے، ان میں الادریسی، ابن جبیر، المنجم، المازنی، الزہری اور البکری خاص طور پر مشہور رہیں۔

الزہری (محمد بن ابی بکر المتوفی ۱۱۳۷ء) اُن مشاہیر جغرافیہ دانوں میں سے ہے جنھوں نے اپنی تصنیف کو پہلی مرتبہ (موضوع کے پیش نظر) "کتاب الجغرافیہ" کا نام دیا ہے۔ کتاب کی تدوین کے وقت زہری کے سامنے وہ بیش قیمت مسودہ تھا جسے مامون کے عہد میں ماہر جغرافیہ دانوں نے تیار کیا تھا۔ اس مسودے کا کچھ حصہ (Bibliotheque, National Paris) میں زیر نمبر ۲۲۲ موجود ہے۔

ادریسی کی اطلس (Atlas) اور ابن حوقل[1] کے نقشوں سے دنیائے سائنس میں ایک نئے باب کا آغاز ہوتا ہے۔ ان کی معلومات آج بھی مستند ہیں۔ اور مکمل تین سو برس تک تمام جغرافیہ دان اُن ہی کے نقشوں کو بغیر کسی تبدیلی کے استعمال کرتے رہے ہیں۔

---

[1] ابن حوقل (ابو القاسم محمد بن علی) بغداد میں پیدا ہوا۔ اُس نے کوئی اٹھارہ برس سیر و سیاحت میں گزارے۔ ۳۶۲ھ میں وہ بلرم میں موجود تھا۔ سفر کے اختتام پر اُس نے اپنا سفرنامہ "کتاب المسالک والممالک" مکمل کیا۔ بلرم کے حالات جو اُس نے علیحدہ ضمیمے کی صورت میں مرتب کئے۔ پیرس سے ۱۸۴۵ء میں شائع ہو چکے ہیں۔

المسالک کا پہلا نسخہ انگریزی ترجمہ کے ساتھ ۱۸۰۰ء میں لندن میں چھپا۔ پھر ۱۸۷۳ء میں لیڈن سے شائع ہوا

Marfat.com

جغرافیہ دان

(۱) ابنِ جبیر:- ابوالحسن محمدؐ بن احمد بن جبیر، کنانی (المتوفی ۱۲۱۷ء)

ابنِ جبیر، بلنسیہ میں ۱۱۴۵ء میں پیدا ہوا۔ وہ اپنے وقت کا مشہور ادیب، شاعر اور محدث تھا۔ سیر و سیاحت کا شوق بھی سوا تھا۔ اُس نے پہلا سفر ۵۷۸ھ میں کیا۔ دوسری مرتبہ وہ بیت المقدس آیا۔ یہ ۵۸۵ھ کا واقعہ ہے۔ اِن دنوں صلاح الدین ایوبیؒ[1] بیت المقدس پہ قابض ہو چکا تھا۔ تیسری مرتبہ اس کا سفر، سفرِ آخرت ثابت ہوا۔ اور وہ مصر میں ۶۱۳ھ میں فوت ہو گیا۔

اُس کا سفرنامہ "رحلۃ ابنِ جبیر"[2] پُراز معلومات ہے۔ بحیرۂ روم کے خطہ میں بسنے والی مسلمان قوموں کے تمدنی، تجارتی اور جغرافیائی حالات پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ اس کا پہلا حصہ صقلیہ سے متعلق ہے۔

۱؎ صلاح الدین ایوبیؒ، جس کا اصلی نام یوسف تھا، صلیبی جنگوں میں رومانی شخصیت کا مالک ہے ۱۱۶۹ء میں ہم اُسے مسندِ وزارت پر فائز پاتے ہیں۔ عیسائی طاقتوں نے جب اسلامی دنیا کو تہ و بالا کر دینا چاہا اور مقدس نیزے کی دریافت کے لیے یروشلم کے بازاروں اور کوچوں میں ہزار ہا نفوس کو موت کے گھاٹ اُتار دیا، تو قدرتِ کاملہ نے اُسے مسلمانوں کی حفاظت کے لیے منتخب کیا۔ ریجنلڈ نے جو لاطینی رہنماؤں کے درمیان زیادہ شاطر نظر آتا ہے، صلاح الدین کے ہاتھوں ہی موت کا جام نوش کیا۔ ۱۱۸۷ء میں اس نے فرنگیوں کو حطین کے مقام پر شکستِ فاش دی۔ اس طرح مسجد اقصٰی میں ایک بار پھر ناقوس کی بجائے اذان کی آواز بلند ہوئی۔ اُس نے صلیبی طلائی نشان کو جو قبۃ الصخرا (Dome of the Rock) پہ آویزاں تھا، اُتار پھینکا۔ واقعات کی رفتار ۲؍ نومبر ۱۱۹۲ء کو مدھم پڑ گئی۔ جبکہ عکہ کی لڑائی کے بعد محصورین کو صلح کرنی پڑی۔

۲؎ Wright - Travels of the Jub air.

Marfat.com

یہ پہلی مرتبہ ۱۸۴۶ء میں فرانسیسی ترجمے کے ساتھ شائع ہوا۔ پھر پورا سفرنامہ ۱۹۰۷ء میں گب میموریل نے چھاپ کر شائع کیا۔ اسی آخری نقش (Edition) کا اُردو ترجمہ حافظ احمد علی خان صاحب شوق رامپوری نے پیش کیا ہے۔

(۲) **شریف ادریسی** (ابوعبداللہ محمد بن محمد بن عبداللہ۔ المتوفی ۵۶۰ھ)

ادریسی[۱] کا نام ہمیشہ ہی علم جغرافیہ کی تاریخ میں سنہری حروف کے ساتھ لکھا جائے گا۔ وہ ۴۹۳ھ میں سبتہ میں پیدا ہوا۔ وہ افریقہ کے ایک سادات خاندان کا چشم و چراغ تھا۔ قرطبہ کی یونیورسٹی میں رہ کر اُس نے علومِ عقلیہ اور نقلیہ میں کمال دستگاہ حاصل کی۔ ادریسی کی ذہانت اور قابلیت کے چرچے اس قدر پھیل چکے تھے کہ راجر ثانی نے اُسے صقلیہ آنے کی دعوت دی۔ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اُس کے تمام جغرافیائی کارنامے یہیں انجام پائے۔

شاہ صقلیہ کے کہنے پر ادریسی نے چاندی کا ایک ایسا کرہ تیار کیا، جس سے معلوم دنیا کے پہاڑوں اور وادیوں، سمندروں اور دریاؤں، زمین اور اس کے نشیب و فراز کی تصویر سامنے آجاتی تھی۔ اس نقرئی کرے[۲] کا قطر تقریباً چھ فٹ اور وزن تقریباً ساڑھے پانچ من تھا۔

راجر ثانی نے خسروانہ فیاضی کا ثبوت دیا، اور وہ تمام چاندی[۳] جو کرہ بنانے کے بعد بچ رہی تھی ادریسی کے حوالے کر دی۔ اس کے علاوہ

۱۔ "یلاے" نسبتی ہے۔ ۲۔ اخبار الاندلس، جلد سوم، ص ۵۰۸

۳۔ یہ چاندی تقریباً ڈیڑھ لاکھ درہم کے ہم وزن تھی۔

Marfat.com

ایک لاکھ درہم اور عنایت کئے۔ مرحمات کا سلسلہ یہیں ختم نہیں ہو جاتا بلکہ اُس نے اس یگانۂ روزگار کو صقلیہ کو مستقل وطن بنا لینے کے لئے کہا۔

ادریسی نے اقصائے عالم کی پندرہ سال تک خاک چھانی اور ان مقاماتِ تجربہ کو اپنے نقشے میں ثبت کر لیا جہاں سے وہ گذرا، جہاں وہ اُترا یا ٹھہرا۔ مصوروں کی ایک بہت بڑی جماعت اس کی رفیقِ سفر رہی۔ یہ تمام معلومات اور مشاہدات اُس کی معرکۃ الآرا تصنیف "نزہتہ المشتاق فی اختراق الآفاق" میں مندرج ہیں۔

ایس۔ پی۔ اسکاٹ ایک مقام پر لکھتا ہے:۔

"ادریسی نے اپنی قابلِ قدر کتاب راجر ثانی کے زمانہ میں لکھی تھی یہ کتاب مصنف کے روشن دماغ، مصنف کے تجربات، مصنف کی محنت اور مصنف کی تنقیدی قابلیت کی غیر فانی شہادت ہے۔ اس نے جو کچھ لکھا، اس میں سے زیادہ حصّہ خود دیکھ کر اور جانچ کر لکھا۔ اُس کی اس کتاب کی صحت کے لئے یہ امر کافی ضمانت ہے کہ مصنف سائنس کا بہت بڑا ماہر تھا....

قرونِ متوسط کے جغرافیہ دان ہزار شہرت پائے ہوں، مگر کسی کا چراغ ادریسی کی شہرت کے آفتاب کے سامنے نہ جل سکا۔ فصاحتِ بیان، صحت تفصیلات، اور صحیح تخمینہ مسافت میں اس کتاب کو قرونِ وسطی کی تصانیف (جغرافیائی) میں درجۂ اولیت حاصل ہے۔ ادریسی کی تصانیف

Marfat.com

نے دنیائے سائنس میں ایک جدید دور کی بنیاد ڈالی ہے[1]۔

یہ کتاب کم وبیش ۶۹ نقشوں سے مزین تھی، جو اُس کے سفر کے واقعات سے متعلق تھے۔ ان کے صحیح (بلکہ اصح) ہونے کا بیّن ثبوت یہ ہے کہ دریائے نیل کے منبع کا جو سراغ پچھلی صدی میں اہلِ یورپ نے لگایا ہے، ادریسی صدیوں پہلے اس سے واقف تھا۔ اس نقشہ میں اس نے نیل کا صحیح دہانہ دکھایا ہے[2]۔

یہ کتاب اب تک پیرس، روم، آکسفورڈ اور دیگر ممالکِ یورپ کے کتب خانوں کی زینت بنی ہوئی ہے۔ اس کے مغربی زبانوں میں مختلف تراجم چھپ کر شائع ہو چکے ہیں۔

(۱) ۱۷۹۹ء میں میڈرڈ سے، اندلس سے متعلقہ حصے کا ترجمہ چھپ کر شائع ہوا۔

(۲) مغرب، سوڈان، مصر اور اندلس کے حصّہ کو ڈوزی (Dozy) نے ۱۸۶۴ء میں مطبع بریل، لیڈن سے چھاپا۔

(۳) شام و فلسطین سے متعلق اس کا حصّہ ۱۸۲۸ء میں روزن ملّر نے لائی باخ سے شائع کیا۔

ادریسی کا سالِ وفات ۱۱۶۶ء ہے[3]۔ یہ آفتابِ کمال صقلیہ میں ہی سپردِ خاک ہوا۔

---

[1] اخبارالاندلس، جلد دوم، سوم، ص (علی الترتیب) ۷۰، ۷۴، ۵۰۷

[2] المختصر فی تاریخ آداب اللّغۃِ العربیۃ، ص ۱۸۵ (جرجی زیدان)
تمدنِ عرب، لیبان، ص ۴۲۲۔

[3] فہرست کتبخانہ خدیویہ، جلد پنجم، ص ۱۶۶، بحوالہ تاریخ صقلیہ، جلد دوم، ص ۴۰۲۔

Marfat.com

۵۔ علمِ تاریخ اور اُس کے مشاہیر

قرونِ وسطیٰ میں کوئی شخصیت ایسی نہیں گزری جس نے تاریخ کو امثال و حکایات، ملوک و سلاطین کے حالات اور قرونِ ماضیہ کے گوناگوں واقعات سے زیادہ اہمیّت دی ہو۔ حالانکہ "تاریخ بہ باطن نام ہے نظر و تحقیق کا، کائنات اور اس کے مبادیات کی باریک تعلیل کا، واقعات اور ان کے اسباب و کیفیات کا۔ اس حیثیت سے اس کے رگ و ریشے فنِ حکمت سے وابستہ ہیں اور وہ اس بات کی مستحق ہے کہ اس کا شمار علومِ حکمیہ میں کیا جائے[1]۔"

آٹھویں صدی ہجری میں عالمِ اسلام جس پُر آشوب دور سے گزر رہا تھا، سلطنتیں جس سرعت سے منقلب اور متغیّر ہو رہی تھیں، اور حالات جس تیزی سے دگرگوں ہو رہے تھے، اُن سب مؤثرات نے ابنِ خلدون کو آمادہ کیا کہ وہ تمدنی ترقی اور زوال، سیاسی تفوّق اور انحطاط، معاشی بساط کی کیفیات کا اندازہ اس ژرف نگاہی سے لگائے کہ تاریخ کا مطالعہ خود اسی کے لئے کیا جا سکے۔

تحقیق و تجسّس کے دوران میں اُس نے کئی ایسے اصول وضع کئے جو آثار و اخبار کی جانچ پڑتال کے لئے ممد ثابت ہو سکتے ہیں۔ اُس کے خیال میں مصنف کی بالغ نظری، اصول اجتماعیات

---

[1] المقدمہ، ص ۴، مطبوعہ مصر (مکتبہ مصطفٰے محمد)

Marfat.com

سے واقفیت، قانون علیتہ[1] اور جو کچھ اس سے مرتب ہوتا ہے۔ قانونِ تباین اور تشابہ کا ورک، مزید برآں مصنف کی غیر جانبداری اور غلو سے اجتناب ایسی چیزیں ہیں جو تاریخ کی تشریح کے لئے ضروری اور لابدی ہیں[2]۔

ابنِ خلدون کے خیال میں مؤرخ کے لئے اجتماعِ بشری کا علم ضروری ہے۔ لیکن وہ اس معاملہ میں بہت آگے نکل گیا ہے حالانکہ یہ غلط ہے۔ اجتماعی نفسیات (Social Psychology) کا مطالعہ ایک الگ موضوع ہے جس کا علم تاریخی واقعات کے مطالعہ سے پیدا ہوتا ہے۔ نہ کہ تاریخ سے۔

تاریخ کو لکھتے وقت جن اصول و قوانین کو ابنِ خلدون نے خود منضبط کیا ہے، اُن سے وہ خود انحراف کرتا نظر آتا ہے، اور اُس کے پاؤں متزلزل دکھائی دیتے ہیں۔ لیکن اس سے اُس کی حیثیت فلسفہ اجتماعیہ کا موجد ہونے کی کم نہیں ہوتی۔ اُس کی کاوش قابل

---

[1] ۔ ابنِ خلدون کے وضعی قوانین میں استثنات بھی پائے جاتے ہیں۔ ایک راسخ العقیدہ مسلمان ہونے کی صورت میں وہ "خارق العادت" تاثیر کا پوری طرح سے قائل ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ وہ "بخت واتفاق" کے الفاظ استعمال کرکے اکثر اوقات واقعات کی توجیہہ بیان کرنے سے اپنی بے چارگی کا اظہار کرتا ہے۔ اسی طرح "معجزات اور کرامات کو جو طبعی قوانین کو توڑ دیتی ہیں قانون علیتہ سے مستثنےٰ سمجھتا ہے۔ بلکہ وہ اشراقی فلسفہ سے متاثر ہو کر یقین رکھتا ہے کہ ایسی قوتیں واقعات کی رفتار پر بھی اثر انداز ہوسکتی ہیں۔ (مقدمہ ششم، باب حقیقۃ النبوۃِ والکھانۃِ۔

[2] المقدمہ، ص ۳۵۰۔

Marfat.com

ستائش ہے کیونکہ اس کے سامنے کوئی ایسا ڈھانچہ موجود نہ تھا، جس پر وہ اپنی عمارت کھڑی کر سکتا۔ اگر ہم اس توقع سے مقدمہ کا مطالعہ کریں کہ اس میں قوموں کے عروج و زوال، تمدن کے ارتقاء و انحطاط اور معاشیات و سیاسیات کی مکمل بحث ملے گی تو ہمیں یقیناً مایوس ہونا پڑے گا۔ آج سے چھ سو سال قبل ہمارے مصنف کو وہ آسانیاں میسر نہ تھیں جو آج کسی اسکالر کو، جو اجتماع بشری، یا معاشیات قومی یا تمدنی انقلابات کا مطالعہ کرنے کی خواہش رکھتا ہے، حاصل ہیں۔

ابنِ خلدون نے اپنے مبحث میں منطقیانہ طریق اختیار کیا ہے، جسے مندرجہ ذیل عنوانات کے تحت تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ تمدن کی ضرورت کیونکر پڑتی ہے:

۲۔ وہ کون سے مظاہر ہیں۔ جو حیاتِ اجتماعیہ پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

۳۔ اجتماعی ترقی کے سلسلہ میں بدویانہ زندگی سے آغاز اور مختلف ادوار

۴۔ مختلف قسم کی حکومت اور اس کے خواص۔

۵۔ تمدن کا انحطاط اور اسباب

اب ہم ان سب کی مجملاً تشریح کریں گے تاکہ ابنِ خلدون کے نقطۂ نظر سے واقفیت حاصل ہو سکے۔

مسٹر کرامر نے ابنِ خلدون کی بحث کو "تاریخ تمدن" کا نام دیا ہے اس کا خیال ہے کہ ابنِ خلدون نے نہ صرف تمدن کا ہی مطالعہ کیا ہے بلکہ اُس نے انسانی ترقی کے قوانین کا بھی دقیق نظری سے مطالعہ کرنا چاہا ہے۔ ڈاکٹر طٰہٰ حسین نے جو ایک مصری عالم اور ماہرِ تعلیم بھی ہیں، اس کی بحث کا نام فلسفۂ اجتماعیہ، رکھا ہے۔

Marfat.com

(۱) تمدّن کی ضرورت[1]:

انسان مدنی الطبع حیوان (Social Animal) ہے۔
زندگی کے مراحل میں منزلِ مقصود تک پہنچنے کے لئے کتنے ہی دشوار مقام ہیں۔ کتنے ہی نشیب و فراز ہیں اور کتنی ہی عمیق گھاٹیاں ہیں، جن سے اُسے گزرنا ہوتا ہے، اس کے پاؤں فگار ہو جاتے ہیں، اُس کی حالت نڈھال ہو جاتی ہے، اور وہ تھک کر رہ جاتا ہے۔ وہ یکّہ و تنہا منزلِ مقصود تک نہیں پہنچ سکتا۔ اُسے اپنے ساتھیوں کی مدد کی ضرورت ہے۔ نہ صرف خوف کے جذبہ سے ہی اجتماع کی بنیاد قائم ہوتی ہے بلکہ امن و سلامتی کا احساس بھی اجتماع بشری[2] میں کارفرما نظر آتا ہے۔ ارسطو کا خیال ہے کہ "اجتماع کی تنظیم و ترتیب خود اجتماع کے اجزاء ہی کی مصلحت کے لئے کی گئی ہے۔ چنانچہ مجمع کی بنیاد حفاظت نفسی کا فطری جذبہ ہے۔ اور تفاہم بشری انسان کو تنظیمِ سلطنت میں مدد دیتا ہے۔"

مجتمعِ طبعی کی ابتداءً کوئی سیاسی شکل نہیں ہوتی، لیکن تمدنی ترقی کے ساتھ جو شکل یہ اختیار کرتا ہے، وہ تدبیر و سیاست اور غور و فکر کا نتیجہ ہوتی ہے۔

(۲) مظاہر جو مجتمع پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

مذہب، اقلیم اور جغرافیائی ماحول ایسی چیزیں ہیں جو خود تو مجتمع سے

---

[1] المقدمہ: ص ۱۴۱ - (باب - فی العمران البشری علی الجملہ)

[2] اجتماع بشری اور حیوانی میں یہ فرق ہے کہ اول الذکر اپنے اجتماع اور اپنی غایت مطلوبہ کو محسوس کرتا ہے، لیکن حیوانی جماعتیں اس احساس کے بغیر پیدا ہو جاتی ہیں۔

Marfat.com

الگ ہیں لیکن حیاتِ اجتماعیہ پہ اثر انداز ہوتی ہیں۔ مذہب کس حدتک مجمع کو متاثر کرتا ہے؟ ابنِ خلدون نے واضح طور پہ کچھ بیان نہیں کیا۔ اُس کا خیال ہے کہ تعمیم و وسعت میں مذہب اقلیم اور جغرافیائی حالات کی ہمسری نہیں کر سکتا۔

جہاں تک اقالیم[1] کے اثر کا تعلق ہے ابنِ خلدون نے اس کی واضح طور پہ تشریح کی ہے۔ اقلیمِ اوّل میں سخت گرمی پائی جاتی ہے۔ اسی لئے یہاں کے لوگ سیاہ رنگ کے ہوتے ہیں۔ لیکن اقلیم سابع میں سردی شدت کی پڑتی ہے۔ سورج چونکہ اُن کے افق میں ہمیشہ منطقۂ چشم کے دائرے کے سامنے یا اُس کے قریب رہتا ہے اس لیے سورج کی عمودی شعاعیں یہاں تک نہیں پہنچ سکتیں۔ اسی بنا پر یہاں کے باشندوں کے رنگ سفید ہوتے ہیں۔ معتدل اقالیم کے باشندے قوی الجسم اور متناسب الاعضا ہوتے ہیں۔ اقالیم منحرفہ کے لوگ تمدن سے بالکل بے بہرہ اور وحشی ہیں۔ نہ اُنہیں ضابطۂ اخلاق سے واسطہ ہے اور نہ اندر و افکارِ سیاست سے سروکار۔

---

[1] ابنِ خلدون کی تمام تر جغرافیائی معلومات شریف ادریسی (المتوفی ۱۱۶۶ء) کی کتاب "نزہتہ المشتاق" سے ماخوذ ہیں۔ وہ لکھتا ہے: "نحاذی بذالك ما وقع فی کتابِ نزهة المشتاقِ الذی الفهٗ العلوی الادریسی الحمودی لملكِ صقلية من الافرنج وهو زخارُ ابنُ زخارٍ۔ وجمع لهٗ كتباً جمّةً للمسعودی والحوقلی والقدری وابنِ اسحاق المنجم وبطلیموس وغیرهم" (المقدمہ۔ ص ۵۳)

اقلیم رابع (چہارم) جو معتدل حرارت سے مستفید ہوتی ہے بہترین تمدن، استوار نظامِ حکومت اور مذاہبِ انسانی کی ضوپاشیوں سے بہرہ ور ہے۔ ابنِ خلدون نے شام اور عراق کو بھی جن میں اوّل الذکر یہودیت اور نصرانیت کا گہوارہ ہے، اور موخر الذکر اشوری تہذیب و تمدن کی جگہ اس اقلیم میں شامل کر لیا ہے[۲]۔

یہاں کے آباد کار ڈیل ڈول، رنگ و روپ، اخلاق و آداب یہاں تک کہ نبوت و رسالت میں بھی تمام اقلیموں سے ممتاز ہیں۔

اقلیم کے اثرات کو بیان کرنے کے بعد وہ جغرافیائی ماحول کو بیان کرتا ہے جس کے اثرات سے مجتمع متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا، اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس میں کوئی شبہ نہیں[۳]۔ اس موقعہ پر ابن خلدون نے ماہرینِ نسّاب (Geneologists) کے اس نظریّہ کو ٹھکرا دیا ہے۔ جس کے تحت اُنھوں نے مخصوص طبقوں کے درمیان شکل و صورت، وضع قطع اور دیگر خصائل کی یک جہتی کا سبب

---

[۱] فالاُقلیمُ الرّابعُ اَعْدلُ العُمْرانِ ... فلهٰذا كانتِ العُلُومُ والصّنائعُ المبانِيْ وَ المَلابسُ وَالاَقواتُ وَالفواكِهُ بَلْ وَالحَيَوانَاتُ (اقلیم رابع، جو زیادہ تر بحیرہ روم کے خطہ پر مشتمل ہے معتدل تر ہے۔ اس لئے اس کے علوم و فنون، صنعت و حرفت مکان و لباس میوہ و طعام بلکہ حیوانات بھی مخصوص باعتدالی ہیں۔

[۲] اقلیم معتدل میں تیسری اور پانچویں اقلیم کے دو حصے بھی شامل کر لئے گئے ہیں جو شمال و جنوب کی طرف چوتھی اقلیم سے ملے ہوئے ہیں۔ (المقدمہ ص ۲۸) (باب فی المعتدل من الاقالیمِ والمنحرفِ وتاثیر الهواء فی الوان البشر)

[۳] المقدمہ۔ باب فی اثر الهواءِ فِی اخلاقِ البشرِ

یہ ٹھہرایا ہے کہ وہ کسی خاص نسل یا گروہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ مثلاً جنوبی سوڈان کے آبادکار اس لئے سیاہ فام اور حبشی ہیں کہ وہ حام بن نوح کی نسل سے ہیں۔ شمالی قومیں یافث بن نوح کی اولاد ہیں اور اقلیمِ معتدلہ میں بسنے والی قومیں جو علم و ہنر، دین و سیاست اور طریقِ حکومت میں ممتاز ہیں۔ سام بن نوح کی ذریّت سے ہیں۔ نساب کو یہ مغالطہ اس لئے ہوا کہ وہ سمجھتے رہے ہیں کہ قوموں میں کچھ ممیّزات (Distinction) ہوتے ہیں اور وہ صرف نسل و نسب کے سبب سے ہی ہیں۔ حالانکہ یہ غلطی طبیعتِ کائنات اور زمین و ملکی آثار کے نہ جاننے سے واقع ہوئی ہے۔[1]

(۳) قانونِ سہ دَورہ:۔

ابنِ خلدون اس اچھوتے خیال کا موجد ہے کہ تاریخی حرکت کبھی ختم نہیں ہوتی اور انسانیت برابر ترقی کرتی رہتی ہے۔ اس کی مثال اس ندیا سے دی جا سکتی ہے، جو کبھی خشک نہیں ہوتی، اور مسلسل اپنا پانی سمندر میں ڈالتی رہتی ہے۔

"ہر سیاسی اجتماع پر خواہ وہ کسی شکل کا ہو ایک قانون حکومت کرتا ہے اور ابنِ خلدون کے اجتماعی مذہب کا یہی بنیادی قانون ہے۔ ہم اس کا نام "قانون سہ دَورہ" رکھ سکتے ہیں۔ لیکن اس جگہ عقل کے تین دور یعنی دین، مابعد الطبیعہ اور وضع کے دَور مقصود نہیں ہیں۔ بلکہ وہ دَور مقصود ہیں جن سے ہر مجتمع متّصل طور پر گزرتا ہے۔ پہلے دَور میں مجتمع بدویانہ زندگی بسر کرتا ہے۔ خواہ یہ زندگی

---

[1] المقدمہ۔ ص ۸۵۔

میدانوں میں گزاری جائے جیسا کہ عرب اور بربر اس قسم کی صحرائی زندگی بسر کرتے ہیں، یا نرم اور ہموار زمین میں بسر کی جائے، جیسا کہ تاتاری کرتے ہیں[۱]۔ اس حالت میں مجتمع کی تنظیم قبائلی ہوتی ہے۔ اور وہ قانون سے ناآشنا ہوتا ہے، اور اُس پر صرف اس کی ضرورتیں اور عادتیں حکومت کرتی ہیں۔ دوسرے دور میں وُہ فاتحانہ طور پر سلطنت کی بنیاد ڈالتا ہے۔ دوسرے مجتمعات کو مغلوب کرتا ہے۔ قانون سے واقف ہوتا ہے۔ اور اپنے لئے ایک نیا نظام قائم کرتا ہے۔ تیسرے دور میں جب وہ تمدنی حالت اختیار کرتا ہے تو مغلوب قوم کی عادتیں اختیار کر لیتا ہے[۲]۔ عیش و تنعم اور لہو و لعب میں منہمک ہو جاتا ہے۔ اور علوم و فنون کی تحصیل کی طرف مائل ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ زوال پذیر اور مغلوب ہو جاتا ہے[۳]۔"

---

[۱] آبادیوں کو ابن خلدون نے دو حصوں میں تقسیم کیا ہے: بدویت اور حضریت۔ بدویت میں زندگی سادہ اور غیر متکلف ہوتی ہے۔ زراعت اور فلاحت کے ابتدائی طریقے رائج ہوتے ہیں، تاکہ قوت لایموت کا مسئلہ حل ہو سکے۔ حضریت تمدنی ترقی کی طرف ایک قدم ہے۔ یہیں سے شہروں کی بنیاد پڑتی ہے، عیش و عشرت کے سامان مہیا کئے جاتے ہیں اور بات بات میں نمود کی خواہش حد کو پہنچ جاتی ہے۔ قصور و محلات کی اُٹھان، حریر و دیبا کے ملبوسات، طرح طرح کے کھانے، ایجاد و اختراع کی نیرنگیاں اور طریق نشست و برخاست میں تکلّف خصوصیات ہیں شہری زندگی کی۔ (المقدمہ ص ۱۲۰، باب ثانی من کتاب اوّل)

[۲] حضریت عمرانِ انسانی کا عروج و کمال ہے، جس کے بعد زوال و فساد ضروری ہے۔ حضریت بخلاف بدویت کے جو شجاعت و غیرت سے مرکب ہے، عیش و تنعم کا دلدادہ ہونے کے سبب بزدلی اور رذالت، جمود اور تعطل کی جگہ ہے۔ جس کا نتیجہ موت ہے (المقدمہ ص ۱۲۷ - ۱۲۲)

[۳] ابن خلدون، ص ۱۱۱، (یہ تمام تر مضمون اسی کتاب کا اختصار ہے صرف بعض جگہ پر مفید اضافے کر دیئے گئے ہیں تاکہ حلِ غوامض ہو سکے)۔ مصنف

Marfat.com

ہر مجتمع، چاہے کسی دور میں ہو، ایک حکومت قائم کرنے کی قدرتی خواہش رکھتا ہے۔ اس میں ایک ایسا جوہر موجود ہے جو اُسے مدافعت کرنے، فتح پانے اور ایک خاص قسم کا نظامِ زندگی اختیار کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ ابن خلدون اس جوہر کو "عصبیت" کا نام دیتا ہے۔ ابنِ خلدون کا کہنا ہے کہ "قرابت کے لئے شفقت انسان کا طبعی خاصہ ہے۔ اسی شفقت اور صلہ رحمی کی بنا پر عزیز و اقارب کو ظلم و بلا اور مصیبت و ہلاکت میں دیکھ کر آدمی کا خون کھول جاتا ہے اور غیرت و حمیّت کے چشمے اُبل پڑتے ہیں"[لے] اجیال و قبائل کی تقسیم اسی رشتۂ اخوت و قرابت پر مبنی ہے۔ ایک عربی مثل بھی اس کی تائید کرتی ہے "اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو خواہ مظلوم"۔ اس طرح ہم عصبیت کو مجتمعِ سیاسی کی اصلی قوّت کا سرچشمہ سمجھ سکتے ہیں۔

جب تک کوئی قوم قوت اور عصبیت کو محفوظ رکھتی ہے۔ اقتدار اُس سے علیحدہ نہیں ہوتا اس اصول کو ابنِ خلدون نے قبائل عرب اور برابرہ (Berbers) پر تو منطبق کر لیا ہے لیکن وہ اسے خاندانِ نبوت پر منطبق نہیں کر سکا۔ کیونکہ آنحضرت کی وفات کے بعد آپ کا خاندان منصبِ حکومت سے علیحدہ کر دیا گیا تھا۔ یہاں ہم بنو عباس اور عجمی گروہوں کے درمیان جو لگاؤ دیکھتے ہیں، اس

[لے] ابنِ خلدون نے اس امر کا اظہار کیا ہے کہ نسب پرستی امورِ وہمیہ میں سے ہے، اور دورِ جاہلیت کی ایک مشئوم یادہے۔ اگر نسب کا علم محض صلہ رحمی اور شفقت کے لئے ہو تو مناسب ہے لیکن اگر فخر و مباہات کے لئے ہو تو فضول اور ضرر رساں ہے۔ (المقدمہ۔ ص ۱۲۹)

Marfat.com

کا سبب "عصبیت خاصہ" اور نسبتی قرابت نہیں ہے، بلکہ آزادی کی خواہش اور انتقام کا جذبہ ہے[1]۔ عجمی جذبۂ حُبِ وطن سے سرشار ہوکر عربوں سے اپنی آزادی کے چھن جانے کی قیمت وصول کرنا چاہتے تھے۔

اس عصبیت کے ساتھ ساتھ قوم جب تک اخلاقِ حمیدہ اور صفاتِ ستودہ سے متصف رہتی ہے، اقبال مندی اور سلطنت اُس میں موجود رہتی ہے۔ لیکن جب ناپسندیدہ عادات اور رذیلانہ اطوار اُس میں پیدا ہو جاتے ہیں تو سیاہ رُو زوال اُنہیں آلیتا ہے۔

(۴) مختلف قسم کی حکومت اور اُس کے خواص:۔

اس طویل بحث کے بعد ابنِ خلدون نے سیاست کے تار کو ہلایا ہے۔ یہاں اُس نے اُمراء کی حکومت (Aristocracy) شخصی حکومت (Autocracy) اور خلافت (Caliphate) پر بحث کی ہے۔

اُس کے خیال کے مطابق مجمع سیاسی حکومت کی جو شکل اختیار کرتا ہے۔ (Aristo cratic) ہوتی ہے۔ لیکن جلد ہی یا تو وہ کسی فاتح کے ہاتھ میں چلی جاتی ہے، یا پھر اسی مجلس کا کوئی طاقتور رُکن اس پر غالب آکر تمام تر قوت اپنے ہاتھ میں لے لیتا ہے، اور نئے قوانین و فرامین جاری کر دیتا ہے۔ لیکن شخصی حکومت جو اس طرح پیدا ہوتی ہے دیرپا ثابت نہیں ہوتی[2]۔ مجمع کی تمام

---

[1] تفصیلات کے لئے دیکھو ابنِ خلدون (ص ۱۴۲-۱۴۰) [2] اس کی بہترین مثال ہمیں سترھویں صدی کے وسط میں انگلستان کی تاریخ میں ملتی ہے جبکہ ریپ کے خاتمہ پر ۱۶۵۳ء میں تمام اختیارات آلیور کرامویل نے سنبھال لئے اور خود لارڈ پروٹیکٹر بن بیٹھا۔ لوگ اس کی مستبد حکومت سے جلد ہی اُکتا گئے، اور بادشاہت کی بحالی کے لئے آوازیں بلند کرنی شروع کیں۔

قوت نفسِ واحد کے پاس چلی جاتی ہے۔ اس طرح آمرانہ ذہنیت جو پیدا ہوتی ہے عوام کے جذبات کا احترام نہیں کرسکتی۔ وہی لوگ جنہوں نے اس قسم کی حکومت کی حمایت کی ہوتی ہے بغاوت پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ اور جلد ہی اُس کا خاتمہ کر دیتے ہیں۔ اس کے کھنڈرات پر حکومت کی جو نئی شکل متشکل ہوتی ہے "حکومتِ جمہوریہ عقلیہ" یا "دینیہ" کہلاتی ہے۔ اس طرزِ حکومت میں دستور (Constitution) یا تو فلاسفہ و اکابرِ سلطنت کا مرتب کیا ہوتا ہے، یا وہ خداوندی ہوتا ہے جو بذریعہ وحی خداوندِ تعالیٰ کے کسی برگزیدہ انسان (پیغمبر) کے قلب پر نازل ہوتا ہے۔

ابنِ خلدون کے خیال میں حکومتِ الٰہیہ بہترین حکومت ہے۔ اس کا مقصدِ وحید اللہ تعالیٰ کی زمین پر احکامِ خداوندی (قرآنی) کا نفاذ اور جمہور کے مصالح اور مفاد کی حفاظت اور نگہداشت ہے۔ حکومت چونکہ ایک فطری چیز ہے اس لئے وہ خوارج کے نظریات سے بھی اتفاق نہیں کرتا۔ جن کا خیال ہے کہ "اگر مجتمع میں ایسے اوصاف موجود ہوں جو باہمی نظام کا انسداد کرسکیں تو وہ حکومت سے بے نیاز ہوسکتا ہے[1]۔

کیا خلافت قبیلۂ قریش کے لئے ہی مختص ہے؟ یہ مسئلہ بھی ضمناً ابنِ خلدون کے سامنے آگیا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ اسلام تمام گروہوں اور قوموں کے درمیان مساوات چاہتا ہے۔ اگر کسی فرد یا جماعت کو امتیاز حاصل ہوسکتا ہے تو صرف اس لئے کہ وہ تقویٰ اور پرہیزگاری

---

[1] ابنِ خلدون، ص ۱۸۶

میں بڑھی ہوئی ہے۔ اگر قریش، دین کی حمایت اور نیکی کی راہ میں اُمّتِ اسلامیہ کی قیادت سے عاجز ہو جائیں تو اُمّت کو یہ اختیار حاصل ہونا چاہیئے کہ وہ اس ذمہ داری کو ایک ایسے شخص کے سپرد کر دے جو اس کو پورا کر سکتا ہے۔"

(۵) زوالِ تمدّن:-

"تمدّن فطرۃً جسم، عقل بلکہ انسانوں کے اخلاق پر بھی بُرا اثر ڈالتا ہے۔ کیونکہ وہ عیش پرستی کی طرف لے جاتا ہے۔ شہروں کے باشندوں میں ضعف پیدا کرتا ہے، اور جن جنگی فضائل نے ان کو اوجِ حکومت تک پہنچایا تھا، ان کے تحفظ سے ان کو عاجز بنا دیتا ہے[۱] اس طرح اُن کو خود کوشش کرنے اور خود اُس عملی غیرت کے اظہار سے بھی درماندہ کر دیتا ہے۔ جس کے ذریعہ سے وہ عیش و تنعم کی لذت بخش زندگی تک پہنچے تھے۔ جب لوگ عیش پرستی کی زندگی کے عادی ہو جاتے ہیں، تو وہ فطرتاً سُستی اور کاہلی کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔ زمانہ کے گزرنے کے ساتھ ساتھ

---

[۱] جب کوئی قوم تہذیب و تمدّن کے زیور اور نفوذ و قوت کے ہتھیار سے مسلح ہو جاتی ہے اور اس کو اپنی ہمسایہ قوم کے حملے کا خطرہ نہیں رہتا، تو وہ نہایت عیش و طرب کے ساتھ جو دولت کا لازمی نتیجہ ہے، زندگی بسر کرنے لگتی ہے، اس لئے اس کے تمام فوجی محاسن برباد ہو جاتے ہیں۔ جو اس کی عظمت کا حقیقی سبب تھے۔ قرب و جوار کی وحشی یا نیم وحشی قومیں اس کے تمدّن کی بنیاد کھود دیتی ہیں، اور اس کے کھنڈر پر دوسرے تمدن کی عمارت کھڑی کرتی ہیں۔ روم و ایران کی سلطنتوں کا یہی حشر ہوا۔" (انقلاب الامم، ص ۱۷۰) یہ ہیں گستاولیبان کے خیالات۔ اس کے ہاں بھی زوالِ تمدّن کے وہی اسباب ہیں جو ابنِ خلدون کے ہاں موجود ہیں۔

Marfat.com

شہر کے تمام باشندے از کار رفتہ اور حکومت کے لئے بیکار ہو جاتے ہیں۔ حکومت شہر کی حفاظت، اور باشندوں کی معاش کی کفالت کے لئے اجنبیوں کو ملازم رکھنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سلطنت پر زوال آجاتا ہے اور تمدّن ختم ہو جاتا ہے[1]۔

ابنِ خلدون دوسرے اسباب کا بھی پتہ لگاتا ہے جو عیش پرستی کے ساتھ انتہائی زوال تک پہنچانے میں مؤثر ہوتے ہیں۔ وہ لکھتا ہے کہ

"ایک طرف سے خوف، دوسری طرف سے حرص لوگوں کے دلوں میں بہت سے رذائلِ اخلاق مثلاً فریب، جھوٹ اور تلوّن وغیرہ پیدا کر دیتی ہے۔ اب ایک طرف حکومت اور رعایا میں، دوسری طرف خود رعایا کے افراد میں باہم عام بد اعتمادی پیدا ہو جاتی ہے، اور مجتمع اپنی مستحکم وحدت کو ضائع کر دیتا ہے۔ اس لئے اگر یہ تعبیر صحیح ہو تو وہ گھُل جاتا ہے، اور ایک فاتح کے غلبہ کا آسان نشانہ بن جاتا ہے۔ یا آہستہ آہستہ فنا ہو جاتا ہے[2]۔"

ابنِ خلدون نے اس کے بعد اسبابِ معیشت، علوم وفنون کی ترویج اور اصنافِ علوم پر بحث کی ہے، جسے ہم نے طوالت کے خوف سے حذف کر دیا ہے۔

عبدالرحمٰن، ابنِ خلدون، المغربی (المتوفیٰ ۲۵ رمضان ۸۰۸ھ)

دنیا کے پردے پر کئی ایسے لوگ نمودار ہوئے جو شہرت کے آسمان پر سورج بن کر چمکے۔ لیکن کتنے ایسے ہیں جن کی کرنیں اب بھی نورافشاں ہیں؟ وہ لوگ یقیناً خوش نصیب ہیں، جنہیں شہرتِ دوام

---

[1] ابنِ خلدون، ص ۲۱۱ [2] ابنِ خلدون، ص ۲۱۲۔

Marfat.com

کے فلک الافلاک پر چمکنا نصیب ہوا ہے، اور ایک دُنیا اُن کے کمالات کی معترف ہے۔

آسمانِ شہرت کا یہ درخشندہ ستارہ (ابوزید ولی الدین عبدالرحمٰن ابنِ خلدون) یکم رمضان ۷۳۲ھ میں تونس میں پیدا ہوُا۔ وہ کندہ کے مشہور رئیس وائل بن حجر کی اولاد ہے۔ جو دولت وثروت اور عزّ و وقار میں اپنا ثانی نہ رکھتا تھا۔ اس خاندان کا پہلا شخص پہلی صدی ہجری کے اخیر میں اندلس میں داخل ہوُا۔

ابنِ خلدون نے ابتدائی تعلیم تونس میں پائی۔ اُس نے اپنی ذہانت اور قابلیّت کے سبب جلد ہی متداول علوم میں مہارت حاصل کرلی۔ حدیث میں اس نے مؤطا امام مالکؒ، صحیح مسلمؒ اور صحیح بخاریؒ سے استفادہ کیا۔ فقہ مالکی میں اس نے "المدونہ"[1] کے ذریعہ سے تعلیم حاصل کی، اور نحو ولغت کے لئے اس نے "تسہیل" کی ورق گردانی کی۔ درحقیقت اُس کے علم میں جو پختگی اور معلومات میں جو وسعت پیدا ہوئی، وہ زمانہ مابعد کی چیز ہے جب اُسے اپنے اسفار (Travels) کے دَوران میں متعدد کتب خانوں سے مستفید ہونے کا موقع ملا۔

۷۴۹ھ میں اُس کے والدین وبا کا شکار ہو گئے اور اس دنیا سے چل بسے۔ اس کے بعد اُس کی سیاسی زندگی کا آغاز ہوتا ہے۔ حصولِ اقتدار کی خاطر اس کے دِل میں لامتناہی خواہشیں تھیں اور مقامِ عزت حاصل کرنے کے لئے اس کی نگاہ میں تمام

[1] کتاب ہذا کا صفحہ ۳۵۲ - ۳۵۳ ملاحظہ ہو۔

Marfat.com

ذرائع جائز تھے۔ سیاسی برتری اور تفوق کی خاطر اس نے کئی بار اپنے ولی نعمت سے غداری کی، حریفوں سے ساز باز کی اور اعیانِ سلطنت کو شورش انگیزی پر اُکسایا۔ اپنے اعمال کی پاداش میں اُسے کئی بار جیلخانے کی تاریک کوٹھڑی میں ڈالا گیا۔ پہلی بار وہ تین سال تک مقید رہا، اور یہ مدت ۷۵۹ھ میں ختم ہوئی۔ اس مرتبہ اس نے امیر محمد مہدی حاکم بجایہ کے ساتھ مل کر سلطان فاس کے خلاف بغاوت کرنی چاہی تھی۔ لیکن راز کے افشا ہو جانے سے ابنِ خلدون کو یہ سزا بھگتنی پڑی۔ جب اُسے علم ہو گیا کہ فاس میں اُس کے لیے کوئی میدان باقی نہیں رہا، تو اُس نے اندلس واپس لوٹنا چاہا چنانچہ وہ ۷۶۴ھ میں بحری راستہ سے اندلس میں داخل ہوا۔

اس زمانے میں محمد خامس (Muhammad V) غرناطہ کا حکمران تھا۔ اور لسان الدین ابن الخطیب اس کا وزیر شہیر تھا سلطان غرناطہ نے ابنِ خلدون کا پُرتپاک خیرمقدم کیا اور اُسے سفیر بنا کر اشبیلیہ بھیج دیا۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس سفارت میں بہت کامیاب ہوا۔ لیکن ابنِ خلدون کے بڑھتے ہوئے اثر کو دیکھ کر ابن الخطیب اس سے بگڑ بیٹھا اور اُس کے درپے آزار ہو گیا۔ اس کشمکش کے پیشِ نظر وہ ۷۶۶ھ میں افریقہ واپس لوٹ آیا۔ اب کی مرتبہ حاکم بجایہ نے اُسے رئیس الوزارت کے عہدۂ جلیلہ پر فائز کر دیا۔

تمام تذکرے ۷۹۰ھ تک کے واقعات پر آ کر رُک جاتے ہیں اور اس سے آگے ابنِ خلدون کی زندگی پر کوئی روشنی نہیں ڈالتے۔

Marfat.com

ابنِ خلدون کو اپنے پر پورا اعتماد اور بھروسہ تھا۔ نہ تو حوادثِ زندگی کے تھپیڑے اور ناکامیوں اور نامرادیوں کے جھکڑ اُسے مایوس کر سکے اور نہ ہی اسلامی سلطنت کا انحطاط اُسے مضطرب بنا سکا۔ اب بھی، جب کہ اس کی عمر ۶۶ برس کی ہو چکی تھی، وہ تیمور لنگ[1] کے دربار میں حاضر ہوا۔ اور اُس کی خدمت میں مختلف تحائف پیش کئے۔ ابنِ خلدون نے تیمور کے سامنے اپنی خدمات پیش کیں۔ لیکن شاہِ کار آگاہ نے انہیں قبول نہ کیا۔ اور اُسے مصر واپس جانے کے لئے اجازت نامہ لکھ دیا۔

ابنِ خلدون مختلف وقفوں میں معلّم اور قاضی القضاۃ کے عہدہ پر بھی فائز رہا۔ اُس نے مفوّضہ اُمور کو نہایت جانفشانی سے سرانجام دیا۔ اگرچہ وہ مالکی مذہب کا پیروکار تھا لیکن وہ اپنے فیصلوں میں شخصی اجتہاد سے بھی کام لے لیتا تھا۔ وہ انصاف پسند اور حق پژوہ تھا اُس کے فیصلے بے لاگ تھے۔ اکابرِ سلطنت کی سفارشات کبھی بھی صحیح فیصلہ دینے میں مانع نہ آئیں۔ رؤسائے عہد اُس سے بگڑ بیٹھے آخر ان کا تنفر اور حسد اُس کی معزولی پر منتج ہوا۔

اُس کی لاجواب تصنیف "کتاب العبر و دیوان المبتداء والخبر فی ایام العرب والعجم والبربر" تین حصوں پر مشتمل ہے۔ المقدمہ، جو ابنِ خلدون کی شہرت کا ضامن ہے، اس کا پہلا حصہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ نہ صرف عرب مؤرخوں نے ہی بلکہ مغربی مفکروں میں سے بھی کسی نے آج تک تاریخ کو اس جامعیت کے ساتھ فلسفیانہ انداز میں پیش نہیں کیا۔[2] ہمارے

---

[1] وہ ان دنوں شام میں مصروفِ پیکار تھا اور حلب پر قبضہ جما چکا تھا۔ یہ ۱۴۰۰ء کا واقعہ ہے۔

[2] پروفیسر ہٹی، ص ۵۶۸۔

Marfat.com

لئے اس کی جو چیز خاص طور پر قابلِ توجہ ہے وُہ اس کی ذہانت، بلند خیالی، اُس کے علم کی وسعت، پختگی، اُس کی رائے کی جدت اور اس کی کتابوں کی نفاست ہے۔ اس دنیا میں بہت سے لوگ موجود ہیں۔ جن کی روک ٹوک کرنے والی کوئی چیز نہیں۔ بہت سے لوگ سیاسی تدبر اور مہارت رکھنے والے بھی ہیں۔ لیکن نایاب اور قسادا قابلیت رکھنے والے لوگ بہت کم ہیں۔ اور ابنِ خلدون انہی میں سے ایک ہے۔ عربی علوم وفنون اُسی کی بدولت یہ فخر کر سکتے ہیں کہ وہ پہلا شخص تھا کہ جس نے فلسفۂ اجتماعیہ کو علمی قالب میں ڈھالا۔ یہ ایک خفیف الحرکتی ہو گی کہ ہم انسانی کمزوری کی آڑ لے کر ایسی شخصیت کی تنقیص کریں، جس کی بڑائی میں کوئی شبہ نہیں[1]۔

اسلامی دُنیا کا یہ نامور مؤرخ اور فلسفۂ اجتماعیہ کا موجد ۸۰۸ھ میں اس دنیا سے چل بسا اور عالمِ اسلام کو حزن وملال میں چھوڑ گیا۔

ابنِ خلدون کے علاوہ اندلس کے جن مؤرخین نے آثار واخبار پر قابلِ قدر مواد چھوڑا ہے، مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) لسان الدین ابن الخطیب[2] (المتوفی ۱۳۷۴ء)

اندلس کا یہ مشہور مؤرخ، طبیب، شاعر اور ادیب شامی الاصل تھا۔ اُس کے آباد اجداد غرناطہ میں قیام پذیر ہو گئے تھے۔ اس کا خاندان دنیاوی وجاہت کے لئے ہمیشہ ہی ممتاز رہا ہے۔ ابن الخطیب کا باپ اپنے اچھے دنوں میں غرناطہ کا وزیر تھا۔ لیکن جب فلکِ

---

[1] ابن خلدون، ص ۲۸

[2] اس کا پورا نام "ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ بن سعید بن خطیب" ہے۔

Marfat.com

بجز قتار کی آنکھ میلی ہوئی تو وہ اپنے عہدہ سے علیحدہ کر دیا گیا۔ اس کی جائیداد اور اموال پر قبضہ جما لیا گیا۔ اور وہ ۷۴۱ھ میں نکبت و ہلاکت کی موت مرا۔ لسان الدین کو باعزت مقام حاصل کرنے کے لئے سخت تگ ودو کرنی پڑی۔ ذہین اور قابل تو تھا ہی، وہ جلد ہی ابو الحجاج یوسف سلطانِ غرناطہ (۱۳۳۳ء تا ۱۳۵۴ء) کا وزیر بن گیا۔ یوسف کی وفات کے بعد وہ محمد خامس کے عہد میں بھی وزارتِ عظمیٰ کے عہدے پر فائز رہا۔ اس طرح وہ "ذو الوزارتین" کے معزز لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

اس کا اقتدار جتنا بڑھتا گیا، درباری حلقوں میں اس کے خلاف حسد و عناد اتنا ہی زیادہ ہوتا گیا۔ آخر درباری آویزشوں نے اُسے اس قدر مضطرب بنا دیا کہ اُسے غرناطہ چھوڑ کر افریقہ میں پناہ لینی پڑی۔ جہاں اُسے تین سال بعد (۱۳۷۴ء میں) فاس کے مقام پر موت کا جام نوش کرنا پڑا۔ اس نے مختلف علوم پر ساٹھ کے قریب کتابیں تصنیف کیں جن میں سے بہت کم ہم تک پہنچی ہیں۔ ان میں سے "الاحاطہ فی اخبارِ غرناطہ" (دو جلدوں میں) بہت اہم ہے۔

(۲) العلامۃ احمد المقریؒ[1] (المتوفی ۱۰۴۱ھ)

وہ دسویں صدی ہجری کے اخیر میں تلمسان میں پیدا ہوا اس نے اپنی ابتدائی تعلیم فاس اور مراکش میں مکمل کی۔ ۱۰۲۸ھ میں اُس نے قاہرہ کی طرف کوچ کیا۔ المقری کو پانچ مرتبہ زیارت کعبہ سے مشرف ہوا۔ اس کی وفات ۱۰۴۱ھ میں مصر میں واقع ہوئی۔

---

[1] اس کا پورا نام "ابو العباس احمد بن محمد بن احمد المقری، التلمسانی" ہے۔

Marfat.com

المقری کی کتاب نفح الطیب (چار مجلدات میں بھی ہے اور بیس میں بھی) اندلسی مسلمانوں کی علمی اور عملی کاوشوں کا مرقع ہے تاریخی حالات کے علاوہ اس میں ۳۴۰ ادبا اور شعراء کا مکمل تذکرہ موجود ہے۔ جسے مصنف نے نہایت احتیاط اور جستجو سے تیار کیا ہے۔ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ یہ کتاب اندلس کے عروج و زوال کی مکمل داستان ہے جو قابلِ استشہاد مواد سے بھری ہوئی ہے۔

(۳) ابن القوطیہ (المتوفی ۳۱۷ھ)

اس کا اصلی نام ابوبکر محمد بن عمر بن عبدالعزیز بن ابراہیم بن عیسٰی بن مزاحم تھا۔ اس وقت جب کہ مسلمان اندلس میں اپنے شباب پر تھے، وہ جید عالم تھا۔

ابن القوطیہ کی جدّہ کا نام سارہ تھا۔ وہ غیطشہ کی پوتی تھی۔ اس کی شادی عیسٰی بن مزاحم سے ہوئی تھی جو حضرت عمر بن عبدالعزیز کے مولیٰ تھے۔

ابنِ خلکان کا بیان ہے کہ ابن القوطیہ نے اپنے وطن اشبیلیہ

لے جرجی زیدان کتاب کی خوبیوں کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے۔ انّ نفح الطیب احسن صورة لحال الاندلس الاجتماعیة والادبیة علی اختلاف عصورها" (ص۔۱۸۰) نفح الطیب اندلس کے مختلف ادوار کی اجتماعی اور ادبی زندگی کا صحیح مرقع ہے۔

ٹلہ اس کی وفات کی تاریخ کے متعلق کچھ وثوق سے نہیں کہا جاسکتا۔ محمد جمیل الرحمٰن صاحب نے "افتتاح الاندلس" کے ترجمہ اور حواشی میں یہی سنِ وفات درج کیا ہے۔ (افتتاح الاندلس، ص ۴۴، ۴۵)

تلہ گاتھ خاندان کا آخری تاجدار جو راڈرک کے ہاتھوں مارا گیا۔

Marfat.com

میں ہی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد وہ قرطبہ کی یونیورسٹی (University of Cordova) میں چلے گئے جہاں انہیں طاہر بن عبدالعزیز اور محمد بن عبدالوہاب جیسے بلند پایہ شیوخ سے مستفیض ہونے کا موقع ملا وہ عربی زبان اور لغت کے علاوہ حدیث اور فقہ میں بھی کمال دستگاہ رکھتا تھا۔ اس کی تصنیفات میں مندرجہ ذیل کتابیں شامل ہیں:

(۱) کتاب الافعال

(۲) المقصور والممدود

(۳) افتتاح الاندلس

(۴) تاریخ افتتاح الاندلس

پہلی کتاب ۱۸۹۰ء میں لیڈن سے طبع ہو کر شائع ہوئی۔ تیسری کتاب بڑی مستند ہے اور اندلس کے مطالعہ کے لئے ناگزیر ہے اس کا فرانسیسی ترجمہ دسمبر ۱۸۵۶ء میں ام۔ اے شربونو نے کیا۔

مسٹر وشا (Mr. Whisha) نے اپنی کتاب (Arabic Spain) میں اس رسالہ سے کافی مدد لی ہے۔

مورخین کی اس صف میں ابن حیان (المتوفی ۱۰۷۶ء) مصنف "المتین" اور "المقتبس فی تاریخ رجال الاندلس" مراکشی مورخ عبدالواحد مصنف "المعجب فی تلخیص اخبار المغرب" اور ابن بشکوال قرطبی (المتوفی ۱۱۸۳ء) کے نام خاص طور پہ قابل ذکر ہیں۔

Marfat.com

۶۔ موسیقی اور زریاب کی خدمات

عربوں نے دوسرے علوم کی طرح موسیقی اور آلاتِ طرب کی طرف بھی توجہ دی۔ عباسی دورِ خلافت میں ہارون و مامون کے دربار موسیقاروں، رقاصاؤں اور مغنیہ عورتوں کے سبب معمورۂ حسن بنے ہوئے تھے۔ عرب یونانی کتابوں کے عربی ترجموں سے پہلے بھی نظری موسیقی کے متعلق بہت کچھ جانتے تھے۔ لیکن جیسا کہ "کتاب الاغانی" سے ظاہر ہے اس پر عربی رنگ غالب[1] تھا۔ عباسی دور میں کنیزوں اور مغنیہ دوشیزاؤں کی تربیت نے ایک صنعت کی شکل اختیار کر لی تھی۔ یہ عورتیں محفلِ عیش و طرب کی روحِ رواں تھیں۔ اُن کی قیمت کی جب بولی دی جاتی تو ہزاروں دیناروں تک پہنچتی۔ اسی قسم کی ایک دوشیزہ کے لئے والئ مصر نے تیس ہزار درہم پیش کئے۔ ایک بازنطینی سفیر نے بھی اسی قدر رقم پیش کی۔ حاکمِ خراسان نے اس کی قیمت چالیس ہزار درہم تک بڑھا دی۔ لیکن یہ کہانی اپنے نقطۂ عروج پہ پہنچ گئی جب کہ مالک نے کنیز کو آزاد کر کے خود اس سے شادی کر لی[2]۔

سب سے پہلا شخص جس نے سلف کے خزائن کو جمع کیا اور ان کی تہذیب کی، الکندی (المتوفی ۸۷۴ء) ہے۔ اس کے بعد

---

[1] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، ج ۳ مضمون زیرِ عنوان (MUSIKI) ص ۷۴۹-۷۵۵۔

[2] پروفیسر ہٹی۔

فارابی (المتوفی ۹۵۰ء) کا نام آتا ہے۔ اس نے موسیقی کے مختلف پہلوؤں پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ اور نظری حیثیت سے اُصولِ موسیقی پر شرح و تفصیل میں سب سے بڑھ گیا ہے۔ آلہ قانون اُسی کے دماغ کی اختراع ہے۔ فارابی نے تال، سُر، زیر و بم، نغموں اور تانوں کے مختلف اثرات کو سائنٹیفک طریق سے پیش کیا ہے۔

فارابی کے بعد ابوالوفا (المتوفی ۹۹۸ء) کی کدّ و کاوش قابلِ ستائش ہے، جو علومِ ریاضیات میں کمال دسترس رکھتا تھا۔ "اخوان الصفا" نے اپنے رسائل میں اس کی خدمات کا اعتراف کیا۔ محمد بن احمد الخوارزمی کی کتاب "مفاتیح العلوم" نظری موسیقی پر ایک گرانقدر تالیف ہے۔

اس کے بعد بو علی سینا کا زمانہ آتا ہے۔ جس نے فلسفہ اور طب کی طرح اس پاکیزہ فن کو بھی اپنی ذکاوت سے جلا بخشی۔ اس عہد کے ہزاروں ستارے ہیں اور سینکڑوں ماہتاب جو اپنے وقت پر چمکے اور غروب ہو گئے۔ لیکن یہاں ہمیں آسمانِ موسیقی کے اُس آفتاب کے متعلق کچھ کہنا ہے جس نے اپنی شعاعوں سے یورپ کی دنیا کو منور کیا۔

اندلس کی سرزمین زریاب، ابنِ فرناس اور ابو الفضل کی مرہونِ منت ہے جنھوں نے مغرب میں ذوقِ نغمہ کی رُوح پھونکی اور فنونِ لطیفہ کے ساتھ وابستگی پیدا کی۔

Marfat.com

زریاب، ابوالحسن علی بن نافع

وہ اندلس کی اُن مایہ ناز ہستیوں میں سے ہے جن کے نام اپنے مسمیٰ کے کمالات پر شاہد ہیں۔

وہ سانولی رنگت کا سروقد، خوبرو جوان تھا۔ قدرت نے اُسے ذوقِ حُسن اور لطافتِ جذبات کے ساتھ لحنِ داؤدی بھی عطا کیا تھا۔ اسی لئے وہ زِریاب کہلاتا ہے۔ الدمیری نے اس نام کی ایک کالی، چہچہانے والی، خوش آواز چڑیا بھی بتائی ہے۔

زریاب، خلیفہ المہدی، جو ۱۵۸ھ میں سریرآرائے سلطنت ہُوا، کا پروردہ تھا، اور بغداد کے مشہور موسیقار اسحاق الموصلی (المتوفیٰ ۲۳۵ھ) کا شاگردِ رشید تھا، جو مسلمان مغنیوں میں عظیم شخصیت کا مالک ہو گزرا ہے[۱]۔

زریاب، ہارون الرشید کے دربار میں حاضر ہوا۔ بادشاہ نے گانا سنانے کے لئے کہا۔ اسحاق کا عود منگوایا گیا۔ لیکن زریاب نے اس عود کے استعمال سے انکار کر دیا اور عرض کی:

"میں صرف اپنے ہی عود پر گا نا سکتا ہوں جسے میرے ناقص ہاتھوں نے تیار کیا ہے۔ میں نے کبھی کسی دوسرے کا عود پسند نہیں کیا!"

رشید نے پوچھا: "وہ کہاں ہے؟"

عرض کی: "دروازے پر چھوڑ آیا ہوں، اگر حکم ہو تو لے آؤں!"

---

[۱] پروفیسر ہٹی۔ ص ۴۲۶

محفل جمی ہوئی تھی۔ رؤسائے سلطنت اور اعیانِ مملکت جمع تھے، فلاسفہ اور اکابر موجود تھے۔ ادبا اور شعراء منتظر تھے کہ زریاب نے عود اٹھایا، اور تاروں کو ہلایا۔ غزل کا مطلع تھا۔

یا ایها الملک المیمون طائره

هارون راح الیک الناس وابتکروا[1]

(اے مبارک چہرے والے بادشاہ ہارون! تیری جودت و سخاوت اور الطاف وعنایت کا شہرہ اس قدر عام ہے کہ طالبانِ جود و کرم کی مختلف جماعتیں برصبح وشام تیرے پاس آتی رہتی ہیں۔)

ساز اور آواز کی ہم آہنگی نے سامعین کو مبہوت کر دیا اور ہارون خود وجد میں آگیا۔

زریاب کا عود خود ساختہ تھا۔ یہ وزن میں اسحاق کے عود سے قدرے ہلکا تھا۔ اس کے تار بٹے ہوئے ریشم سے بنائے گئے تھے۔ اس کا مثلث تار بچہ شیر کی آنتوں سے تیار کیا گیا تھا جس کے سبب آواز میں صفائی اور گونج پیدا ہو گئی تھی۔[2]

اسحاق اپنے شاگرد کے فنی کمالات سے گھبرا گیا، اور سمجھا کہ اب زریاب کے سامنے اس کی شہرت کا چراغ روشن نہ ہو سکے گا۔ اس نے زریاب کو بغداد چھوڑ دینے کے لیے دھمکی دی۔ زریاب بڑا جہاندیدہ انسان تھا اور اسحاق کے اثر و رسوخ سے خوب واقف تھا۔ اس نے فوراً بغداد کو چھوڑا اور اندلس کی شہرت کو چار چاند لگانے کے لیے مغرب کی طرف چل دیا۔

---

[1] المقری، ج ۴، ص ۱۱۹ [2] المقری کا خیال ہے کہ زریاب ۲۰۶ھ میں اندلس آیا، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، نفح الطیب ج ۴، ص ۱۲۹ - ۱۲۰۔

Marfat.com

اندلس میں اس کے وہ جوہر کھلے کہ اس کا نام درباری حلقوں میں لیا جانے لگا۔ اندلس پہنچ کر اُس نے نہ صرف عملی موسیقی سے مغربی دُنیا کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا بلکہ اپنی جدت طرازی، آدابِ معاشرت کے جدید اوضاع و اطوار، اور نت نئی ایجادات اور مفید اختراعات سے تمدّنی ترقی میں ایک ایسا قدم بڑھایا کہ اس کے اثرات اب بھی تمدّنِ یورپ میں محسوس کئے جا سکتے ہیں۔

زریاب (جس کے حالاتِ زندگی مشرقی مؤرّخین کے ہاں قریباً ناپید ہیں) امیر الحکم (المتوفی ۲۰۶ھ/۸۲۱ء) کے عہد میں اندلس پہنچا۔ لیکن ابھی وہ جزیرہ الخضراء میں اُترنے بھی نہ پایا تھا کہ اُسے امیر کی وفات کی خبر ملی۔ الحکم کے بعد امیر عبدالرحمٰن نے (۸۲۱ء تا ۸۵۲ء) جس فراخدلی سے زریاب کا خیر مقدم کیا، اور اُسے قرطبہ لانے کے لئے جو انتظامات کئے، اُن کی ایک جھلک علاّمہ احمد المقری کے ہاں "نفح الطیب" میں "الوافدین علی الاندلس" کے تحت مل سکتی ہے۔

امیر نے اس یگانۂ روزگار کے لئے اور اس کے اہل و عیال کے لئے ہزاروں دینار بطورِ وظائف مقرر کئے، جو خزانۂ عامرہ سے ادا کئے جاتے تھے۔ خورد و نوش کے لئے خام اجناس بقدرِ ضرورت مہیا کی جاتی تھیں، تاکہ یہ صنّاع پیٹ کے دھندوں سے آزاد ہو کر علوم و فنون کی اشاعت میں ممد ثابت ہو سکے۔

وظائف کی تفصیل یہ ہے۔

Marfat.com

۱۔ زریاب کے لئے ۲۰۰ دینار ماہوار
۲۔ ۔ ″ ″ ۳۰۰۰ دینار سالانہ
۳۔ ″ ″ ″ ۱۰۰۰ دینار عیدین پہ
۴ ″ ″ ″ ۳۰۰ مد اناج
۵۔ باغات اور مزروعہ زمین جس کی آمدنی تقریباً ۴۰،۰۰۰ دینار سالانہ تھی۔
۶۔ تمام بچوں کے لئے ۲۰، ۲۰ دینار ماہانہ

اندلس کی عظمت اور برتری درحقیقت انہی تاجداروں کی بذل وسخاوت، سرپرستی اور قدردانی کا نتیجہ تھی جس کے سبب اصحابِ فن اور ارباب علم قرطبہ کی طرف کھنچے آتے تھے، اور انہوں نے اس عروس البلاد کو تہذیب و تمدّن کا گہوارہ اور علماء و فضلاء کا مرجعِ خاص و عام بنا دیا تھا۔

امیر کو زریاب سے اس قدر لگاؤ پیدا ہوگیا تھا کہ اُس نے اپنی خوابگاہ میں ایک مخصوص دروازہ بنوا دیا تھا کہ جس وقت وہ چاہے اسے اس راستہ سے طلب کر لے۔

زریاب نہ صرف ایک موسیقار ہی تھا بلکہ ایک فن کار (Artist) بھی تھا۔ اُسے علم نجوم طبعی جغرافیہ، ادب اور شعر میں بھی کمال دسترس حاصل تھی۔ وہ آداب محفل، طریق مصاحبت، حسنِ معاشرت اور اوضاع تمدن سے خوب واقف تھا۔

المقری نے زریاب کا یہ دعویٰ (جیسا کہ اس کے استاذ اسحٰق الموصلی نے بھی کیا ہے)، بھی نقل کیا ہے کہ ہر شب ایک جن اُس کے پاس

Marfat.com

آتا ہے اور اُسے کوئی نیا راگ سکھا کر چلا جاتا ہے۔ ہمیں اس کی واقعیت یا وضعیت سے بحث نہیں، لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ اُسے دس ہزار راگ اور راگنیاں یاد تھیں[۱]۔

ایجادات واختراعات:۔

زریاب سے پہلے "چار تارا عود" مستعمل تھا۔ یہ چار تار چاروں خلطوں[۲] (Four Humors) کی مناسبت سے رکھے گئے ہیں۔ ان میں زریاب نے پانچویں تار "اوسط دموی" کا اضافہ کیا جو اُس کا ایک اہم کارنامہ تصوّر کیا جاتا ہے۔

گوّیے بربط کے لئے لکڑی کا مضراب استعمال کرتے تھے، جو نہ تو انگلیوں پہ ٹھیک بیٹھتا تھا۔ اور نہ ہی اس سے تار محفوظ رہ سکتے تھے۔ زریاب نے عقاب کے پنجوں کے ناخن کو بطور مضراب استعمال کیا جو نہایت مفید ثابت ہوا۔

عوایدِ رسمیہ (Etiquette) میں اس کی مندرجہ ذیل اختراعات قابلِ ستائش ہیں:۔

۱۔ اُس نے سب سے پہلے شیشے کے برتن استعمال کئے۔

۲۔ ٹیڑھی مانگ نکالنے کا طریقہ جاری کیا۔

۳۔ کپڑوں سے غلاظت اور عفونت کو دُور کرنے کے لئے دھوون سوڈا (Washing Soda) استعمال کیا۔

---

[۱] المقری، ج ۴، ص ۱۲۱ [۲] طبی لحاظ سے خلط (آمیزش) چار ہیں۔

(۱) خون (Blood) (۲) صفرا: (Bile) (۳) بلغم (Phlegm)

اور (۴) سوداء (Melancholy)

Marfat.com

—

۴۔ بہت سے کھانے اور مٹھائیاں زریاب کی طرف منسوب ہیں مثلاً: نقایا، تقلیہ، اور زولابیہ جوکہ زریابیہ کی بگڑی ہوئی صورت ہے اور آج کل "جلیبی" کے نام سے یاد کی جاتی ہے۔

۵۔ مختلف موسموں میں مختلف کپڑوں کا رواج ڈالا۔ مثلاً گرمیوں میں سفید کپڑوں کا استعمال اور سردیوں میں سیاہ رنگ کے ملبوسات کا استعمال، کیونکہ سیاہ کپڑا اچھا جاذبِ حرارت ہوتا ہے۔

اس کی وفات کے متعلق کچھ بھی وثوق سے نہیں کہا جا سکتا اغلب ہے کہ اس نے ۲۳۸ھ کے لگ بھگ وفات پائی ہوگی۔

جو شہرت اور ناموری اس فن کار کو حاصل ہوئی ہے، وہ اس بات کی متقاضی تھی کہ اس کے حجری اور نحاسی مجسمے Marble and (Copper Statue) تیار کروائے جاتے لیکن اسلام نے شخصیت پرستی کی اجازت نہیں دی۔ مشہور مصنف ایس۔ پی سکاٹ لکھتا ہے:۔

"اس کے فضل و کمال کا اعتراف ہر کہ و مہ کو تھا۔ اس کا اندازِ گفتگو اس قدر لبھانے والا تھا کہ امیر اس کی صحبت میں لطف اٹھاتے۔ زریاب نے اکل و شرب، تراش و خراش اور قطع و برید کے ایسے عجیب و غریب طریقے وضع کیے کہ تمام یورپ پہ اُن کا اثر پڑا۔

ٹیڑھی مانگ نکالنا، ننگے سر چلنا، چھری کانٹے کے ساتھ کھانا، کھانوں کا تنوع اور ملبوسات کا اختلاف۔ اور اس قسم کی کئی نئی چیزیں اس کے دماغ کی اختراع ہیں اور موجودہ

Marfat.com

یورپ کا متحیر ساز طریقِ بود و ماند اُسی سے ماخوذ ہے بربط میں اُسی کے جوہرِ ذاتی نے پانچواں تار بڑھایا۔ خواتینِ حرم سرا کے لیے خوشبویات، عطریات اور عرقیات ایجاد کئے۔ امراء کی ضیافتوں میں مکلف اور لذیذ کھانوں کا اضافہ کیا۔

زریاب کی بدیہہ گوئی اور ظرافت بھی قابلِ ستائش تھی۔ اُن کے لطائف اور چٹکلے اب تک ضرب الامثال کے طور پہ متداول ہیں۔ اُس کا ذہنِ رسا فکر و غور کا محتاج نہ ہوتا تھا۔ از روئے دینِ اسلام شجاع و بزرگ پرستی قطعاً ممنوع ہے لیکن تقاضائے انسانیت نے زریاب کے نام کو حیاتِ ابدی عطا کر دی ہے۔ کسی اور قوم میں اگر زریاب جیسا شخص ہوتا تو ایک مفید رسم کی پابندی میں جذباتِ شکرگزاری و محبت ان کے سنگی و برنجی بت ترشوا اور بنوا کر رہتی اور اُن کو زمین و آسمان کے مرئی و غیر مرئی مقامات میں جگہ ملتی[1]۔

۷۔ فلسفہ اور مابعد الطبیعات

فلسفہ:۔

یورپ میں دورِ جدید کا آغاز نشاۃِ ثانیہ (Renaissance)

---

[1] اخبار الاندلس، ص ۵۰۳، ج ۱

سے ہوتا ہے۔ جو پندرھویں اور سولھویں صدی عیسوی میں اقصائے ممالک میں پھیلی۔ اس وقت تک مسیحی دنیا میں کوئی ایسا فنکار اور صناع پیدا نہیں ہوا جس کا نام قابلِ ذکر ہو اور صدیوں تک کوئی ایسی تحقیق نہیں ہو سکی جو قابلِ بیان ہو۔ موجودہ نسل کے لئے جو نئی ایجادات اور اختراعات کے سننے کی عادی ہو چکی ہے، یہ خیال یقیناً اچھوتا ہوگا۔

کلیساء کے دورِ اقتدار میں کسی ایسے آدمی کی تلاش جس نے غور و فکر کی راہیں کھولی ہوں یا انتقاد و استدلال کا کوئی معیار قائم کیا ہو، بے سود ہے۔ اس زمانے میں پڑھنا لکھنا، مظاہرِ فطرت پر غور کرنا اور ابدی حقیقت کی تلاش کرنا بہت بڑا گناہ سمجھا جاتا تھا۔ اگر کبھی کسی نے عام ڈگر سے ہٹ کر، واقعات کے تجزیہ کی کوشش کی بھی، تو کلیساء نے اسے ایسا دبوچا کہ اس کی ہڈیاں چٹخنے لگیں۔ ڈی ڈومنیس[1] DE DOMINIS نے جب یہ انکشاف کیا کہ قوسِ قزح بارش کے قطرات میں شعاعِ آفتاب کے انعکاس کا نام ہے، تو پادریوں نے اسے کال کوٹھڑی میں ڈال دیا جہاں وہ ناقص غذا، غلیظ ماحول اور روشنی اور ہوا کے نہ ہونے کے سبب جلد ہی چل بسا۔ برونو I—BRUNO کو ۱۶۰۰ء میں اس لئے آگ میں ڈالا گیا کہ اس نے اس دنیا کو عالمِ اسباب سمجھا تھا اور اشیاء کی ماہیت کو جاننے کے لئے اسباب و علل کی کڑیاں ملانے کی جسارت کی تھی۔

۱۷۲۱ء میں جب میری مونٹا نے چیچک کے ٹیکے کو یورپ میں

---

[1] ولیم ڈریپر، ص ۳۱۹

رائج کرنا چاہا تو کیتھولک پادری بوکھلا اُٹھے اور ٹیکے کے استعمال کے خلاف اپنا پورا زور صرف کر دیا۔ ان کے نزدیک بیماری اللہ تعالیٰ کا عذاب تھا اور اس کا علاج کرنا گناہ تھا۔ امریکہ میں جب کسی بچے کی پیدائش کے وقت عورت کے آپریشن کے لیے مخدرات کا استعمال تجویز ہوا تو مذہب کے ٹھیکیداروں نے وہ طوفانِ بدتمیزی کھڑا کیا کہ الامان! وہ سمجھتے تھے کہ دردِ زہ عورت پہ اللہ تعالیٰ کی پھٹکار ہے اور اُسے مخدرات کے ذریعے آرام پہنچانا اللہ تعالےٰ کی منشاء کے خلاف ہے۔ کوپرنیکس کو جن جاں گسل مصائب سے گزرنا پڑا، وہ ایک افسوسناک کہانی ہے گلیلو کو مقدس عدالت HOLY INQUISITION کے سامنے لایا گیا اور اُسے اپنے گناہوں سے توبہ کرنے کے لیے کہا گیا۔ وہ گناہ کیا تھا؟ عقل کو ان بیڑیوں سے آزاد کرنا تھا جو کلیساء نے اپنے تعصب اور بے بصری کے سبب اسے پہنا رکھی تھیں۔ سوچ بچار کی نئی راہیں متعین کرنا تھا اور تدبر و تفکر کے نئے اسلوب قائم کرنا تھا۔ اس کا یہ انکشاف کہ "زمین سورج کے گرد گھومتی ہے" اسے لے ڈوبا۔ وہ دس برس تک جیل کی صعوبتیں برداشت[1] کرتا رہا اور جب مرا تو اسے اپنے آبائی قبرستان میں دو گز زمین بھی دفن کے لیے میسر نہ آئی۔ کارکنانِ قضاء و قدر کا یہی فیصلہ تھا۔

پادریوں کی تنگ نظری، بے حسی اور ہٹ دھرمی کا جلنا

[1] ولیم ڈریپر، ص ۱۷۲ - ۱۷۱

Marfat.com

بھی ماتم کیا جائے کم ہے۔ بریفالٹ نے "جبر و تشدد" پر ان کے صبر "، "قتل و غارت" پر ان کی "قناعت" اور "علم و فن" سے ان کے "اعراض" کا جی بھر کر ماتم کیا ہے۔ وہ ایک مقام پر لکھتے ہیں، پادری جب کبھی جبر و تشدد کے واقعات کو سنتے تو ان سے چشم پوشی کرنے بلکہ انہیں کم کر کے بیان کرتے۔ کیا کوئی قتل عام ہوا ہے؟ تو پھر کیا ہوا۔ انسانوں کو جلد یا بدیر آخر مرنا ہی ہے۔ "جب الارک نے روما کو تاخت تاراج کیا، لوٹا، جلایا اور عورتوں کو بے حرمت کیا تو سینٹ آگسٹائن اس مسئلے پر مقالہ مرتب کر رہے تھے کہ جن کنواریوں کی عصمت دری کی گئی ہے آیا انہیں اگلے جہان میں "تاجِ دوشیزگی" کا مستحق قرار دیا جائے یا نہیں"[1]

؎ بریں عقل و دانش بباید گریست

یہ فضا اتنی مسموم تھی کہ کسی کلی کا کھلنا ہی مشکل تھا۔ یورپ کے پاس سائنس تھی نہ سائنسی ذوق۔ اس کے برعکس اسلام میں علوم و فنون کے اکتساب پر جو زور دیا گیا، اس سے کون کافر انکار کر سکتا ہے۔ حضرت مسیحؑ نے اپنے حواریوں کو یہ بتایا تھا کہ میرے بعد جو "روحِ حق" علیہ التسلیمات آنے والے ہیں وہ تمہیں سچائی (علم و عرفان) کی تمام راہیں بتا دیں گے۔"

یورپ کے علماء زمین کو نظامِ شمسی کا مرکز مانتے ہوئے تھے جس کے گرد سورج چوبیس گھنٹوں میں ایک چکر پورا کرتا ہے۔

---

[1] رابرٹ بریفالٹ، ص ۲۴۵-۲۴۴

بطلیموس بھی، جو ایک یونانی طبیب اور مفکر ہو گزرا ہے، اسی قسم کے عقاید کا حامل نظر آتا ہے۔ فیثا غورث نے اپنی تحقیقات سے ثابت کیا کہ ہمارے نظامِ شمسی کا دارومدار سورج پر ہے۔ لیکن کتنے تھے جو اس پر ایمان لے آئے۔ کاپرنیکس (Copernicus) المتوفی ۱۵۴۳ء مسیحی دنیا میں پہلی شخصیت ہے جس نے نظامِ شمسی (Solar System) کا مطالعہ کیا اور اپنے مشاہدات و تجربات کو (Revolutions of the Heavenly Bodies) میں قلمبند کیا۔ ولیم سیلنگ (W. Selling) جو کینٹربری کے ایک مدرسہ کا معلّم تھا۔ پہلا انگریز ہے، جو انگلستان میں یونانی کتب لایا اور ان سے استفادہ کیا۔

یورپ میں جو روشنی پندرھویں اور سولھویں صدی عیسوی میں پھیلی وہ بغداد، دمشق، مراکش اور قرطبہ کے دارالسلطنتوں میں پانچ سو سال قبل ظاہر ہو چکی تھی۔ اور دورِ مظلمہ کو ختم کر کے دورِ جدید کا آغاز کر چکی تھی۔

انتقاد و استدلال کے میدان میں نئے برگ و بار پیدا کرنے والوں میں شارح ارسطو ابنِ رشد، فیلسوفِ زماں ابنِ باجہ اور ماہرِ فلکیات ابنِ میمون شامل ہیں۔ اگر یہاں سلیمان بن جبرائیل (Solomon-ben Gabirol) اور ابنِ طفیل کے ناموں کا اضافہ نہ کیا جائے تو ہماری فہرست یقیناً ادھوری رہ جائے گی یہ وہی دانائے روزگار ہیں، جنہوں نے غور و فکر کی نئی راہیں کھولیں اور فلسفیانہ تصورات کی اشاعت سے "عقائد" اور "استدلال" کے

Marfat.com

درمیان ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوشش کی۔

مشاہیر فلسفہ:۔

(۱) **ابنِ رُشد** (Ayerroes) ۱۱۲۶ء میں بمقام قرطبہ پیدا ہوا۔ وہ ایک ایسے خاندان کا چشم و چراغ تھا جس کے شیخ و شاب اپنے علمی کمالات کے سبب ہمیشہ ہی عزد وقار کی نگاہ سے دیکھے جاتے رہے ہیں۔ ۱۱۶۹ء میں وہ خود بھی اشبیلیہ کا قاضی تھا۔ لیکن اسی سال ابو یعقوب یوسف (۱۱۶۳ء تا ۱۱۸۴ء) نے اُسے مراکش بلا بھیجا، جہاں وہ ابنِ طفیل کی جگہ درباری طبیب مقرر ہوا۔ وہ فلکیات کا ماہر، طبیب اور ارسطو کا شارح اور مفسّر تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ مغربی دُنیا ابنِ رُشد کو بھول سکتی ہے "الکلیات فی الطب" کے مصنف کو بھُول سکتی ہے۔ "شرح" و "تلخیص" کے مدوّن کو بھُول سکتی ہے۔ لیکن اگر وہ نہیں بھول سکتی تو "شارحِ ارسطو" کو نہیں بھُول سکتی فیلسوفانِ مغرب کا یہ عقیدہ رہا ہے کہ "ارسطو ترجمانِ حقیقت ہے اور ابنِ رُشد ترجمانِ ارسطو" طب پر اُس کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ اس نے وہ معرکۃ الآرا کتاب لکھی جس میں اس بات کو تسلیم کر لیا گیا کہ کوئی شخص دو مرتبہ چیچک میں مبتلا نہیں ہوتا۔ یورپ کے نزدیک ارسطو "معلم" تھا اور ابنِ رُشد "شارح"۔ ازمنہ وسطیٰ میں یورپ کے علماء کسی اور مصنف سے اتنے متاثر نہیں ہوئے جتنے ابنِ رُشد کے "ارسطو" سے۔

ابنِ رُشد کو بعض کم فہم لوگوں نے ملحد اور کافر ثابت کرنے کی

Marfat.com

کوشش کی ہے۔ غالباً اسی لئے المنصور (الموحد) نے اُسے درباری طبیب کے عہدۂ جلیلہ سے معزول کر دیا تھا۔ لیکن جب اس پہ حقیقت کا انکشاف ہوا، تو اس نے ابنِ رُشد کو پھر وہی اعزاز بخش دیا۔ وہ درحقیقت نوفلاطونی تصوّرات اور ارسطوی طریقِ استدلال کا علمبردار تھا۔

اُس کی کتاب الکلیّات (Colliget) ایک طویل عرصہ تک زہراوی، رازی اور الشیخ کی تصانیف کی طرح یورپ کی مختلف یونیورسٹیوں میں بطورِ نصاب پڑھائی جاتی رہی ہے۔ اس کی بعض دوسری تصانیف کے نام یہ ہیں۔

(ا) المسائل فی المنطق

(ب) تہافتہ التہافتہ

(ج) فلسفۂ ارسطو

(د) بدایۃ المجتہد و نہایۃ المقتصد

(ر) فصل المقال فیما بین الشریعۃ والحکمۃ من الاتصال

(ف) تلخیص کتب ارسطو الاربعۃ۔

(۲) ابنِ باجہ

ابو نصر فارابی اور ابنِ رُشد کے بعد سب سے بڑی شخصیت ابنِ باجہ (Avenpace) کی ہے، جو بارھویں صدی عیسوی کا سب سے بڑا فلسفی، طبیب، موسیقار اور شارحِ ارسطو تھا۔ وہ ماہرِ نجوم بھی تھا، اور اس موضوع پہ اس کی تصنیفات گرانقدر اور پُر از معلومات ہیں۔

Marfat.com

ابنِ باجہ کے فلسفیانہ مقالات جو تدبیر المتوحد کے نام سے یاد کئے جاتے (De Regimine Solitarii) ہیں، ان تبرکات میں سے ہیں جو زمانے کے ہاتھوں بچ گئے ہیں۔

تحقیق و تدقیق کی نئی راہیں اس قدر کشادہ ہو گئیں کہ ابن طفیل جیسے فلاسفر اور افسانہ نگار ان پر بے خطر چل سکے۔ وہ فاس کے مقام پر ۱۱۳۸ء میں فوت ہوا۔ جہاں اسے ابنِ عربی کے پہلو میں دفن کیا گیا۔

(۳) ابنِ طفیل

ابوبکر محمد بن عبدالملک ابن طفیل غرناطہ کا ایک بہت بڑا طبیب تھا جو بعد میں ابو یعقوب یوسف کا وزیر اور شاہی طبیب مقرر ہوا۔ مواحدین کے مراکشی دربار کی عظمت کو دوبالا کرنے اور چار چاند لگانے میں جو خدمات ابنِ رشد اور ابن طفیل نے سرانجام دی ہیں۔ وہ آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔

اس کا طبع زاد افسانہ "حی ابن یقظان" ہے جو بارھویں صدی عیسوی کے ادب میں منفرد حیثیت رکھتا ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ "Robinson Crusoe" کی کہانی اسی رومان سے ماخوذ ہے۔ سائمن آکلے (Simon Ockley) نے اس کا انگریزی ترجمہ ۱۷۰۸ء میں پیش کیا۔ اس کا روسی ترجمہ ۱۹۲۰ء میں اور ہسپانوی ترجمہ ۱۹۳۴ء میں چھپ کر شائع ہوا۔

اس کتاب کی تلخیص ڈاکٹر ڈنکن۔ بی۔ میکڈانلڈ نے اپنی کتاب Muslim Theology میں پیش کی ہے۔ اس کا بنیادی تصور

Marfat.com

یہ ہے کہ انسان کسی خارجی مدد (وحی و الہام) کے بغیر بھی دُنیائے اعلیٰ کے اسرار سے واقف ہو سکتا ہے۔

وہ مراکش میں ۱۱۸۵ء میں فوت ہوا۔

(۴) ابن میمون

ابنِ رُشد کے بعد، اولیت کا تاج ابنِ میمون کے سر رکھا جائے یا ابنِ باجہ کے سر؟ ایک متنازعہ فیہ امر ہے۔ پروفیسر ہٹی کا خیال ہے کہ "ابنِ رُشد کے بعد اُس زمانہ کے فلسفیوں میں اوّلین حیثیت اُس کے یہودی معاصر ابوعمران موسیٰ ابن میمون کو حاصل ہے جو عربی دَور کے عبرانی طبیبوں اور فلسفیوں میں سب سے زیادہ مشہور تھا[۱]"

ابنِ میموں ۱۱۳۵ء میں قرطبہ میں پیدا ہوا۔ موحدین کے مظالم کے سبب اُس کے خاندان کو جلد ہی قاہرہ میں منتقل ہونا پڑا۔ القفطی اور ابن ابی اُصیبعہ کا خیال کہ اُس نے اندلس میں بظاہر اسلام قبول کر لیا تھا، لیکن دل سے وہ یہودی مذہب پہ ہی کاربند رہا۔ سخت نکتہ چینی کا نشانہ بن گیا ہے[۲]۔

قاہرہ میں وہ صلاح الدین ایوبیؒ اور ان کے لڑکے الملکُ العزیز کا درباری حکیم مقرر ہوا۔ یہودیوں کے درمیان وہ جس عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، اس کا اندازہ اس کے اس قول سے لگایا جا سکتا ہے کہ "موسیٰؑ سے موسیٰ تک مُوسیٰ ابنِ میمون جیسا کوئی نہیں گذرا[۳]" اب بھی مریض اور لاچار لوگ قاہرہ جاکر اُس کے ہیکل میں

---

[۱] پروفیسر ہٹی، عربوں کی تاریخ، ص ۸۴۰ [۲] پروفیسر ہٹی، عربوں کی تاریخ، ص ۵۸۴

[۳] پروفیسر ہٹی "

Marfat.com

زیرِ زمین ایوان کے اندر رات بسر کرتے ہیں اور شفا پاتے ہیں۔

طب میں اُس کی تصنیف "الفصول فی الطب" بڑی ہر دلعزیز کتاب ہے۔ اس نے ختنے (Circumcision) کے طریقے کو بہتر بنایا۔ سیلانِ خون (Hemorrhoids) کو قبض سے منسوب کرتے ہوئے اُن کے لئے ہلکی اور زود ہضم غذا تجویز کی، جو زیادہ تر سبزیوں پر مشتمل ہو۔ "دلالۃُ الحائرین" اس کی وہ بے نظیر کتاب ہے جس میں اس نے یہودی مذہب اور اسلامی ارسطویت میں توافق پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ قدامت پسند لوگوں نے اُس کا نام "ضلالہ" رکھ دیا۔ وہ خود یونانی زبان سے واقف نہ تھا۔ بلکہ عربی ترجموں پر ہی انحصار کرتا تھا۔

وہ ۱۲۰۴ء میں قاہرہ میں فوت ہوا۔

مابعد الطبیعات:۔

تصوّف کی ابتداء اور ارتقاء کے متعلق ہم اس سے پہلے بہت کچھ لکھ چکے ہیں۔ اس کے لئے میری دوسری تصنیف "تاریخ مذاہبِ عرب" ملاحظہ ہو۔ یہاں ہمیں اُس فردِ فرید کو متعارف کرانا مقصود ہے، جسے اسلامی تصوف "شیخ الاکبر" کے نام سے یاد کرتا ہے۔

شیخ الاکبر محی الدین، ابن العربی[1] ۲۹ ر جولائی ۱۱۶۵ء کو بمقام

---

[1] مغرب میں تو آپ "ابن العربی" کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں لیکن مشرق میں "ابنِ عربی" کے نام سے غالباً "ال" کو اس لئے گرا دیا گیا ہے کہ آپ کو اشبیلیہ کے قاضی ابوبکر ابن العربی سے ممیّز کیا جا سکے۔

Marfat.com

مرسیہ[1] پیدا ہوئے۔ ۱۱۷۳ء سے لے کر ۱۲۰۲ء تک آپ اشبیلیہ میں ہی ٹھہرے رہے۔ ۱۲۰۲ء میں آپ نے مشرقِ وسطیٰ کا سفر اختیار کیا۔ زیارت کعبۃ اللہ کے بعد آپ دمشق تشریف لائے۔ اور پھر ہمیشہ کے لئے یہیں کے ہو رہے۔ آپ کی وفات ۱۲۴۰ء میں واقع ہوئی۔

افسوس ہے کہ آپ کی ابتدائی زندگی کے متعلق بہت کم معلومات حاصل ہوسکی ہیں جو انتہائی غور و فکر اور ریاضت جسمانی میں گزری۔ آپ وہ یکتائے زمانہ ہیں جن کے ذکر کو مداومت اور علم کو استقامت حاصل ہے۔ دوسرے حکماء اور صوفیاء کی طرح آپ بھی اشراقی نظامِ فکر (Illuministic) اور مسئلہ وحدت الوجود (Pantheistic School of THOUGHT) کے داعی ہیں۔

ہوسکتا ہے کہ آپ نے السُّہروردی (المتوفی ۱۱۹۱ء) کے افادات سے استفادہ کیا ہو، جو ایرانی النسل ہونے کے سبب عجمی تصورات کا حامل تھا اور جس کی تعلیمات مانوی (Manichaen) اور زرتشتی[2] (Znroastrian) مذہب کا پرتوِ خیال تھیں۔ اُس کی کتاب "حکمت الاشراق" اسی نظامِ فکر کا بہت بڑا دبستان ہے۔ ڈلنس، سکاٹس، راجر بیکن اور ریمانڈ لل مسیحی راہبانہ نظام کے وہ افراد ہیں جن کے ہاں اشراقی فلسفہ کے اثرات کا کھوج لگانا مشکل نہیں۔

---

[1] مرسیہ دریائے شقورہ پر ساحلِ بحرِ متوسط سے مغرب کی سمت میں ۴۵ میل کے فاصلہ پر ہے، اہلِ عرب اس کو تُستان کہتے تھے ہسپانوی زبان میں اس کو Huerta کہتے ہیں جس کے معنی باغ کے ہیں۔ (اندلس کا تاریخی جغرافیہ، عنایت اللہ، ص ۴۷۲)

[2] تفصیلات کے لئے دیکھو "فلسفہ عجم"، از علامہ محمد اقبالؒ، ص ۲۲-۳۴

Marfat.com

شیخ نے کوئی اڑھائی سو کتب تصنیف کی ہیں، لیکن ان میں سے "فتوحاتِ المکیہ" اور "فصوص الحکم" بہت اہمیت رکھتی ہیں فتوحات پانچ سو ساٹھ ابواب پر مشتمل ہے۔ اور صوفیانہ تعلیمات کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کئے ہے۔ فصوص صرف ستائیس ابواب پر تقسیم کی گئی ہے۔

مصنف کا کہنا ہے کہ "فصوص" مجھے نبی اکرمؐ نے عطا کی تھی. اور انہی کے حکم کی تعمیل میں یہ لوگوں کے استفادہ کے لئے ضبطِ تحریر میں لائی گئی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:۔

فانی رأیتُ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم فی مبشرۃ اریتھا فی العشر الاخیر من محرّم سنۃ سبع وعشرین وستمائۃ بمحروسۃ دمشق وبیدہٖ کتابٌ فقال لی ھذا کتاب "فصوص الحکم" خذہُ و اُخرج بہٖ الی النّاس ینتفعون بہٖ.

(شرح فصوص الحکم، بالی آفندی ص۴)

یہ ۶۲۷ھ کا واقعہ ہے کہ میں دمشق میں مقیم تھا، محرم کے آخری عشرہ میں نبی اکرمؐ کی زیارت نصیب ہوئی۔ آپ کے دستِ مبارک میں ایک کتاب تھی. فرمانے لگے: یہ کتاب فصوص الحکم ہے، اسے لے لو اور لوگوں کے لئے شائع کردو: تاکہ وہ اس سے فائدہ حاصل کرسکیں۔

اسی قسم کی ایک روایت "فتوحاتِ المکینہ" کے متعلق بھی مذکور ہے۔[1]

پروفیسر ہٹی نے شیخ کی ایک غیر مطبوعہ کتاب کی اطلاع دی ہے جس کا نام "الاسراء الی مقام الاسراء" بتایا ہے۔ پروفیسر صاحب نے یہ بھی بتایا ہے کہ اس کتاب میں شیخ موصوف نے "معراجِ رسولؐ

---

[1] ڈاکٹر نکلسن، لٹریری ہسٹری آف دی عربس، ص ۴۰۰ (ابن العربی، مصنفہ الحسینی، ص ۱۵)

Marfat.com

کے واقعہ کو افسانوی رنگ میں بیان کر کے ڈینٹے (Dante)[1] کی "ڈوائن کامیڈی" (Divine Comedy) کے لئے راہ کھول دی ہے۔[2]

یہاں یہ موقع نہیں کہ ہم شیخ کے پیچیدہ عقائد، صوفیانہ نکات اور فلسفیانہ تصورات کو تفصیل کے ساتھ بیان کر سکیں۔ شیخ کی تحریروں میں بعض پیچیدگیاں موجود ہیں۔ کہ اگر ان کا حل نہ کیا جائے تو ایک آدمی کے لئے بھٹک جانے کا ڈر ہے۔ لیکن ایسی معضلات اور غوامض کا حل ایک ایسے شخص ہی سے ممکن ہے جو سلوک کی منزلیں طے کر چکا ہو، صاحبِ مکاشفہ ہو اور صاحبِ قال ہونے کے علاوہ صاحبِ حال بھی ہو۔ ورنہ شیخ کے ناپیدا کنار سمندرِ علم میں غوطہ زنی کی جرأت وہ کیونکر کر سکتا ہے جو ابھی ساحلِ علم پر سیپیوں سے کھیل رہا ہو۔

۱۔ ڈینٹے، اطالیہ کا سب سے بڑا شاعر ۱۲۶۵ء میں فلارنس کے مقام پر پیدا ہوا۔ اس کی شاعری ازمنہ وسطی اور نشاۃ ثانیہ کی درمیانی کڑی ہے۔ وہ راجو بیکن اور سینٹ تھامس کا معصر تھا۔ ڈینٹے ابھی چھوٹا ہی تھا جب وہ ایک حسینہ "بیٹرس" کے تیرِ نظر کا گھائل ہو گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد محبوبہ کی جوانمرگی نے ڈینٹے کے قلب و ذہن پر بہت گہرا اثر کیا۔ چنانچہ اس نے اپنی محبت کی یادگار میں ایک طویل نظم (ڈوائن کامیڈی) لکھ دی۔ یہ نظم ایک خواب کی تفصیل ہے جو مرنے کے بعد روح پر طاری ہوتا ہے۔ یہ شاعر کی قوتِ مشاہدہ، اسلوبِ بیان اور فنی کمالات پر شاہد ہے۔ شاعر نے جنت اور دوزخ کی سیر تخیل کے پردوں سے کی ہے اور اپنے مشاہدات کو حسین الفاظ کے سانچے میں ڈھالا ہے۔

۲۔ پروفیسر ہٹی۔ عربوں کی تاریخ، ص ۵۸۶۔

Marfat.com

شیخ کے عقائد:۔ (ظاہر بین کی نظر میں)

۱۔ وہ حلول و اتحاد کے قائل ہیں[1]

۲۔ وہ ماسوی اللہ[2] کی تلقین کرتے ہیں۔ جس سے شرائع کا ابطال لازم آتا ہے۔ کیونکہ سب احکام فرع وجود ہی کے ہیں۔ جب وجود ہی نہیں تو احکام کہاں۔

---

[1] حلول کے معنی ہیں "The incarnation of God in man."

اور اتحاد کے معنی ہیں "The Identification of man with God"

لیکن شیخ کی طرف اس عقیدے کا انتساب ایک بہتان ہے۔ فتوحات میں ایک مقام پہ فرماتے ہیں: "القدیم لا یکون قط محلاً للحوادث ولا یکون حالاً فی المحدث (وہ قدیم ہے۔ نہ اس میں کوئی چیز حلول کر سکتی ہے اور نہ ہی وہ کسی شے میں حلول کر سکتا ہے) دوسرا یہ کہ شیخ اللہ تعالیٰ کے متعلق مستوی علی العرش" کے قائل ہیں۔ اس صورت میں غیر مستوی کا مستوی علی العرش کے ساتھ اتحاد کیونکر ممکن ہو سکتا ہے؟

صوفیاء کے درمیان اتحاد Identification کی کھلی مثال بایزید کے ہاں ملتی ہے جب "فنا فی اللہ" کے مقام پر پہنچ کر آپ نے "انی انا اللہ" (میں خدا ہوں) کہہ دیا تھا۔ (ملاحظہ ہو "The Metaphysics of Rumi" مضمون زیر عنوان "Sufi Pantheism" ص ۴۳، مصنفہ خلیفہ عبدالحکیم)۔

[2] اگر شیخ کی یہ مراد ہے کہ بجز حق تعالیٰ کوئی چیز موجود بالذات نہیں تو درست ہے لیکن وہ خود عالم فساد کے وجود کے قائل ہیں۔ ایک جگہ پہ فرماتے ہیں: کلُّ موجودٍ مُفتقرٌ الیہ فی وجودہ۔ فالعالم کلہ موجودٌ بہ وھو تعالیٰ موجودٌ بنفسہ (تمام موجودات اپنے وجود میں اسی کے محتاج ہیں۔ اس طرح تمام عالم اسی کے واسطے سے موجود ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ بذاتہٖ موجود ہیں) صوفیاء کے نزدیک یہ امر مسلمہ ہے کہ جب سالک پر مقام کا غلبہ ہوتا ہے تو وہ تمام "ماسوی اللہ" کو باطل دیکھتا ہے۔

Marfat.com

۳۔ نبوت عامہ انقطاعِ نبوت تامہ کے بعد اب بھی جاری ہے۔[1]

۴۔ فرعون طاہر اور مطہر مرا۔[2]

۵۔ شیخ وحدت الوجود کے بھی قائل ہیں۔[3]

---

[1] "نبوت عامہ" کی اصطلاح شیخ نے ہی وضع کی ہے جس سے اُن کی مراد اجتہادِ علماء ہے جو "ورثۃ الانبیاء" ہیں۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ (شرح فصوص الحکم، بالی، ص ۲۴۵)

[2] : شیخ فصوص الحکم کی "فص حکمۃ علویۃ فی کلمۃ موسویۃ" میں فرماتے ہیں: فقبضہ اللہ طاہراً مطہراً۔ لیس فیہ شیئ من الخبث۔ لانہ قبضہ اللہ عند ایمانہ۔ (اللہ تعالے نے اس کی جان اس حالت میں قبض کی کہ وہ پاک اور صاف ہو کر دوسری دنیا کو سدھارا۔ اب اس میں کوئی پلیدی (شرک) باقی نہیں رہی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی رُوح قبولِ ایمان کے بعد قبض کی ہے) حالتِ یأس میں قبولِ ایمان کیونکر مقبول ہو سکتا ہے۔ فرقانِ حمید کی یہ عبارت: الآن، وقد عصیت من قبل وکنت من المفسدین اس بات پر شاہد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی شقاوت کو سعادت سے نہیں بدلا۔ سمجھ میں نہیں آسکا کہ شیخ نے فرعون کی شہادتِ خالصہ کو کس طرح قبول کر لیا ہے۔ حالانکہ جمہور علماء کا مسلک اس سے مختلف ہے بلکہ وہ خود فتوحات کے باب باسٹھ میں فرماتے ہیں۔ فرعون ونمرود موئیدان فی النار (فرعون اور نمرود کبھی بھی آگ سے چھٹکارا حاصل نہ کر سکیں گے۔)

[3] ممکنات کی مختلف النوع صورتوں میں سالک اب بھی وحدت دیکھتا ہے۔" دھاگے میں جو گرہیں لگا دی جاتی ہیں ان کا وجود اگرچہ دھاگے سے متمایز نظر آتا ہے۔ لیکن فی الواقع دھاگے کے سوا گرہ کوئی زاید چیز نہیں۔ صرف صورت بدل گئی ہے۔" مادہ کے یہ مختلف روپ اُسی ایک وجودِ مطلق کے پرتو ہیں جس طرح حباب اور موج پانی کی مختلف صورتیں ہیں۔ اسے صوفیاء "وحدتِ وجود" کہتے ہیں۔ ایک دوسرا نظریہ یہ بھی ہے کہ سایہ کو جو نسبت وجود سے ہے وہی عالم کو خالق سے ہے۔ یہ "وحدتِ شہودی" ہے۔ قدیم وحادث کے لحاظ سے تین صورتیں:۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

اسی قسم کے دوسرے اوہام کو دُور کرنے کے لئے جن اہلِ علم اصحاب نے قلم اُٹھایا ہے۔ اُن میں بعض کے نام درج کئے جاتے ہیں۔

(ا) اگر خدا کو قدیم مان لیا جائے اور عالم کو حادث تو ہمیں جاننا چاہیئے کہ "قدیم حادث کی علت نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ علت اور معلول کا وجود ایک سلسلہ ہوتا ہے۔ اس لئے اگر علت قدیم ہو تو معلول بھی قدیم ہوگا۔

(ب) اگر عالم قدیم ہے اور اس کا کوئی خالق نہیں، تو یہ عقیدہ دہریوں کا ہے۔

(ج) اگر عالم قدیم اور ازلی ہے اور باوجود اس کے خدا کا پیدا کیا ہوا ہے جو بذات خود قدیم ہے تو دو ازلی چیزوں میں سے ایک کو علت اور دوسرے کو معلول کہنا "ترجیح بلا مرجح" ہے۔

حضرات صوفیہ کا مذہب یہ ہے کہ "عالم قدیم ہے لیکن وہ ذاتِ باری سے علیحدہ نہیں، بلکہ ذاتِ باری ہی کے مظاہر کا نام عالم ہے یشیخ وحدتِ وجود کے قائل ہیں۔ اُن کے نزدیک تمام عالم اسی ہستی مطلق کی مختلف شکلیں اور صورتیں ہیں اس بنا پر صرف ایک ذاتِ واحد موجود ہے اور تعدد جو محسوس ہوتا ہے، محض اعتباری ہے۔ عارفِ رومی فرماتے ہیں ؎

گر ہزاراں اند یک کس بیش نیست
جُز خیالاتِ عدد اندیش نیست

اب جو سوال پیدا ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ خالق اور عالم میں کیا نسبت ہوگی؟ عارفِ رومی اس کا جواب یوں دیتے ہیں ؎

آخر ایں جاں، با بدن پیوستہ است
ہیچ ایں جاں با بدن مانستہ است

رائحہ در انف، منطق در لسان
لہو در نفس، و شجاعت در جناں

شادی اندر گردہ، و غم در جگر
عقل چوں شمع، درونِ مغزِ سر

ایں تعلقہا نہ بے کیف است و چوں؟
عقلہا در دانش چوں نے، زبوں

(سوانح مولانا روم "شبلی" بحث وحدت الوجود)

۱۔ مجدالدین، الفیروز آبادی ۔ (المتوفی ۱۴۱۴ھ)
۲۔ مولینا جلال الدین سیوطی۔ (" ۱۴۴۵ء)
۳۔ عبدالوہاب الشعرانی (" ۱۵۶۵ء)

علامہ سیوطی نے ابن العربی کے حق میں دو کتابیں تالیف کیں۔ ایک کا نام ہے "تنبیہ الغبی فی تبرئۃ ابن العربی" دوسری "قمع المعارض فی نصرۃ ابن الفارض" کے نام سے یاد کی جاتی ہے۔

میرے پیشِ نظر کتاب "التنبیہ الطربی" جس میں اس قسم کے بعض مسائل کو "اغتراب و اقتراب" کی صورت میں پیش کیا گیا ہے۔ اغتراب کے تحت اعتراضات ہیں اور اقتراب کے تحت جوابات۔

خیال رہے کہ شیخ الاکبر صوفیاء کے اُس طبقہ کے ساتھ تعلق نہیں رکھتے جو مجذوب کہلاتا ہے، اور تشریعی آیات کی پرواہ نہیں کرتا۔ چنانچہ آپ ایک مقام پر فرماتے ہیں :۔

علیک بعلم الشریعۃ۔	علم شریعت کو اپنے لئے لازم جان۔ کیونکہ شریعت
فانّ الشریعۃ ھی سفینتک	ہی تمہاری وہ کشتی ہے کہ جب اُس میں رخنہ پڑ جائے
التی اذا انخرقت، ھلکت	گا تو وہ ڈوب جائے گی اور ان سب کو لے ڈوبے گی
وھلک جمیع من فیھا۔ وانت	جو اس میں سوار ہیں۔ جان لے کہ تم سے اللہ تعالیٰ
مسئولٌ عن اقامۃ حدود اللہ	کی حدود کو قائم رکھنے کے متعلق سوال کیا جائے گا۔

یہ غذا کس قدر ثقیل ہے۔ عام انسان تو اس کے ہضم کرنے کی طاقت بھی نہیں رکھتا۔ مناسب ہوگا کہ ان متصوّفانہ مسائل کو پھر کسی وقت کے لئے اُٹھا رکھا جائے جب ہمارے معدہ کو قوت اور ہمارے ذہن کو جلاء حاصل ہو جائے۔ عارفِ رومیؒ نے کیا خوب کہا ہے۔

Marfat.com

لقمہ و نکتہ است کامل را حلال
تو نۂ کامل مخور، می باش لال

× × × × × ×

"اندلسی عربوں کے علوم تمام مغربی یورپ میں پھیل چکے تھے۔ اب اندلس اپنا فرض ادا کر چکا تھا!"

پروفیسر ہٹی کے ان الفاظ کے ساتھ ہم اپنی آج کی مجلس ختم کرتے ہیں۔ اگر طوالت کا خوف نہ ہوتا، تو ہم علوم کے دوسرے شعبوں پر بھی سیر حاصل بحث کرتے، اور اپنے قارئین کو بتاتے کہ دانائے افرنگ نے کس طرح ہماری آتشِ علم سے اپنے چراغ کو روشن کیا ہے۔

Marfat.com

Marfat.com

آثار وصنادید اسلامی

- عرب مورخین کے ہاں عوامی زندگی کی عکاسی۔
- اسلامی دور میں صنعت و حرفت۔ پارچہ بافی۔ قالین سازی۔ کاغذ سازی کے علاوہ سامان زیبائش و آرائش اور فنون کاروگری۔

فنون لطیفہ و جمیلہ

- مصوری و فن سنگ تراشی۔ فن تعمیر (مسالہ ستونوں کی ابتداء، آرائشی طاقچے اور قلمی گلکاریاں) اور شاعری۔

عمارات (اندلس میں)

- رصافہ۔ جامع مسجد قرطبہ (ابتدا سے تکمیل تک) مدینۃ الزہراء۔ الحمراء۔

عمارات (سسلی میں)

- مساجد اور قصور و محلات کی تعمیر (قصر سعد۔ قصر جعفر۔ قصر ضیزہ۔ قصر تولع)

Marfat.com

باب ۲۲

کیا بلحاظ ترقی دولت اور کیا بلحاظ ترقی علمی و عملی، وہ عرب ہی تھے جنہوں نے یورپ کو مہذّب بنایا۔ جب ان کی تحقیقاتِ علمی اور اُن کی ایجادوں پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ایسی قلیل مدت میں اُن سے زیادہ کسی قوم نے ترقی نہیں کی۔ اور جب اُن کی صنعت و حرفت پر نگاہ ڈالی جائے تو ان کے صنائع میں ایک ندرت اور جدت ہے جس کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا!

"گستاؤلیبان"

Marfat.com

آثار و صنادید

جہاں شاہانِ اندلس اور تاجدارانِ صقلیہ نے ظلمت و جہالت کو دُور کرنے کے لئے قرطبہ، اشبیلیہ، سلرنو اور نیپلس کی یونیورسٹیاں قائم کیں۔ تمدّنی ترقی اور ثقافتی لطافت پیدا کرنے کے لئے نزہت گاہوں بارہ دریوں اور محل و قصور کی تعمیر کی، وہاں انہوں نے عوام کی خوشحالی میں اضافہ کرنے اور ملک کی دھن دولت کو بڑھانے کے لئے زراعت و فلاحت اور صنعت و حرفت کی طرف بھی پوری توجہ کی۔

عرب وقائع نگار نے جنگوں سے متعلق اخبار و روایات کو تو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے اور بعض جگہ بال کی کھال اُتارنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن دورِ متوسط میں کسی مؤرخ نے عوام کی حالت کے متعلق کچھ بھی تحریر نہیں کیا۔ تاریخ میں جابجا امراء کے آدابِ نشست و برخاست، اُن کے عظیم الشان محلّات، فلک بوس عمارات اور حریر و دیبا کے ملبوسات کا ذکر تو ملتا ہے لیکن مزدور کے مٹی کے گھروندوں، عوام کی بیکسی اور زیر دستوں کی مفلوک الحالی کا جن کی قبائے زندگی میں رنج و الم اور فکر و غم کے ہزاروں پیوند لگے ہیں، کوئی ذکر نہیں ملتا۔ دورِ مظلمہ میں تو مؤرخین نے انہیں بالکل ہی ناقابلِ اعتنا سمجھا ہے۔ لیکن مسلمان مؤرخین اور سیاحین نے اس عہد کے اندلس اور صقلیہ کے عوام پر طائرانہ نگاہ ڈالی ہے۔ اور ان کے معیارِ زندگی، اسبابِ معیشت

Marfat.com

اور صرفِ دولت پر کچھ نہ کچھ ضرور تحریر کیا ہے۔

ابنِ جبیر نے اپنے سفرنامہ میں جہاں امراء کی دیدہ زیب عمارتوں کا ذکر کیا ہے، اُن کی ثروت و وجاہت، تہذیب و تعیش پسندی کے متعلق لکھا ہے۔ وہاں اُس نے عوام کی نفاست، حسنِ معاشرت، اعتدال پسندی اور احسان و مروّت کا بھی ہلکا سا چربہ اُتارا ہے۔ بازار کی معموری، تجارت کی ہماہمی، سامانِ تجارت کی عمدگی اور زرِ مبادلہ کی بلند معیاری کے نقوش ان لوگوں کی تحریروں میں ڈھونڈے سے مل سکتے ہیں۔ مسٹر اسکاٹ عوام کی طرزِ معاشرت کے متعلق لکھتے ہیں۔

"غرباء کے مکانات اچھی وسعت اور آرام کے ہوتے تھے۔ وہ جیسے بھی ہوں، بہر حال لندن اور پیرس کے اُس زمانہ کے غرباء کے مکانوں سے بدرجہا بہتر تھے۔ بلرمو کے سوداگروں کے مکانات ہر طرح محلاتِ شاہی سے بڑھے ہوتے تھے۔

وہاں کے باشندے ساریسنیرس کے رہنے والوں سے کسی طرح ترفّہ و تنعم میں کم نہ تھے، اور ثروت، تہذیب فضول خرچی اور تعیّش میں تو ضرب المثل تھے۔"

ایک اور مؤرخ لکھتا ہے۔

"یہاں کے لوگ اپنے ہمسایوں کے درمیان سامان لباس اور دیگر حالات کے لحاظ سے صفائی و ستھرائی میں مشہور ہیں۔ اور لوگوں میں حسنِ صورت، معاشی اعتدال پسندی، احسان و مروّت اور عمدہ معاشرت کے لحاظ

Marfat.com

سے ممتاز ہیں۔"

اس میں شک نہیں کہ مسلمانانِ اندلس اور صقلیہ کا طرزِ تمدن بھی زندہ دلی مزاح اور ظرافتِ طبع کی ایک تصویر تھا۔ اُن کی صحبتوں میں انتہا درجہ کا لطف دماغی وجسمانی ہوتا تھا۔ خشونت کا وہاں نام نہ تھا۔ نکاتِ علمی کے ساتھ لطائف وظرائف سے محفلیں گرم رہتیں۔

عورتوں کا معیارِ زندگی کس قدر بلند تھا، اُن کا طرزِ بود و باند، وضع و قطع اور لباس کس قدر مثالی تھا۔ ابنِ جبیر کے اس بیان سے بخوبی واضح ہو جائے گا۔

"اس شہر میں مسیحی عورتوں کی وضع بالکل مسلمان خوانین کی سی ہے یعنی وہ بھی نہایت شیریں زبان ہیں۔ چادر اوڑھے ہوئے اور نقاب ڈالے ہوئے رہتی ہیں عید میلاد میں بڑی شان سے نکلتی ہیں۔ سنہرے حریر کے کپڑوں میں ملبوس، عمدہ نرم ونازک اور جواہر ٹکے ہوئے جوتے پہنے چادروں میں سمٹی سمٹائی رہتی ہیں۔ جس پہ زرتار چادریں اور چہروں پہ رنگین نقاب اور پیروں میں سنہرے موزے پہنے رہتی ہیں۔ غرض مسلمان عورتوں کی زیبائش کے تمام سامانوں، زیوروں سے آراستہ، مہندی لگائے کپڑے عطر میں بسائے اس شان سے گرجے کی طرف ایک دن چلتی دکھائی دیں۔"

حقیقت یہ ہے کہ اندلس اور صقلیہ کی یہ مرفہ حالی اور تمدنی چکاچوند اُس زراعت اور تجارت کا نتیجہ تھی جو اس دورِ امن و رافت میں پھیلی

Marfat.com

اور پھولی، شاہانِ ذی حشم قدردان تھے۔ مسالک محفوظ تھے۔ قدرتی ذرائع کی بہتات اور کثرت تھی۔ اور لوگ شوق و ذوق کے مالک تھے۔ اس لیے لازمی تھا کہ یہ جگہیں تجارتی مرکز بن سکتیں۔ جوزف ہل ایک جگہ لکھتا ہے۔

"سنِ عیسوی ۷۵۶ کے وسط میں سے بنو امیہ جو مشرقی خلافت سے محروم کر دیئے گئے تھے۔" اندلس کے حکمران "اور" خلفِ خلفاء" کی حیثیت سے مغرب میں برسرِ اقتدار آئے۔

۔ اُن کا دورِ حکومت جو ۲۸۰ برس تک رہا، اندلس میں عربی تمدن کے زرّیں عہد کی حیثیت رکھتا ہے۔ ملک کا مستقل اقتصادی نظام، جو مصنوعی طریقِ آبپاشی کے نفاذ اور مشرقی اجناس مثلاً چاول، نیشکر، کھجور اور انار کی کاشت کا نتیجہ تھا۔ تجارت کی گہما گہمی جو قرطبہ اور شمالی افریقہ کے درمیان قائم تھی، بلکہ اندرونِ افریقہ اور سوڈان کے علاقوں تک وسیع تھی، ریشم کی صنعت جس کے سبب کم و بیش ۱۳۰۰۰۰ لوگ کام میں لگے تھے، شاعری اور علوم و فنون نے اسپین کے لوگوں کو نہ صرف زندگی کے دھارے کے ساتھ چلنے کے قابل بنایا تھا بلکہ یہ اُن کے دل و دماغ پر چھائے ہوئے تھے[۱]۔"

صقلیہ اُس تجارتی (بحری) شاہراہ پر واقع تھا جو مشرق و مغرب کو آپس میں ملاتی تھی۔ ہندوستان، مصر و شام، شمالی افریقہ، اسپین، صقلیہ

---

[۱] جوزف ہل، عربوں کی تہذیب۔ ص ۱۴۷

Marfat.com

اور اندلس کے درمیان تجارت اُن دنوں خوب تھی۔ ابن جبیر نے اطرابنش (سسلی) کے ساحل سے اندلس، سبتہ اور اسکندریہ کے لیے تین جہاز بریک وقت روانہ ہوتے دیکھے۔ ان سب میں مسلمان تاجر اور حاجی سوار تھے۔ مسٹر اسکاٹ صقلیہ کی مرکزی حیثیت اور تجارتی لحاظ سے اہمیّت کے متعلق لکھتے ہیں:۔

"صقلیہ کے قدرتی ذرائع اور اس کی جائے وقوع اور اُس کے بحرِ شام کے مشرقی و مغربی مقام اتصال پر منڈی ہو جانے سے وہاں کے باشندے ایسے مالامال ہوئے کہ اس کے مساوی رقبہ وحدود کا کوئی ملک بھی ایسا دولتمند نہیں ہوا تھا۔ پلرمو اور سیراکیوز کے بندروں پر جہازوں کا ہجوم ہمیشہ لگا رہتا تھا۔ صقلیہ کے تجارتی جہاز تمام یورپ کے بندروں پر نظر آتے تھے۔"

ایک اور مقام پر صقلیہ اور اندلس کی باہمی تجارت کا ذکر کرتے ہوئے مسٹر اسکاٹ لکھتے ہیں:۔

"ان ممالک کی پیداوار اور مالِ تجارت صقلیہ کے تاجروں کے ہاتھ آتے تھے۔ ان چیزوں کے مقابلہ میں یہ سوداگر یہاں سے روئی، سن، انگور، نارنگی، شکر، شراب، پیتل، تانبا، سیسہ، لوہا، پارہ، کانی نمک، نمک، نوشادر، نوتیا، چوپائے، گھوڑے اور ایک قسم کی مچھلی جس سے ارغوانی رنگ نکالا جاتا تھا۔ ان ممالک میں لے

Marfat.com

جاتے تھے"۔

تجارت کی اس فراوانی سے ان ممالک میں بسنے والوں کے معیارِ زندگی، محسوسات اور مقامی ضروریات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اب ہم ان مصنوعات کا ذکر کریں گے جو اندلس اور جزائرِ سسلی میں تیار ہوتی تھیں اور جنہیں عرب جہاز ران اپنے جہازوں میں لاد کر دُور دراز علاقوں میں پہنچا دیتے تھے۔

۱۔ پارچہ بافی ___ (سُوتی و ریشمی)

صقلیہ اور اندلس کے تمام مرکزی شہروں میں ریشم کے کیڑے پالے جاتے تھے۔ جن سے عمدہ، پائدار اور نفیس قسم کا ریشم تیار ہوتا تھا۔ ریشمی کپڑوں کی پرورش کہیں تو شہتوت کے پتوں پر کی جاتی تھی اور کہیں انجیر کے پتوں پر۔ یہاں کے کپڑے نہایت باریک، نفیس اور عمدہ ہوتے۔ ان میں اعلیٰ قسم کے پھُول کاڑھے جاتے۔ کیڑوں کے پالنے کے لئے جیان، المریہ، غرناطہ، مرسیہ، بیلنز اور بلرم کے شہر اہمیت رکھتے ہیں۔ جیان میں اس قدر ریشم تیار ہوتا تھا کہ یہ شہر جیان الحریہ (ریشم کا جیان) کے نام سے پکارا جانے لگا۔ مسٹر اسکاٹ کا خیال ہے کہ کیڑوں کی پرورش کا کام سب سے پہلے صقلیہ میں شروع ہوا اور بعد میں اندلس میں۔

ابنِ حوقل جسے مختلف ممالک کی تہذیب و تمدن دیکھنے کا موقع ملا ہے، کہتا ہے:۔

"کہ میں نے اقطارِ عالم میں اس کپڑے کی مانند کوئی

Marfat.com

دوسرا کپڑا نہیں دیکھا اور نہ ہی ایسے کاریگر روئے زمین پر کہیں دیکھنے میں آئے ہیں۔

کپڑے کی نفاست، رنگوں کی پختگی اور بناوٹ کی عمدگی کے متعلق مسٹر اسکاٹ رقمطراز ہیں:۔

"کپڑا بننے میں مسلمانان[1] اندلس اور مسلمانان[2] صقلیہ کو وہ کمال حاصل تھا کہ اُن کی کوئی ہم عصر قوم اُن کی ہمسری نہ کرسکتی تھی۔ اِن دونوں ملکوں میں گیارھویں صدی کے بعد عام طور پہ لوگ ریشمی کپڑا پہنتے تھے۔ حالانکہ اس زمانہ تک یورپ کے دوسرے ملکوں میں یہ بیش قیمت ہی سمجھا جاتا تھا۔ زمانہ حال کی سائنس باوجود اس قدر ترقی کے ایسا مضبوط، نرم اور خوبصورت کپڑا نہیں بنا سکی۔ نہ معلوم وہ رنگ کیسے غیر معمولی تھے جن سے ان کپڑوں کے سوت رنگے جاتے تھے"

ریشمی اور سوتی کپڑے کی صنعت ذیل کے مقامات میں جاری تھی۔

المریہ:۔ یہاں ریشمی کپڑے کے علاوہ کمخواب، زربفت دھوپ چھاؤں کا ایک سفید گلدار کپڑا بُنا جاتا تھا۔

باجہ، قلعہ رباح: یہاں سُوتی اور ریشمی کپڑے پر کڑھائی کا کام نہایت باریک اور صفائی سے کیا جاتا تھا۔

غرناطہ، جیان:۔ دھاری دار کپڑا تیار ہوتا تھا۔

نیبلز: ریشمی اور زری کے پارچے تیار ہوتے۔

۱؎ اخبار الاندلس، ج ۳، ص ۶۴۵ - ۶۴۶ ؎۲ اخبار الاندلس، ج ۲ - ص

ان شہروں میں حریر و دیبا کے استعمال کے علاوہ سمور اور وبر کے پوستین بھی استعمال میں لائے جاتے تھے۔ ان جانوروں کی کھالوں کو سمندر سے حاصل کر کے قرطبہ اور سرقسطہ لایا جاتا، جہاں پوستین تیار ہوکر اطراف ممالک میں بھیجے جاتے۔

مقدسی نے ہمیں ایک اور جانور (ابوقلموں) کا پتہ دیا ہے جس کے بالوں سے ایک قسم کا باریک، ملائم اور ستھرا کپڑا صقلیہ میں تیار کیا جاتا۔ وہ لکھتا ہے:-

"اور اس اقلیم میں بکثرت عجائب ہیں۔ ان میں سے ایک ابوقلمون ہے یہ ایک قسم کا جانور ہے جو سمندر کے ساحل پر پتھروں سے اپنے جسم کو کھجاتا ہے۔ جس سے اُس کے روئیں گرتے ہیں۔ یہ روئیں ریشم کی طرح نہایت نرم اور ملائم ہوتے ہیں۔ اس کا رنگ سنہرا ہوتا ہے۔ وہ مطلق چھوڑا نہیں جاتا۔ نہایت نادر الوجود ہے۔ چنانچہ اس کو جمع کرتے ہیں اور اس سے کپڑا بُنتے ہیں۔"

یورپین مؤرخین کو اعتراف ہے کہ کپڑا بننے اور رنگنے وغیرہ کا فن یورپ نے مسلمانانِ صقلیہ سے سیکھا۔ موسیو لیبان لکھتے ہیں۔

"ریشمی کپڑا جزیرہ میں بننے لگا۔ اور اس وقت بھی نورمبرگ میں ایک ریشمی چادر شاہانِ صقلیہ کے اوڑھنے کی موجود ہے، جس پر کوفی حروف میں ۱۱۳۳ء کا ایک کتبہ ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کپڑے رنگنے کا فن صقلیہ سے

Marfat.com

یورپ میں آیا۔[1]

۲۔ قالین اور چٹائیاں بنانا۔

یہ کام بھی ان ممالک میں حسن و خوبی سے کیا جاتا تھا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ "عمدگی اور فضیلت اندلس کی مصنوعات پر ختم تھی"۔ چٹائیاں ایک خاص قسم کی گھاس سے بھی تیار کی جاتی تھیں۔ ابن جبیر نے ثرمہ (سسلی) کی جامع مسجد میں جو چٹائیاں دیکھی تھیں وہ حسن بنیان اور مضبوطی کے لئے بے نظیر تھیں۔

چٹائیوں اور قالینوں پر ذی الارواح کی تصویریں موجود ہوتیں، اور ان پر رنگ برنگ کے گل بوٹے تیار کر کے انہیں زیادہ جاذب نظر بنایا جاتا۔ یہ صنعت مرسیہ، لقنت اور کونکہ میں جاری تھی۔

۳۔ سامانِ آرائش و زیبائش

(ہاتھی دانت کا کام، شیشے اور چینی کے برتن بنانا)

لکڑی کے کام میں سیپی اور ہاتھی دانت کا بٹھانا وہ صنعت تھی جسے عربوں نے درجہ کمال تک پہنچایا۔ پرانی مساجد کے پاکیزہ دروازے وہ منبر جن پر پچی کاری کا کام کیا گیا تھا، وہ چھتیں جن کے تختے منبت تھے، اور وہ باریک جالیاں جو کھڑکیوں کٹہروں کی زینت تھیں، اپنے کاریگروں کی اختراعی اور تخلیقی قوتوں پر دلالت کرتی ہیں۔

عربوں نے ہاتھی دانت پر کندہ کرنے کے فن کو بھی بڑی ترقی دی، اس کی عمدہ مثالیں سینٹ ایسی ڈور ڈی لیبان کے گرجے کی میز اور وہ صندوقچہ ہاتھی دانت کا ہے جو گیارھویں صدی میں بادشاہِ اشبیلیہ کے لئے بنا تھا، اور بے یو کے گرجے کا ہاتھی دانت کا صندوق جو

---

[1] تمدن عرب، موسیو لیبان۔ ص ۲۶۲

Marfat.com

بارھویں صدی کا بنا ہوا ہے، اور غالباً صلیبی جنگوں کے زمانہ میں مصر سے لایا گیا ہے۔ اس صندوق پر سونے چاندی کی ملبت کاری ہے۔ جس میں پرند اور علی الخصوص مور بنے ہوئے ہیں۔ عربوں کی لکڑی، ہاتھی دانت اور فلزات کی صناعیوں میں ایک عجیب بات ہے جو ان کی ذہانت اور ان کاموں کی فطری مناسبت ثابت کرتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ عرب باریک سے باریک کام کو بھی بہت ہی موٹے اور تعداد میں کم اوزاروں کے ذریعے سے بناتے ہیں۔[1]

شیشے اور چینی کے برتن بنانے کی صنعت اہلِ فینیشیاء کی طرف منسوب ہے۔ جو خود سامی اقوام میں سے ہیں۔ ساتویں اور آٹھویں صدی قبلِ مسیحؑ میں اس قسم کے برتن مصر اور نینوا میں کھدائی کے بعد دستیاب ہوئے ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس خطہ میں شیشے کے برتن زمانۂ قدیم میں بھی استعمال کیے جاتے تھے لیکن اس پرانی صنعت کو عربوں ہی نے تکمیل تک پہنچایا۔ اکثر مؤرخین کا خیال ہے کہ وینس اور مورانی کی شیشے کی صنعت انہی عربوں سے لی گئی ہے۔ یہ صنعتیں بلنس المریہ، دانیہ، غرناطہ، لبطلہ، کونکہ، شذونہ، طلیطلہ اور ملاگا میں قائم تھیں۔ ان میں میورقہ اور ملاگا خاص شہرت کے مالک ہیں۔ ملاگا کی صنعت کے متعلق ابن بطوطہ اپنے سفرنامہ میں لکھتا ہے کہ وہ اس شہر میں بہت ہی عمدہ زرنگار چینی کے برتن بنتے تھے، جو دور دور کے ملکوں تک جایا کرتے تھے۔[3]

---

[1] تمدن عرب، موسیولیبان، ص ۴۷۳-۴۷۴ [2] تمدن عرب، موسیولیبان، ص ۴۷۵

[3] تمدن عرب، موسیولیبان، ص ۴۷۷

(۴) کاغذ کی صنعت

کاغذ کی ایجاد کا سہرا چینیوں کے سر ہے، جو اسے ریشمی کیڑے کے خول سے تیار کرتے تھے یہ ایجاد آٹھویں صدی عیسوی کے وسط میں چین سے سمرقند میں آئی۔ عربوں نے جب اس علاقہ کو زیرِ نگین بنایا، تو یہاں کاغذ کے بڑے بڑے کار خانے موجود تھے۔ سمرقند سے یہ صنعت العراق پہنچی۔ الفضل بن یحییٰ نے جو ۹۴ھ میں خراسان کا گورنر تھا۔ کاغذ کی صنعت کی طرف توجہ دی۔ اور بغداد میں ایک بہت بڑا کاغذ کا کارخانہ قائم کیا۔ چنانچہ تاریخ خلافت میں پہلی مرتبہ ہارون الرشید کے عہد میں جعفر برمکی نے جھلی کی بجائے کاغذ کا استعمال شروع کیا۔

بارھویں صدی عیسوی کے وسط میں یہ صنعت اندلس پہنچی جہاں عربوں نے چیتھڑوں سے کاغذ بنانا شروع کیا۔ اس تاریخی حقیقت کی شہادت ایک لسانی ذریعہ سے بھی ملتی ہے۔ انگریزی لفظ "رم" (Ream) ایک پُرانے فرانسیسی لفظ (Rayme) سے ماخوذ ہے۔ یہ لفظ خود ایک ہسپانوی لفظ (Resma) کی بگڑی ہوئی صورت ہے، یہ مؤخر الذکر لفظ ایک عربی لفظ (Rizma) سے نکلا ہے جس کے معنی "گٹھے" کے ہیں[۲]۔

عیسائی مؤرخین کا خیال ہے کہ صلیبی جنگوں سے لوٹنے والے لوگ اس صنعت کو مشرقِ وسطیٰ سے فرانس میں لائے۔ حالانکہ یہ بالکل

---

[۱] پروفیسر ہٹی۔ ص ۵۶۴

[۲] رِزْمَۃ (Ream of paper, to pile up) الفرائد الدریہ، ص ۲۵۰

غلط ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ فرانس میں یہ صنعت اسپین سے آئی تھی اسی طرح اٹلی میں اس صنعت کا اجراء صقلیہ کا مرہونِ منت ہے۔

"یورپ" کی سب سے پرانی تحریر جو کاغذ پر لکھی گئی ہے۔ ژان ویل کا ایک خط ہے، جو اُس نے سینٹ لوئی کے نام (کچھ دنوں اُس کے مرنے سے پہلے ۱۲۷۰ء میں) اُس کی پہلی مصر کی چڑھائی کے بعد لکھا تھا۔ برخلاف اس کے عربوں کی کتابیں چیتھڑوں کے بنے ہوئے کاغذ پر لکھی ہوئی اس کے ایک صدی قبل کی تحریر شدہ موجود ہیں۔" عربوں نے چیتھڑوں کے علاوہ سن اور روئی سے کاغذ بنانا شروع کیا، جو اُس وقت بہترین تصور کیا جاتا تھا۔ کاغذ کے بڑے بڑے کارخانے شاطبہ (Jativa) اور صقلیہ میں قائم تھے۔

۵۔ فنِ کاردگری۔ (لوہے و پیتل کی دیگر مصنوعات)

لوہے کی مرصع کاری کا کام، فلزات اور آلاتِ جنگ بنانے کی صنعتیں اندلس اور صقلیہ میں خوب پھل پھول رہی تھیں۔ ابنِ سعید کا قول ہے کہ "اہلِ اندلس کی مصروفیات بہت بڑھی ہوئی تھی۔ اندلس کے ان حصوں میں بھی جو کفار کے قبضے میں ہیں ایسی ایسی چیزیں بنتی ہیں جن کو دیکھ کر عقل دنگ ہوتی ہے۔ شمشیرِ بر ذلی یعنی برذیل[1] Bordeaux کی تلواروں کی اندلس میں بڑی قدر کی جاتی ہے۔"

روزمرہ کی ضروریات کی چیزیں مثلاً چھریاں، قینچیاں اور دیگر نازک اشیاء مرسیہ، طلیطلہ، اشبیلیہ اور بلرم کے شہروں میں ایسی صفائی

---

[1] یہ شہر فرانس کے جنوبی حصہ میں واقع ہے اور اس وقت عربوں کا مفتوحہ علاقہ تھا۔

Marfat.com

اور خوبصورتی سے تیار کی جاتی تھیں کہ دیکھنے والے کی عقل دنگ رہ جاتی۔ یہ اشیاء دیگر ممالک میں تجارت کی غرض سے بھیجی جاتی تھیں۔ فولاد میں جس قدر خوبیاں ہو سکتی ہیں، وہ اشبیلیہ کے فولاد پر ختم تھیں۔

ان صنعتوں کے علاوہ مٹی کے ظروف بنانا، جہاز سازی، مچھلی کا گوشت ڈبوں میں بند کرنا، شراب کشید کرنا، دباغت، صدف ریزی اور دیگر صنعتیں ملک کی دھن دولت میں اضافہ کر رہی تھیں۔

فنونِ لطیفہ وجمیلہ

ہم اس موضوع کو چار حصّوں میں تقسیم کریں گے

ا۔ موسیقی۔ جس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔

ب:۔ مصوّری، فنِ سنگ تراشی اور فنِ شکل تراشی۔

ج:۔ فنِ تعمیر۔

د:۔ شاعری۔

ا۔ مشرکانہ دورِ ظلمت میں جب مسیحانہ تعلیمات زمانے کے دھند میں چھپ چکی تھیں۔ اور مسیحانہ اخلاق کی عبارتیں مرورِ ایام کے ساتھ محو ہو چکی تھیں، تو انسان نے، جو ایک وقت خود مسجودِ ملائک تھا، اپنے خالق کو چھوڑ کر اپنے ہاتھوں کے بنائے ہوئے پتھر کے مجسموں اور مٹی کی مورتیوں کی پرستش شروع کر دی۔

Marfat.com

یونانی علم الاصنام میں تو ان معبودوں کا وجود بہت قدیم ہے۔ ممکن ہے کہ یونان کے مصوّر اور فن کار اپنے ذوقِ حسن اور جمال پرستی کا اظہار آرٹ کے انہی عریاں مجسموں کے ذریعے کرتے ہوں اور آہستہ آہستہ اُنہوں نے ان کے حضور میں جھکنا بھی شروع کر دیا ہو۔ بیم ورجا اور نفع وضرر کے احساسات جبلّی اور خلقی ہیں۔ اس دورِ مظلمہ میں انسان انہی مرئی یا غیر مرئی خداؤں کے حضور میں سربسجود نظر آتا ہے۔ جب ان لات و منات، اگنی اور وایو، مرکری اور کیوپڈ[1] کو معبودیت کا درجہ دیا گیا تو لازمی تھا کہ اس فن میں وہ کمال دکھایا جاتا جس کی نظیر ملنا محال ہے۔

مصر ہو یا ایران، یونان ہو یا ہندوستان۔ ہمیں ان مقامات پر فنِ مصوری اور سنگ تراشی کے قدیم نمونے ملتے ہیں جنہیں شاہکار کہا جا سکتا ہے۔ لیکن اسلام نے اپنی پہلی ہی دعوت میں ان سب کو باطل قرار دیتے ہوئے خالقِ مطلق کے سامنے جھکنے کے لئے کہا۔ ایک ایسے مذہب کے لئے جو اقوام عالم میں انقلاب پیدا کرنا چاہتا تھا، اور ایک نئے تمدن کی تشکیل کے لئے سرگرمِ عمل تھا، کوئی اور چارہ نہ تھا کہ وہ ان اصنام کو اسی طرح باطل قرار دے دے جس طرح اس نے اصنام پرستی کو گناہ اور شرک قرار دیا تھا۔ اور مُزَفَّت (مرتبان) اور دبّاء (تونبہ) کا استعمال اسی طرح حرام قرار دے دے جس طرح اُس

---

[1] کیوپڈ Cupid ایک دیوتا کی بیوی Aphrodite کے بطن سے پیدا ہوا۔ یہ دیوی بہ یک وقت چار دیوتاؤں سے آشنائی رکھتی تھی۔ اور اس کے علاوہ ایک فانی انسان کو بھی اس کے حضور میں سرفرازی کا فخر حاصل تھا اور پھر ایسا ہوا کہ ان کے ارتباط اور اختلاط سے ایک دیوتا نے جنم لیا جو کیوپڈ کہلایا۔

Marfat.com

نے شراب کشید کرنے اور شراب پینے کو حرام قرار دیا تھا۔
یہ خیال کہ مذہب آرٹ کے راستے میں رکاوٹ بنا رہا ہے،
بالکل غلط اور بے بنیاد ہے۔ جوزف ہل اپنی کتاب
The Arab Civilization میں لکھتا ہے۔

"فرش کی آرائش اور گلکاری کا کام فنِ شکل سازی
Plastic Arts کی جگہ کسی صورت نہیں لے سکتا
لیکن اس کے لئے مذہبِ اسلام کو ذمہ دار ٹھہرانا غلط
اور واقعیت سے بعید ہے۔ اگر فنِ شکل سازی کا وجود
الحمرا یا اسلام میں نظر نہیں آتا تو اس کا سبب ایسے فن کی
عدم ضرورت تھی نہ کہ خود مذہب!" (ص: ۱۳۰)

مسلمانوں کی ایک بہت بڑی جماعت ہر زمانہ میں ان فنون کو
غیر اسلامی سمجھتی رہی ہے لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ مسلمانوں
میں ایک ایسا طبقہ بھی موجود رہا ہے جو اسے اسلامی تعلیمات کے
خلاف نہیں سمجھتا رہا۔ ان کے خیال میں اس قسم کے آرٹ
کی ممانعت کی اصل غرض بت پرستی اور توہم پرستی کی روک تھام تھی۔
علامہ مقریزی نے (المتوفی ۸۴۵ھ) ایسے فنکاروں کے نام گنوائے
ہیں جنہوں نے اس فن کو آرٹ سمجھ کر اپنایا۔ مقریزی ہمیں بتاتا ہے کہ۔

"۴۶۱ھ میں جب المنصور کا قصر لوٹا گیا تو اس میں سے
ہزار ٹکڑے مشجر کے نکلے جن پہ خلفائے عرب، اُن کی
جنگ جوئیوں اور ارکانِ سلطنت کی تصویریں بنی ہوئی
تھیں۔ اس کے علاوہ کمخواب، ریشم اور مخمل کے خیمے،

Marfat.com

انواع واقسام کی حیوانی اور انسانی تصویروں سے سجے ہوئے تھے۔ مقریزی نے ایک زینہ کا بھی ذکر کیا ہے جو بادشاہ کے محل میں بنا ہوا تھا، اور جس سے بالکل اصلی زینہ کا دھوکا ہوتا تھا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عرب مصوّر اصولِ علم مناظر اور قرب و بُعد کے اثر سے بخوبی واقف تھے۔ بہتیری عربی کتابیں علی الخصوص علمِ حیوانات اور گھوڑوں کی تعلیم وغیرہ کی بالتصویر ہیں[1]۔

اسکوریال کی لائبریری میں ایک ایسے نسخے کے متعلق علم ہوا ہے جس میں کوئی چالیس کے قریب عربی اور ایرانی بادشاہوں، شہزادیوں، سپہ سالاروں اور اعیانِ مملکت کی تصاویر موجود ہیں۔

صقلیہ کے اسلامی عہد کے فنِ مصوری کے چند نمونے بھی دستیاب ہوئے ہیں۔ چنانچہ مسٹر رشود نے اپنی کتاب میں علم طب و جراحی سے متعلق کچھ تصاویر پیش کی ہیں جن میں عرب اطباء یورپین مریضوں کا علاج کرتے دکھائے گئے ہیں۔ ان میں سے ایک تصویر وہ بھی ہے جس میں ایک عرب کسی نارمن بادشاہ پر عملِ جراحی کر رہا ہے۔ اسی قسم کی مصوری کی بہترین مثال راجہ دوم کا Coronation Mantle ہے جو اب تک دنیا میں محفوظ ہے۔

جہاں تک سنگی و برنجی مجسّموں کا تعلّق ہے، بہت ہی کم نمونے ہم تک پہنچ سکے ہیں۔ ان میں "بیت العروس" کی عجیب مورتیاں اور بلیبا کے کامپو سینٹو کے کانسی کی بنی ہوئی نصف شیر اور نصف باز

---

[1] تمدنِ عرب، موسیو لیبان، ص ۴۶۸۔

Marfat.com

کی مورتی اور فور لوٹی کے عجائب خانہ کا وہ کانسی کا شیر جس کے منہ سے فوارہ جاری تھا، خاص شہرت کے مالک ہیں۔

شاہان اندلس نے القصر میں حوض کے اردگرد بارہ حیوانات کی شکلیں سونے اور بیش قیمت پتھروں کی، قرطبہ کے شاہی کارخانہ میں بنواکر نصب کروائی تھیں جن کے منہ سے پانی جاری رہتا تھا۔

(ب) فن تعمیر

مسلمان اپنے عہد کشور کشائی میں ایسی جگہوں پر پہنچے جو قدیم تہذیب و تمدن کا گہوارہ تھیں۔ علوم و فنون کا معدن تھیں۔ اُن کی ہوا لطیف تھی اور اُن کی مٹی گوہر بار۔ اُنھیں ایسی اقوام سے واسطہ پڑا جو ذہن رسا کی مالک تھیں، تمدنی چکا چوند اور ثقافتی برتری نے اُنھیں عروج کے آخری نقطے پر پہنچا دیا تھا اور ایک دنیا اُن کا سکہ مانتی تھی۔

اسلامی جنگوں کے دوران میں انھیں بازنطینی دربار کی عظمت ایرانی سلطنت کا جاہ و جلال اور مشرقی فن تعمیر کی شان و شوکت کو دیکھنے کا موقعہ ملا۔ ان میں سے ہر قوم ایک مخصوص طرز تعمیر کی مالک تھی جو مصری و ایرانی، شرقی و یونانی اور قبطی و بیزنطانی فن تعمیر کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا مسلمان چونکہ ان تمام جذبات کے حامل تھے جن کا وجود کسی قوم کی فلاح و بقا کے لئے ضروری ہے، اس لئے اُنھوں نے اپنی ذہنی استعداد اور انتخاب و امتزاج سے ایسے اضافے کئے کہ ایک مخصوص طرز تعمیر کی بنیاد پڑ گئی جو "اسلامی طرز تعمیر" یا "شرقی عربی طرز تعمیر"[1] کہلاتا ہے

---

[1] عربوں کی تہذیب، جوزف ہل، ص ۱۱۱ اور تمدن عرب، موسیو لیبان، ص ۵۰۱

Marfat.com

اس طرزِ تعمیر میں ایسی جدّت اور ندرت موجود ہے کہ تمدّنی تغیّرات کا مطالعہ کرنے والی جماعت یہ یقین کئے بغیر نہیں رہ سکتی کہ یہ خدا کی دین ہے۔ ہنری مارٹن نے سخت ٹھوکر کھائی ہے جب اس نے یہ لکھا کہ "مسلمانوں کا خدا جو دنیا کو پیدا کرنے کے بعد اپنی شان اور اپنی وحدانیت کے بستر پہ آرام کر رہا ہے۔ انسان کو ترقی پر آمادہ نہیں کر سکتا"

خدا لگتی کہنا مُنہ لگتی نہیں! کیا یہ وسعتِ سلطنت جو رومن ایمپائر سے بڑھ چکی تھی، یہ علوم و فنون کی ترویج و اشاعت جس کی گردِ راہ کو یورپ کبھی نہ پہنچ سکا، یہ تمدّنی آثار جو اپنی عظمتِ دیرینہ پر شاہد و دال ہیں، صلیب کا سبب تھے؟ کیا یہ چشمِ ساقی کا فیض نہیں ہے کہ اغیار نے بھی اس ساغر و مے سے بار بار نفع اندوز ہونے کا فخر حاصل کیا ہے؟ موسیو لیبان ایک مقام پر اعترافِ حقیقت ان الفاظ میں کرتے ہیں:-

"کیا بلحاظ ترقیٔ دولت اور کیا بلحاظ ترقیٔ علمی و عملی، وہ عرب ہی تھے جنھوں نے یورپ کو مہذب بنایا۔ جب ان کی تحقیقاتِ علمی اور اُن کی ایجادوں پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ایسی قلیل مدّت میں اُن سے زیادہ کسی قوم نے ترقی نہیں کی اور جب ان کی صنعت و حرفت پر نگاہ ڈالی جائے تو ثابت ہوتا ہے کہ اُن کے صنائع میں ایک نُدرت اور جدت ہے جس کا مقابلہ نہیں ہو سکتا"[1]

---

[1] تمدّنِ عرب، ص ۳

Marfat.com

خوش تر آں باشد کہ سرِ دلبراں
گفتہ آید در حدیثِ دیگراں

دنیا جانتی ہے کہ جب تک اندلس وصقلیہ پر ہلال کا سایہ تھا، وہ دُنیا میں آباد اور پُر رونق تھے، وہاں پر عیش وتنعم کا دَور دورہ تھا، وہاں فطرت اپنے موتی بکھیرتی نظر آتی تھی۔ لیکن جب غرناطہ پر صلیب سایہ فگن ہوئی، تو بہار خزاں میں بدل گئی۔ عیش وتنعم منغض کر دیا گیا۔ اور صلیب کے پرستاروں نے حُسن وزیبائی کو اس طرح پامال کر دیا کہ آج تک اُنہیں وہ رفعت شان حاصل نہیں ہوسکی جو النّاصر لدین اللہ کے عہد میں حاصل تھی۔

یہ خدائے واحد وقہار ہی کے پجاری تھے جنہوں نے شاہی اور ذاتی لائبریریوں کی بنیاد ڈالی اور غرناطہ اور قرطبہ میں چار لاکھ سے زاید نوادرات کا مجموعہ جمع کر ڈالا۔ لیکن یہ صلیب کے پجاری[1] اور ننگ اسلاف ہی تھے جنہوں نے اسلاف کے ان دفینوں اور خزانوں کو نذرِ آتش کر دیا۔

ربّ مطلق کے پجاری جب تک قرطبہ پر حکمران تھے، یہ دس لاکھ انسانوں کا مسکن تھا۔ علماء اور شعراء کا مرجع تھا، علوم وفنون کا معدن تھا، لیکن جب تثلیث کے نام لیواؤں نے اس پر قبضہ کیا۔ تو یہ ایک وحشت کدہ تھا، ویرانہ تھا اور کھنڈر تھا۔ نہ یہاں ساقی رہے اور نہ وہ مے خانے۔ موسیو لیبان اس

---

[1] یہ صلیب کا پجاری اور رئیس الاساقفہ زمی نیز فرڈی نند تھا، جس نے غرناطہ کی فتح کے بعد مسلمانوں کا کتب خانہ جلا دیا۔ سالِ وفات ۱۵۱۷ء ہے۔

جگہ کے سفر کے تاثرات کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

" دارالخلافت قرطبہ ایک ایسا مرکز علوم وفنون و حرفت و تجارت بن گیا تھا، کہ اُسے اس وقت کے بڑے سے بڑے یورپ کے دارالسلطنتوں کے مقابل میں رکھ سکتے ہیں۔ یہ پُرانا شہر اب بھی موجود ہے لیکن موجودہ حالت میں تو اُسے ایک مقبرہ کہنا چاہیئے۔ بہت کم مجھ پر ایسے دردناک خیالات کا ہجوم ہوا ہے جو اُس وقت ہوا جب کہ میں اس عظیم الشان ویرانہ میں جہاں کسی وقت دس لاکھ آدمی تھے، داخل ہوا، اور جہاں ایک خاموشی کی حالت میں دیواروں ہی کے سائے میں پھرتے مجھے گزر جاتے تھے۔"[1]

آج کی محفل میں ہم اُن اجزائے ترکیبی سے بحث کریں گے جن سے اسلامی طرزِ تعمیر نے ترکیب پائی۔ اور اُن آثار و صنادید کا مطالعہ کریں گے جو اُنھوں نے یورپ میں چھوڑے ہیں۔

ا۔ تعمیر کا مسالہ:۔ عربوں نے سب سے پہلی مرتبہ اینٹوں کی بجائے پتھروں کا استعمال کیا اندلس اور صقلیہ میں عمدہ قسم کے پتھر کی کمی نہ تھی۔ عربوں نے اسے اپنی عمارات میں بے دریغ استعمال کیا۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ اسکندریہ Alexandria

[1] تمدنِ عرب، ص ۲۵۶ [2] یہ اینٹیں جو استرکاری کے کام آتی تھیں اپنی نوعیت میں بے نظیر تھیں۔ اٹلی والوں نے اس قسم کی اینٹوں کا بنانا عربوں سے ہی سیکھا تھا۔ یہ اینٹیں الزلجی یا مالکا بھی کہلاتی تھیں۔

Marfat.com

کی تعمیر کے لئے اسکندرِ اعظم نے پتھر یہیں سے منگوایا تھا۔ مسلمان معماروں نے پتھر کا استعمال اس طریق سے کیا کہ رفعتِ شان اور حُسنِ بنیان کا مظاہرہ ہوتا ہے۔

ضیزہ اور قوبع کے محلات جہاں رنگ برنگ کے پتھروں نے چکا چوند پیدا کر دی ہے اس قسم کی تعمیر کا بہترین نمونہ ہیں بستونوں کے لئے سنگِ مرمر اور سنگِ سماق المریہ، قرطاجنہ، اور تونس سے منگوایا جاتا تھا۔ پتھر کے استعمال کے علاوہ مسلمانوں نے سلفیٹ آف لائم Sulphate of Lime کا بھی استعمال کیا۔

اس کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ پانی ملانے بعد یہ آٹے کی طرح نرم ہو جاتا ہے اور اس سے مختلف قسم کی شکلیں اور نقشے تیار کئے جا سکتے ہیں الحمراء اسی قسم کے چونے سے تیار کیا گیا ہے۔ اور مرورِ زمانہ کے باوجود جوں کا توں کھڑا ہے۔ اور مثلِ انجم جواں ہے۔ موسیو لیبان کا خیال ہے کہ "یورپ کا کوئی صناع اس قسم کی گچ کاریوں کا ذمہ نہیں لے سکتا جو بلا زوال اتنی طویل مدت تک اپنی اصلی حالت پہ قائم رہ سکیں"

۲۔ ستون اور پرکالے (ستونوں کی نوکدار محرابیں)

مسلمانوں نے حاصل کردہ پتھر کے علاوہ اُن بنے بنائے ستونوں کو بھی استعمال کیا جو مصر و ایران کے معبد و کنائس سے ہاتھ لگے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کی ابتدائی عمارات میں مختلف رنگ کے ستون استعمال میں لائے گئے ہیں۔ لیکن جب بنے بنائے ستونوں کا حاصل کرنا ناممکن ہو گیا تو عربوں نے خاص اپنی طرز کے ستون

Marfat.com

بنائے جن پر نوکدار محرابیں بنائی گئی تھیں۔

محرابوں کی تعمیر کا سبب یہ بھی تھا کہ پُرانے ستون جو عبادت گاہوں سے حاصل ہوئے اس قدر چھوٹے تھے کہ نئی عمارات کی چھتیں اُن پر قائم نہیں کی جاسکتی تھیں۔ چنانچہ عرب معماروں نے ان ستونوں کو جوڑ لگا کر بڑا کیا اور ان جوڑوں کو چھپانے کیلئے ان مختلف النّوع ستونوں پر محرابیں بنا ڈالیں۔ ستونی طرز کی ابتدا اگرچہ یونانیوں کے ہاتھوں ہوئی تھی، لیکن عربوں نے مختلف عناصر کی ترکیب سے ایک ایسا حسین و جمیل طرز ایجاد کیا، جو اپنی شان و شوکت کے لئے ممتاز و ارفع تھا۔[1]

عربوں کی ذہانت اور ذکاوت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اُنھوں نے اُس مسالے کو جو ان کے ہاتھ لگا اس طرح استعمال کیا کہ اس میں تنوّع اور جدّت پیدا ہوگئی۔

۳۔ آرائشی طاقچے، قلمی گلکاریاں اور سنہری قلعی۔

آرائشی طاقچوں کا وجود اور اُن میں قلمی گلکاریوں کا استعمال عربوں کے فنِ تعمیر کی امتیازی خصوصیت ہے۔ اس قسم کے طاقچوں کا استعمال صقلیہ میں دسویں اور گیارھویں صدی میں شروع ہوچکا تھا۔ قلمی گلکاریاں پتھر میں کندہ کی جاتی تھیں یا پھر مسالہ میں بنائی جاتی تھیں۔ اس کے علاوہ دیواروں کو سنہری یا سفید قلعی کی جاتی تھی جس کو "شمسیہ" یا "قمریہ" کہتے تھے۔ اس قسم کی صنعتوں کے ساتھ مسلمانوں نے مختلف رنگوں کا بھی استعمال کیا ہے جن میں

---

[1] Encyclopaedia of Islam "مسجد کا فنِ تعمیر" از ای، ڈائز۔ ص ۳۷۸۔۳۸۰؛

سُرخ، نیلا اور طلائی زیادہ اہم ہیں، ان رنگوں کی آمیزش اس عمدگی سے کی گئی تھی کہ دیکھنے والا اُن کے حُسنِ ذوق کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

۴۔ میناروں اور گنبدوں کا استعمال:۔

میناروں کی ایجاد اور گنبدوں کے استعمال نے۔ شرقی۔ غربی فنِ تعمیر کو واقعی معراجِ کمال پہ پہنچا دیا ہے۔ مختلف ممالک میں ان کی وضع قطع مختلف رہی ہے۔ ایران میں مینار مخروطی شکل کے بنائے گئے تھے، روم میں گول شکل کے اور اندلس میں مربع شکل کے گنبدوں کے اندر کی جانب یا سنہری اور روپہلی دیواروں پر مختلف قسم کے نقش و نگار رنگ بھر کر بنائے جاتے، عمدہ قسم کی بیلیں چڑھائی جاتیں اور ان میں شگفتہ خوشے دکھائے جاتے، اور آیاتِ قرآنی سے تزئین و آرائش کی جاتی۔

اس کے بعد ہم بعض ضروری عمارات کا ذکر کریں گے۔ جن کے صرف بعض حصے ہی چشمِ عبرت کے لئے باقی رہ گئے ہیں۔ ورنہ کلیساء کے پجاریوں نے انہیں پوری طرح سے منہدم کر دیا ہے۔ فنِ تعمیر کی تاریخ میں کوئی سانحہ اتنا دلگداز اور روح فرسا نہیں ہے جتنا کہ ان عمارات کا مکمل طور پہ نیست و نابود کر دینا مسٹر اسکاٹ ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ "دنیا بھر میں کسی قسم کے آثار ایسے کامل طور پہ اور ایسے باقاعدہ طریقے سے کہیں نہیں مٹائے گئے، جیسے مسلمانانِ صقلیہ کی یادگاروں کو مٹایا گیا ہے"[1]

[1] اخبار الاندلس۔ جلد دوم، ص ۳

Marfat.com

عمارات

(اندلس میں)

شام میں حماموں، بارہ دریوں اور نزہت گاہوں کا وجود اور قبۃ الصخرا (مسجدِ عمرؓ) جیسی عظیم الشان عمارات کی تعمیر جہاں عربوں کے اعلیٰ تمدن پر دلالت کرتی ہے۔ وہاں شرقی فنِ تعمیر کی تاریخ میں سنگ میل کی حیثیت بھی رکھتی ہے۔ مؤخرالذکر مسجد ایک ایسے مقام پر تعمیر کی گئی تھی جہاں حضرت سلیمانؑ نے خداوندِ یہود کی عبادت کی تھی، اور جہاں صلیب کے پرستاروں نے اپنے عروج کے زمانے میں حضرت عیسیٰؑ کی مورت رکھی تھی۔ اسی عمارت کے اندر وہ متبرک پتھر بھی موجود ہے۔ جہاں حضرتِ ابراہیمؑ نے نخلِ مُراد کے ثمرِ نوباوہ (حضرتِ اسمٰعیلؑ) کو ارشادِ الٰہی کی تعمیل میں لٹایا تھا۔ دنیا کی نظروں میں تو یہ عمارت ایک طلسم خانہ ہے لیکن فنکاروں کی نظر میں حُسن و خوبی کی آمیزش ہے جو مختلف ادوار کی فنی اور صنعتی ترقی کو اپنے دامن میں سمیٹے ہے۔

عرب جب اندلس پہنچے تو ذوقِ تجسّس کے باوجود مہماتِ ملکی نے انہیں اس قدر مہلت نہ دی کہ وہ عمارات کی تعمیر کی طرف توجہ دے سکتے۔ عہد ولاۃ میں جو اگست ۷۱۱ء سے لے کر مئی ۷۵۶ء تک رہا ہم کسی ایسی عمارت کا حال نہیں سنتے جو قابل

Marfat.com

ذکر ہو۔ انہوں نے اپنے استعمال کے لیے اُنہی محلات پر اکتفا کی جو قوطی بادشاہوں نے اپنے لئے بنا رکھے تھے۔

عبدالرحمٰن الداخل نے اندرونی شورشوں اور بیرونی بغاوتوں کو فرد کرنے کے بعد نظم و ضبط کی بحالی، انتظامِ مُلکی اور زمانۂ امن کے فنون کی طرف توجّہ دی۔

(۱) رُصافہ:۔

قرطبہ کے باہر اُس نے ایک ایسا محل بنوایا جو اپنی خوبصورتی میں اُس "رُصافہ" سے مشابہ تھا، جو اس کے دادا ہشام نے شام میں بنوایا تھا، اسے بھی رُصافہ کا نام ہی دیا گیا۔ اس کے ساتھ ایک پُرفضا باغ تھا جس میں سینکڑوں قسم کے پھل دار اور پھولدار پودے لگائے گئے تھے۔ یہ پودے الداخل کے کارندے دور دراز کے شہروں سے لائے تھے۔ ان میں اکثر غیر مُلکی پودے تھے جنہیں آہستہ آہستہ بحیرۂ روم کے خطے کی آب و ہوا سازگار آگئی تھی۔ عبدالرحمٰن کی بہن اُمّ الاصبغ جو شام میں ہی رہ گئی تھی، اپنے بھائی کو مشرقی پودے بھیجتی۔ ایک دفعہ اُس نے نہایت لذیذ اور خوش ذائقہ انار بھیجے جو امیر نے ارکانِ سلطنت کے درمیان تقسیم کر دیئے ایک انار سفر الکلاعی کو بھی دیا گیا۔ جس کے بیج الکلاعی نے اپنے پائیں باغ میں لگا دیئے۔ یہ درخت جوان ہو کر خوب پھل لایا۔ اور سفر کے نام پر ہی سفری انار مشہور ہو گیا۔ اسی نزہت گاہ میں کھجور کا وہ یکہ و تنہا درخت بھی لگایا گیا تھا، جس کے ساتھ امیر کو گہری محبت تھی۔ اور جس کی شاخوں کو پکڑ کر وہ ایامِ رفتہ کو یاد کر لیا کرتا

Marfat.com

تھا۔ ابیر کے وہ حسین اشعار جو اس کے مغموم دل کی پکار ہیں، اور جذبۂ حبّ الوطنی کا اظہار ہیں، اسی کتاب میں پیچھے گزر چکے ہیں۔

رُصافہ رفتہ رفتہ ایک بہت بڑی آبادی بن گئی تھی۔ جہاں اصحابِ علم وفن آکر آباد ہو گئے تھے۔ چند ہی سالوں کے اندر یہ ٹکڑا زمین اپنے دلکش اور دیدہ زیب مناظر کے لئے مرجع خاص و عام بن گیا تھا۔ ابو عبداللہ محمد الرفاء کے اشعار جن میں اُنھوں نے رُصافہ کی دیرینہ عظمت اور محافلِ طرب ونشاط کی کیفیت کو بیان کیا ہے، خوب ہیں۔ کچھ اشعار ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:

سَلی خمیلتكِ الرّیا بایۃ ما
كانت ترف بھا رِیحانۃ الادبِ
عن فتیۃٍ نزلوا علیٰ اسرّتھا
عفت محاسنھم الاّ مِنَ الكتبِ
محافظین علی العلیا و رُبّما
ھزّوا السجایا قلیلاً بابنۃِ العِنبِ
حتّیٰ اذا ماقضوا مِن كأسِھا وطراً
ومضاحكوھا الیٰ حدٍّ مِنَ الطربِ
راحوا و راحاً وقد زیلت عمائمھم
حملاً و دارت علیٰ ابھی من الشھبِ
لایظھر السكرحالاً من ذوائبھم
الاّ التفاف الصبا فی الُسن العزبِ[1]

---

[1] اندلس کا تاریخی جغرافیہ، فہرست مقامات۔ ص ۲۳۰ - ۲۳۱

Marfat.com

ترجمہ:۔ اے رصافہ! تو اپنے تر و تازہ اور بارونق و شاداب آثار سے پوچھ لے کہ کیسے کیسے علم و ادب کے پھول شگفتہ تھے۔

● ان جوانمردوں کے حالات دریافت کرنے کے قابل ہیں جو شہر کے وسط میں فروکش تھے، اور جن کے تمام محاسن اور فضائل مٹ گئے ہیں کہ اب صرف کتابوں میں نام رہ گئے ہیں۔

● یہ وہ لوگ ہیں جو سرافرازی اور بلندی کے محافظ تھے، اور اپنے معیارِ شرافت پر سختی سے قائم تھے۔ مگر کبھی کبھی دخترِ رز سے جنبش پیدا کر لیا کرتے تھے۔

● یہ لوگ دخترِ رز سے اپنا مطلب حاصل کر چکے اور اس کو اتنا ہنسا چکے کہ طرب و نشاط کا سماں بندھ جائے تو۔

● اس حدِ عیش کے بعد یہ لوگ چل دیئے اور اس حالت میں چل دیئے کہ لطف صہبا میں عمامے سروں سے ہٹ گئے تھے اور ان کے پیچ کھل کر حلقے بن گئے تھے۔

● بایں ہمہ اُن کی صورتوں سے اس وقت نشہ نمایاں نہیں تھا۔ البتہ اتنا اثر ہوا تھا کہ میٹھی زبانوں میں جوانی کی شوخیاں موجود تھیں۔

● یہ محل اب پیوندِ زمین ہو چکا ہے اور اس کے آثار میں سے کچھ بھی باقی نہیں ہے۔

(۲) جامع مسجدِ قرطبہ

یوں تو سرزمین یورپ پر عربوں کے عہدِ زریں میں کئی دلفریب محلات تعمیر ہوئے اور دلکش ایوان لیکن جو اُجلاپن اور پاکیزگی جامع مسجد قرطبہ کے حصہ میں آئی اُسے الفاظ بیان کر سکتے ہیں

Marfat.com

نہ فنی اصطلاحات۔ اس کے حُسن و جمال، اس کی تزئین و آرائش، فسنجی گلکاریوں اور پچی کاریوں کے کام کو دیکھ کر خیال آتا ہے کہ شاید ہی حضرتِ انسان اس قسم کی کوئی اور عمارت تیار کر سکا ہو۔

مسجد کی تعمیر کا خیال سب سے پہلے الدّاخل کو دامنگیر ہوا۔ جس نے اپنی وفات سے دو سال پہلے اس کام کو شروع کیا۔ امیر کا خیال تھا کہ "اس مسجد کو وسیع پیمانہ پر مسجد دمشقیہ کا مقابل بنائے اور اس میں وہ عجیب آرائشیں اور گلکاریاں دکھائے جو ہیکل سلیمانی کو بھی جسے رومیوں نے برباد کر دیا تھا، بھلا دیں"۔ یہ مسجد ایک کلیساء بنجنت Vincent کی جگہ بنائی گئی جو ایک مسیحی شہید کی یاد میں تعمیر کیا گیا تھا۔ السّمح خولانی کے عہدِ امارت میں جب قرطبہ دارالسلطنت مقرر ہوا، تو مسلمانوں نے مسجد کی توسیع کے لئے عیسائیوں سے باقیماندہ حصّہ خرید نے کی خواہش ظاہر کی۔ لیکن وہ تھے کہ احسان مندی اور رواداری کے باوجود بھی ماننے کو تیار نہ ہوئے۔ جب عبدالرحمٰن الداخل کا زمانہ آیا۔ تو اس نے بہت بھاری قیمت ادا کر کے تمام کا تمام حصّہ خرید لیا۔ قبضہ حاصل کر لینے کے بعد ۱۷۰ھ میں امیر نے گرجا کو گرا کر ایک دیدہ زیب مسجد کی دیواریں کھڑی کیں۔ تعمیر کا کام جس جذب و شوق سے شروع ہوا، اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ امیر نے دو سال کے قلیل عرصہ میں (جو ۱۷۲ھ پر منتج ہوتا ہے اور جو امیر کی وفات کا سال ہے) ۸۰ ہزار دینار سرخ خرچ کئے۔

Marfat.com

مسجد کی بیرونی چار دیواری اتنی بلند و بالا اور مضبوط تھی کہ وہ شہر پناہ کی دیوار نظر آتی تھی اس کے ۲۰۰ چوپہل پشتیبان بنائے گئے تھے اُن پر کنگرے بھی تھے مسجد کے دروازے کے قریب ہی وہ مینار تھا جو عظمت و شوکت کا نشان تھا اور جس پر موذن کھڑا ہو کر اذان کہتا تھا۔

مسجد کی چھت ستونوں پر قائم تھی، اور ان کی ترتیب اس وضع پر ہوئی تھی کہ ان کے تقاطع سے دونوں طرف کثرت سے متوازی راستے بن گئے تھے۔ ان ستونوں پر نہایت پُرتکلف نعل اسپی محرابیں قائم تھیں۔ چھت زمین سے تیس فٹ کے قریب بلند تھی۔ جس کے سبب صاف ہوا اور کافی روشنی مسجد میں داخل ہوتی تھی۔ آرائشوں کی جدت اور ندرت نے اسے دوسری عمارات سے ممتاز بنا دیا ہے۔ افسوس ہے کہ زندگی نے وفانہ کی اور امیر (الداخل) جلد ہی اس دُنیا سے چل بسے ورنہ عجائبِ زمانہ میں ایک اور مفید اضافہ ہوتا۔

الداخل کے بعد امیر ہشام مسندِ خلافت پر بیٹھے۔ آپ نے بھی اپنے دورِ حکومت کے سات سالوں میں تمام مالِ غنیمت کا ۱/۵ حصہ مسجد کی تکمیل پر خرچ کیا۔ اور مفید اضافے کرتے رہے۔ — کیا یہ کام وقتی تھا؟ کیا یہ ہیجانِ جذبات کا نتیجہ تھا؟ نہیں بلکہ اس کے پیچھے اوضاع و عادات کی وہ فیاضی اور مخیری تھی جس سے شاہانِ اندلس متصف تھے، اور جسے دوسروں میں ڈھونڈنا لاحاصل ہے۔ اس کے پس پردہ فطرتِ انسانی کا وہ اعزاز

Marfat.com

تھا جس نے اُنہیں ہمیشہ ہی دوسروں پر ممتاز رکھا۔
اس کی تکمیل پر ماہ وسال نہیں صدیاں خرچ ہوئیں۔ ہر امیر[1] نے

---

[1] امیر الداخل (المتوفی ۷۸۸ء) کے بعد ان کے پوتے عبدالرحمٰن الاوسط کے عہد میں پہلا اہم اضافہ ہوا۔ مسجد کے دالانوں کو قبلہ رُخ بڑھایا گیا۔ قبلہ کی دیوار بھی گرا کر از سرِ نو تعمیر کرنی پڑی امیر نے اس کے علاوہ "محراب" اور "مقصورہ" کی بھی بنیاد ڈالی۔ اوسط کے عہد میں بہت سا کام جلدی کے سبب نامکمل رہ گیا تھا۔ چنانچہ آپ کے صاحبزادے امیر محمد (المتوفی ۸۸۶ء) نے مسجد کی تکمیل کی اور پچی کاریوں اور کاشی کاریوں کے ذریعے اس کی آرائش وزیبائش میں گرانقدر اضافہ کیا۔ قصرِ شاہی سے مسجد تک آنے کا راستہ پہلے کھلا تھا، اب اس کو مسقف کر دیا گیا۔ یہ مسقف راستہ "ساباط" کہلاتا تھا۔

امیر عبداللہ نے جو ۹۱۲ء میں فوت ہوئے اُن تمام حصّوں کی مرمت کرا دی جو درستی طلب تھے۔ لیکن بعد کے ایک زلزلے نے مسجد کے مینار اور دوسرے حصوں کو شدید نقصان پہنچایا۔

جب عبدالرحمٰن الناصر (المتوفی ۹۶۱ء) کا زمانہ آیا تو آپ نے نہ صرف ایک عظیم الشان مینار ہی بنوایا جو ۷۰ گز بلند تھا اور جو فنِ تعمیر کا ایک نادر نمونہ تھا۔ بلکہ مسجد کی شان وشوکت بڑھانے کیلئے مختلف ممالک سے سنگِ مرمر، سنگِ رخام، سنگِ سماق اور زبرجد کے بنے ہوئے ستون منگوائے تاکہ مسجد ایک ہرا بھرا نخلستان نظر آئے۔

الناصر کے بعد الحکم ثانی (المتوفی ۹۷۶ء) تخت نشین ہوئے۔ اُنہوں نے صدر مسجد کے مسقّف حصّہ کو دوگنا کر دیا اور قبلہ کی طرف کافی اور دالانوں کا اضافہ کیا۔ اس نئے اضافے کے سبب "محراب" اور "مقصورہ" دونوں از سرِنو پیچھے ہٹا کر بنانے پڑے۔ یوں تو مسجد کی ہر چیز ہی دلکش اور حسین تھی۔ لیکن محراب جو گورے مرمر سے بنائی گئی تھی اور منبر جو ۳۵۰۰۰ دینار سُرخ کے صرف سے تیار کیا گیا تھا، اپنی مثال آپ تھے۔ آخری بڑا اضافہ ہشام (المتوفی ۱۰۱۰ء) کے عہد میں ہوا۔ جو اضافے اس عہد میں ہوئے وہ پُرشکوہ ہونے کے علاوہ آخری تھے اس طرح اس مسجد کی تکمیل پر سوا دو سو برس خرچ ہوئے۔ اگر یہ کہا جائے کہ یہ مسجد اسلامی فنِ تعمیر کے تمام مدارج کا مظہرِ اتم ہے تو غلط نہ ہوگا۔

Marfat.com

اپنی بساط اور ذوق کے مطابق اس پر بے دریغ خرچ کیا۔ اپنے ذرائع اور وسائل کو استعمال کیا، اور مسالۂ تعمیر کو ہر ممکن قیمت پر دُور و نزدیک سے منگوایا۔ اس طرح یہ عمارت اپنی تمام عظمت و رفعت کے ساتھ خلیفہ ہشام (المؤید باللہ) کے وقت محمد بن ابی عامر کی نگرانی میں اختتام کو پہنچی۔ مسجد کا طول و عرض (جس میں صدر مسجد کے مسقّف حصے، صحن مسجد اور اردگرد کے دالان بھی شامل ہیں، انسائیکلوپیڈیا برٹینکا کی روایت کے مطابق ۵۷۰ فٹ × ۴۲۵ فٹ تھا۔

مسجد کے بعض نادر حصے اور ان کا بیان

محراب و منبر:-

محراب جس سنگِ مرمر سے تیار کیا گیا تھا، وہ دودھ سے زیادہ اُجلا اور برف سے زیادہ چمکدار تھا۔ صنّاعوں نے اُسے سات پہلودار والا کمرہ بنایا تھا۔ جس کے اندر کی جانب سنگ تراشی کا کام گلکاری میں کیا گیا تھا۔ اس کا طول شمالاً جنوباً ۱۵ فٹ اور عرض شرقاً غرباً ۱۳ فٹ تھا۔ اس کی ایک جانب وہ منبر تھا جو خوشبودار اور قیمتی لکڑیوں کے ۳۶۰۰۰ ٹکڑوں سے بنایا گیا تھا۔ ٹکڑوں کو جوڑنے کے لیے سونے اور چاندی کے کیل لگائے گئے تھے۔ نفح الطیب میں ابن بشکوال کی جو عبارت نقل ہوئی ہے، اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ لکڑی کے ہر ٹکڑے پر ۷ درہم نقرئی خرچ آئے تھے اور منبر پر کل لاگت ۲،۵۲،۰۰۰ درہم نقرئی آئی۔ جو لکڑی استعمال کی گئی تھی، اس میں صندل، بقم، خدنگ، آبنوس اور شوحط شامل ہیں۔ یہ منبر آٹھ صنعت کاروں نے مل کر سات برس میں مکمل کیا تھا۔ منبر میں زیادہ آب و تاب پیدا

Marfat.com

کرنے کے لئے اسے مرصّع بہ جواہر بنا دیا گیا تھا۔

اس مسجد کے بعض حصّے تو خداوندِ یسوع مسیح کے پجاریوں نے اپنے "ذوق" کے مطابق برباد کر دیئے۔ بعض حصّے زمانے کے دستِ تطاول نے خرد برد کر دیئے، اور بعض حصّے بعد کی مرمتوں اور سفیدیوں کی تہ کے نیچے دب گئے۔ اگر کوئی چیز مرورِ ایام کے باوجود بچ رہی ہے تو وہ محراب ہے۔ جس کی چمک اور تابانی آج بھی آنکھوں کو خیرہ کر رہی ہے۔

ستون:-

امیر عبدالرحمٰن الداخل اور امیر ہشام کے عہد میں جو ستون استعمال کئے گئے وہ یا تو قرطاجنہ سے آئے تھے یا اربونہ اور اشبیلیہ سے۔ تاریخ کی ورق گردانی سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ کچھ رنگ برنگ کے ستون لوئی چہارم نے امیر اندلس کو بطور تحفہ بھیجے تھے۔ ان کے علاوہ اور قیمتی تحائف بھی تھے۔ جو رنگین پتھر، بلور اور نگینوں پر مشتمل تھے۔ لیکن یہ ستون تعداد میں اس قدر زیادہ نہ تھے کہ تمام آئندہ ضروریات کو پورا کر سکتے۔ عبدالرحمٰن الناصر نے اندلسی سنگ مرمر سے جو اپنی چمک اور دمک میں غیر ملکی سنگِ مرمر سے کسی طرح بھی کم نہ تھا، مختلف رنگوں کے ستون ترشوائے۔ ان میں سپید بھی تھے اور سیاہ بھی، نیلگوں بھی تھے اور میگوں بھی۔ ان ستونوں پر جو سنگِ سماق، سنگِ رخام اور زبرجد سے بنائے گئے تھے، سونے کی مینا کاری اور جواہرات کی پچی کاری کی گئی تھی، جو نہایت دلکش اور دیدہ زیب تھی۔ یہ ستون تعداد میں ۱۴۰۰ سے زائد تھے۔ اور یہ

Marfat.com

گرانڈیل جواں یوں نظر آتے تھے جیسے دیودار کا پیڑ۔ یا کوئی دلفریب نخلستان جس میں ہزارہا کھجوروں کے درخت کھڑے ہوں۔ اُن کے سیدھے تنوں اور ژولیدہ شاخوں کو کسی ساحر نے اپنے سحر سے یک لخت پتھر کا بنا دیا ہو۔"

ان مختلف اللون ستونوں پر نعل اسپی محرابوں کا وجود اپنے صناعوں کی کمال صنعت پر دلالت کرتا ہے۔

دروازے:-

مسجد کے دروازوں کی تعداد ۹ سے بڑھ کر ۲۱ تک پہنچ گئی تھی۔ ۹ دروازے مشرق کی جانب تھے اور ۹ مغرب کی جانب ان میں سے ہر طرف آٹھ آٹھ دروازے مردوں کے لئے مخصوص تھے۔ اور ایک ایک دروازہ عورتوں کے لئے۔ شمال کی جانب تین دروازے تھے۔ جنوب کی طرف سونے کے کواڑوں والا ایک بڑا اور دروازہ تھا جہاں سے امیر اندلس مقصورہ میں داخل ہوتے تھے۔ یہ دروازہ اصل تعداد میں شمار نہیں کیا گیا۔ کواڑوں پر صیقل شدہ پیتل کی پتریاں چڑھائی گئی تھیں، جو سورج کی روشنی میں خوب چمکتی تھیں۔

دار الصدقہ:-

مسجد کے مغرب کی جانب الحکم ثانی نے نادار طلباء، مسافروں اور مسکینوں کے قیام کے لئے کثیر رقم خرچ کر کے بہت سی عمارات بنوائی تھیں۔ یہاں خورد و نوش کا بہترین انتظام تھا۔ اور شہر کے نو واردوں کے لئے یہاں پر تمام قسم کی سہولتیں مہیا کی گئی

Marfat.com

تھیں۔ بسا اوقات اصحابِ علم وفضل بھی یہاں آکر ٹھہر جاتے۔ لیکن ان کی خاطر و مدارات اُن کے مقام کے مطابق کی جاتی تھیں۔

روشنی کا انتظام:۔

مسجد میں فانوسوں اور موم بتیوں کی روشنی کے سبب رات کو بھی دن کا گمان ہوتا تھا۔ ایسے چراغوں کی صحیح تعداد ابھی تک متعین نہیں ہوسکی۔ بہر حال وہ ساڑھے سات ہزار سے کم نہ تھے۔ سال بھر میں ساڑھے تین من موم کے استعمال کے علاوہ ۳۰۰ من تیل جلایا جاتا تھا۔ اس میں سے نصف کے قریب تیل تو ماہِ رمضان میں خرچ ہوجاتا تھا۔ مسجد کی رونق اور لوگوں کی آمد ورفت کو دیکھ کر گمان ہوتا تھا کہ شاید قرطبہ کے لوگ گھروں کو خیر باد کہہ چکے ہیں، اور قرطبہ کی جیتی جاگتی دُنیا سمٹ سمٹا کر یہیں اکٹھی ہوگئی ہے۔

سب سے بڑا فانوس محراب میں لٹکتا رہتا تھا۔ جس میں کوئی ہزار سے زیادہ چراغ تھے۔ اس کا دَور ساڑھے بارہ گز کے قریب تھا۔ لوبان وغیرہ کے استعمال کے علاوہ ہر جمعہ کو عود اور عنبر بھی جلایا جاتا تھا۔ جس کی خوشبو ایک عجیب کیف ومستی پیدا کردیتی تھی۔

مسلمانوں کی ہجرت کے بعد مسجد کی حالت

ساقی کے چلے جانے کے بعد مے خانے پر کیا گذری! یہ ایک المناک داستان ہے۔ ۱۲۳۵ء میں جب فرڈی نینڈ شاہِ قشتالیہ نے قرطبہ کو فتح کرلیا، تو اُس نے حکم دیا کہ مسجد کے اندر سب سے پہلے اُسی کے نام پر ایک کابلیہ بنایا جائے۔ اس کا بیلے کی تعمیر کے لئے ستون مسمار کردیئے گئے۔ جالیاں توڑدی گئیں اور سُنہری

Marfat.com

بیل بوٹے جو سنگِ مرمر میں کاڑھے گئے تھے، صاف کر دیئے گئے۔ عیسائی معماروں نے مسجد کے ہر گوشے میں اور ہر کمرے میں اپنے "شہیدوں" اور "راہبوں" کی کوئی نہ کوئی قربان گاہ کھڑی کر دی۔ اس طرح وہ مسجد جو خدا کے نام لیواؤں نے اقرارِ عبودیت اور اظہارِ عجز و نیاز کے لئے تعمیر کی تھی، آج ایک صنم کدہ بن گئی تھی۔ سوائے حجروں اور کابیلوں کے اور کچھ نظر ہی نہیں آتا۔ وہ مقصورہ منہدم ہو چکا ہے جس میں امیر نماز ادا کرتے تھے، وہ منبر ٹکڑے ٹکڑے ہو چکا ہے جو بیش قیمت لکڑی اور ہاتھی دانت سے بنایا گیا تھا، وہ حجرہ پامال ہو چکا ہے جو صرف قاضی القضاۃ کے لئے مخصوص تھا اور جہاں داد خواہ انصاف کی بھیک مانگنے کے لئے آیا کرتے تھے۔ وہ عظمت و شوکت اب پیوندِ زمین ہو چکی ہے جو اس مسجد کے ساتھ مخصوص تھی۔ اس کی پامالی اور تباہی کا رونا اپنوں ہی نے نہیں بلکہ غیروں نے بھی رویا ہے۔ ۱۵۲۶ء میں جب چارلس پنجم اس مسجد کو موجودہ ہئیت میں دیکھنے کے لئے آیا تو اس نے اُسقفِ اعظم سے بگڑ کر کہا۔

> "افسوس ہے، جو چیز تم نے یہاں بنائی ہے، وہ دوسری جگہ بھی بن سکتی تھی۔ مگر جس چیز کو تم نے بگاڑا ہے اس کی مثل کبھی تیار نہ ہو سکے گی!"

(۳) مدینۃ الزہرا

عبدالرحمٰن الناصر لدین اللہ کے عہد میں اندلس اپنے معراج کے آخری نقطہ پر پہنچ چکا تھا۔ لوگ خوش و خرم تھے اور زندگی پُرسکون تھی۔ آمدنی کے وسائل اس قدر وسیع تھے کہ تعجب ہوتا تھا اور دولت

Marfat.com

کی فراوانی اتنی تھی کہ بقول ۔ فلپ ۔ کے ۔ ہٹی کے الفاظ میں

"اندلس کو جس قدر خوشحالی اس دور میں نصیب ہوئی ۔ اور قرطبہ کو جو فراوانی اس عہد میں حاصل ہوئی ، وہ نہ اس سے پہلے کبھی نصیب ہوئی تھی اور نہ ہی اس کے بعد"

آمدنی کا ایک تہائی حصّہ تعمیری کاموں پر خرچ ہوتا۔ ایک تہائی فوج کے قیام اور نظم و ضبط پر ، اور ایک تہائی پس انداز کیا جاتا۔ الناصر کے دربار کی عظمت اور دولت کا یہ حال تھا کہ جرمنی ، اٹلی ، فرانس ، صقالیہ ، دُوقہ اور اردُون Ordono کے بادشاہوں اور رئیسوں نے اپنے سفیر اور ایلچی دربارِ خلافت میں بھیج رکھے تھے ۔ الناصر نے ان سیاسی شخصیتوں سے ملاقات مدینۃ الزہرا کے اُس شاہی محل میں کی تھی جو اپنی عالیشان عمارتوں ، پُر فضا باغوں سیمابی حوضوں اور سے گول ستونوں کی وجہ سے "نئی دُلہن" بنا ہوا تھا۔

اس کی تعمیر بھی ایک رومانوی حیثیت رکھتی ہے ۔ کہا جاتا ہے کہ الناصر کی ایک لونڈی بہت سی دولت اس وصیّت کے ساتھ چھوڑ کر مر گئی کہ اس کا ترکہ ان قیدیوں کو چھڑانے پر خرچ کیا جائیگا۔ جو عیسائی حکمرانوں کی قید میں ہوں ۔ بسیار تلاش کے بعد پتہ چلا کہ کوئی مسلمان بھی کسی عیسائی علاقے میں زیرِ حراست نہیں ہے ۔ یہ دیکھتے ہوئے کہ رقم بغیر مصرف کے پڑی رہے گی ، الناصر کی ایک چنچل اور شوخ کنیز نے جو زہرا کے نام سے پکاری جاتی تھی ، بادشاہ سے درخواست کی کہ ایک پُر تکلف شہر اُس کے نام سے تعمیر کروایا

Marfat.com

ہو گئے ہیں۔ غرناطہ کی ٹکسال اب سونے چاندی کے سکوں کی بجائے ایسی فولادی تلواریں اور بھالے تیار کرتی ہے جس سے عیسائیوں کے جگر چاک کیے جا سکیں"[1]۔ اس نے یہ عزم کر لیا تھا کہ یا تو اس ملک پر جہاں انہیں حکومت کرتے آٹھ سو برس گزر چکے ہیں، وہ آزادانہ اور بلا شرکت غیرے حکومت کریں گے یا میدانِ جنگ میں اپنی جانیں دے دیں گے سلطان کا یہ جواب کبر و نخوت یا لاف زنی پر مبنی نہ تھا بلکہ، جیسا کہ آئندہ واقعات سے پتہ چلتا ہے، اس کے عزم دلیقین کا آئینہ دار تھا۔

مولائے حسن نے قلعہ صخرہ پر، جو اپنی بلند و بالا دیواروں اور ناقابل تسخیر عمارتوں کے لیے مشہور تھا حملہ کر دیا اور اُسے ایک ہی رات میں فتح کر لیا جس رات کو قلعہ صخرہ فتح ہوا، وہ رات بڑی تاریک اور طوفان خیز تھی۔ مسلمانوں نے اپنی شجاعت و جوانمردی کے وہ جوہر دکھائے کہ عیسائی اپنی جمعیت اور قوت و ہمت کے باوجود مقابلے کی تاب نہ لا سکے اور میدان سے ہٹ آئے۔

فرڈی نینڈ نے اس شکست کا بدلہ لینے کے لئے قادس کے گورنر کو الحمہ کے قلعے پر حملہ کرنے کے لئے حکم دیا۔ قلعہ الحمہ فتح ہو گیا اور فاتح افواج نے ہزاروں مسلمان عورتوں اور بچوں کو تہ تیغ کر دیا۔ جب اس حادثہ کی خبر غرناطہ پہنچی تو تمام شہر میں کہرام مچ گیا۔ مولائے حسن نے اپنے وزیر کو حکم دیا کہ وہ الحمہ کو عیسائیوں سے فوراً آزاد کروائے اور انہیں ان کے جرم کی قرار واقعی سزا دے۔ قلعہ الحمہ کا فوراً ہی محاصرہ کر لیا گیا۔ لیکن یہ محاصرہ ابھی مکمل نہ ہوا تھا کہ قرطبہ سے عیسائیوں کے

---

[1] عرب اسپین میں، کانڈے، ج ۳، ص ۳۴۳،

Marfat.com

ایک عظیم لشکر کی آمد کی اطلاع ملی ۔ سالارِ فوج نے حسبِ ضرورت فوج کا ایک حصّہ وہاں چھوڑا اور خود نئے لشکر کا مقابلہ کرنے کے لئے قرطبہ کی طرف روانہ ہوا۔ قرطبہ سے آنے والی فوج کا مقابلہ شروع ہی ہوا تھا کہ اشبیلیہ سے ایک اور لشکر کے آنے کی اطلاع موصول ہوئی عیسائی افواج کی کثرت اور یورپ کی اس لڑائی میں دلچسپی کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ :۔

سپین کے رئیس الاساقفہ سنٹیاگو،
براگا (BRAGA) کے اسقف،
پالین شیا (PALAN SHAYA) کے لاٹ پادری،
پائرے نیز سے لیکر بحیرۂ روم تک کے معزز
خاندانوں کے نمائندے اور
فرانس سے لیکر بحیرہ اٹلانٹک تک کے
تجربہ کار فوجی سپاہی جذبۂ جہاد سے سرشار
اس لڑائی میں شریک ہوئے۔

عیسائیوں نے اپنی قوت کے بل بوتے پر لوشہ کا محاصرہ کر لیا۔ مولائے حسن کو پتہ چلا تو انہوں نے فوراً اپنے گھوڑے کی باگ لوشہ کی طرف موڑ دی۔ دونوں سپاہ ایک دوسرے کے سامنے صف آرا ہوئیں۔ مقابلہ بڑا سخت تھا۔ عیسائیوں کی فوج میں آزمودہ کار سپاہی بھی تھے اور آتش بیان مقرر بھی؛ ممتاز خاندانوں کے نمائندے بھی تھے اور عظیم ریاستوں کے نوابین اور رؤسا بھی۔ الغرض یہ ایک ایسی فوج تھی جس میں فولادی انسانوں کو جنگ و قتال پہ اُبھارنے کے لیے

Marfat.com

"واعظ زنگی، ہمارا ، مھ ، موجود تھے اور ان کی تمام تقصیرات کو معاف کرنے اور انھو ، آسمانی بادشاہت میں داخل ہونے کی بشارت دینے کے لئے "نقیبِ سحر" بھی حاضر تھے۔ سلطان حسن کی فوج عددی قوت اور مادی وسائل کی کمی کے باوجود ایسی بے جگری سے لڑی کہ عیسائی لشکر کے میدان میں مات کھا گئے۔

اس موقعہ پر جب کہ مسلمان زندگی اور موت کی لڑائی لڑ رہے تھے اور تمام طاغوتی طاقتیں ان کے خلاف متحد ہو چکی تھیں، سلطان کے دونوں بیٹوں ابو عبداللہ محمد اور یوسف نے اس خوف سے کہ کہیں ان کا باپ ان کے سوتیلے بھائی کو جو عیسائی کنیز ازابلہ کے بطن سے تھا تخت و تاج کا وارث نہ بنا دے، ۱۴۸۳ء میں سلطان کے خلاف بغاوت کر دی اور غرناطہ کے کچھ حصوں پر قبضہ کر لیا۔ سلطان کو علم ہوا تو اس نے مالقہ میں مقیم ہو کر بغاوت کو فرد کرنے کی کوشش کی عیسائیوں نے موقعہ کو غنیمت جانتے ہوئے مالقہ پر حملہ کر دیا۔ سلطان حسن اور اس کی افواج نے جس جاں سپاری اور ایثار و قربانی کا ثبوت دیا اس کی تاریخ میں بہت کم مثالیں ملتی ہیں۔ عیسائیوں کے حملے کو نہ صرف پسپا کر دیا گیا بلکہ انہیں شدید نقصان پہنچا۔

ظاہر ہے کہ مسلمان اپنی تاریخ کے ایک نازک دور سے گزر رہے تھے۔ وقت اتحاد اور یکجہتی، ایثار اور قربانی کا متقاضی تھا۔ لیکن شومی قسمت کہ ابو عبداللہ محمد کی اپنے باپ کے خلاف بغاوت نے قومی یکجہتی پر کاری ضرب لگائی اور قوم کو ہلاکت کی اس عمیق غار کے کنارے لا کھڑا کیا جہاں نبضیں چھوٹتی ہیں اور دل ڈوبتے ہیں۔ باپ کے خلاف

Marfat.com

کشمکش میں بیٹا ہار گیا اور پناہ حاصل کرنے کی غرض سے غرناطہ کی طرف بھاگا۔

ابو عبداللہ محمد بھاگتے ہوئے راستے میں پکڑا گیا اور شاہ قسطالیہ کے پاس قیدی بنا کر بھیج دیا گیا۔ بیٹوں کی بغاوت اور سرکشی نے بوڑھے باپ کی عزتِ نفس کو سخت دھچکا لگایا۔ ایک طرف عیسائی افواج موج در موج آگے بڑھ رہی تھیں۔ ان کی سازشیں اور ہوسناکیاں مسلمانوں کے لیے بہت بڑا چیلنج تھیں۔ دوسری طرف اپنوں کی نفاق پسندی، شر انگیزی اور بدبھدی اس عظیم کہانی کو اپنے منطقی انجام کے قریب تر لا رہی تھی جس کے کردار کبھی ہنستے کھیلتے اور جیتے جاگتے انسان تھے، جس کا پلاٹ حسین اور مربوط تھا اور جس کا ماحول کہکشاں سے زیادہ اُجلا اور لنظر فریب تھا۔ مولائے حسن روز روز کی سازشوں اور جھگڑوں سے دل برداشتہ ہو کر حکومت کے کاروبار سے علیحدہ ہو گئے اور حکومت کی باگ ڈور اپنے بھائی عبداللہ الزاغل کے حوالے کر دی۔

۱۴۸۵ء میں عیسائیوں نے ایک لشکر گراں کے ساتھ مالقہ پر پھر حملہ کر دیا۔ اور قلعہ لفوان کا سختی سے محاصرہ کر لیا۔ مسلمان اگرچہ تعداد میں تھوڑے تھے لیکن اُنھوں نے استقامت اور ہمت کے وہ جوہر دکھائے کہ عیسائیوں کے لیے جان بچانا مشکل ہو گیا۔ فرڈی نینڈ کو یقین ہو گیا کہ الزاغل کو شکست دینا آسان کام نہیں۔ وہ دور اندیش تو تھا ہی، اس نے سوچا کہ جنگ کو غیر محدود عرصے کے لیے جاری رکھنا بھی خطرے سے خالی نہیں۔ اس نے اپنے ترکش کا آخری اور یقینی تیر نکالا اور اُسے مسلمانوں پر آزمانا چاہا۔ ابو عبداللہ محمد کو جو ابھی تک اس

Marfat.com

کی قید میں تھا رہا کر دیا گیا اور اُسے اپنے چچا الزاغل کے خلاف غرناطہ پر فوج کشی کی ترغیب دی۔ فرڈی نینڈ کا یہ تیر نشانے پر بیٹھا۔ اور مسلمانوں کے درمیان پھر سے خانہ جنگی شروع ہو گئی۔

الزاغل کے لئے ابو عبداللہ محمدؐ اور فرڈی نینڈ کی متحدہ فوجوں کا مقابلہ مشکل ہو چلا تھا۔ ۱۴۸۷ء میں جب البیازین کو فتح کرنے کی کوشش ناکام ہو گئی تو الزاغل نے ممالکِ محروسہ کے تمام جاگیرداروں اور صوبہ داروں سے حلف لیا کہ وہ متحد ہو کر جہاد میں پوری کوشش کریں گے۔ لیکن مسلمانوں کی افواج تو ضعف اور بے ہمتی کا شکار ہو چکی تھیں۔ باہمی رقابتوں اور عصبیتوں نے ان کے فوجی محاسن کو بھسم کر دیا تھا۔ ان کا مورال پست ہو چکا تھا۔ فوجی ذرائع دیگر اقتصادی وسائل کی طرح محدود ہو گئے۔ دشمن مسلمانوں کی اس حالت سے بخوبی آگاہ تھا۔ چنانچہ اسی سال فرڈی نینڈ نے اپنی برّی اور بحری افواج کیساتھ مالقہ پر حملہ کر دیا۔ الزاغل اپنی زندگی کی آخری لڑائی لڑنے کے لئے مالقہ کی طرف روانہ ہوا۔ اس نے ابھی نصف راہ بھی طے نہ کی تھی کہ اسے ابو عبداللہ کے غرناطہ پر قبضہ کر لینے کی اطلاع ملی۔ الزاغل کچھ بھی تو نہ کر سکا۔ مالقہ عیسائیوں کے قبضہ میں آ گیا اور غرناطہ ابو عبداللہ کے تصرف میں چلا گیا۔

ابو عبداللہ کو فرڈی نینڈ پر بڑا اعتماد تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ جو علاقے فتح کر لئے گئے ہیں اور جہاں پر اس کی سیادت تسلیم کر لی گئی ہے وہ اس کے حوالے کر دیئے جائیں گے۔ اسے یہ بھی یقین تھا کہ فرڈی نینڈ ایک اچھے اور مخلص دوست کی طرح ان تمام مواعید کو پورا کریگا جو اس نے ابو عبداللہ کیساتھ کئے تھے۔ لیکن بسطہ پر فرڈی نینڈ

Marfat.com

کے حملے نے اس کی نودمیدہ امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ اُسے اب محسوس ہوا کہ امید کی جو کرن خوش بختی کے آسمان پر ابھری تھی وہ محض ایک دھوکہ تھا، ایک فریب تھا۔ اس نے اپنے مستقبل کی راحت و مسرت کا جو خوش آئیند خواب دیکھا تھا وہ جلد ہی کتابِ ماضی کا ایک بوسیدہ ورق بننے والا تھا۔ بسطہ ۱۴۸۹ء میں فتح ہو گیا اور مسلمانوں نے "جان اور مال" کی حفاظت کی شرط پر فرڈی نینڈ سے صلح کر لی۔ معاہدہ کی سیاہی ابھی خشک بھی نہ ہوئی تھی کہ مسلمانوں کا بے دریغ قتل شروع ہو گیا۔ ان کے گھروں کو جلا دیا گیا اور ان کے اموال پر قبضہ جما لیا گیا۔

الزاغل جو مالقہ کے چھن جانے کے بعد وادی آش میں ٹھہر گیا تھا۔ یہ فیصلہ نہ کر سکا کہ کون سی راہ اختیار کرے۔ صبر و استقامت کی راہ یا فرار کی راہ؛ خاک وطن کی حفاظت کے لئے ایثار و قربانی کی راہ یا فرڈی نینڈ سے صلح کی راہ۔ الزاغل نے فیصلہ کر لیا کہ دوسری راہ اختیار کرے گا تاکہ نمک حرام ابوعبداللہ سے اس کی بدعہدیوں اور سازشوں کا بدلہ لے سکے۔ وہ اپنے دل میں ناصبوری و یاس لئے اس شخص کی طرح آگے بڑھ رہا تھا جو ریس میں جانے والا ہو اور اپنی زندگی کی تمام کمائی کسی گھوڑے پر لگا دینے کا عزم کئے ہو۔ وہ نہ جانتا ہو کہ تھوڑی دیر بعد وہ دنیا کا خوش نصیب انسان ہو گا یا سب سے بدنصیب۔

ابوعبداللہ نے غرناطہ کے بعد البشرات کو بھی فتح کر لیا۔ الزاغل نے فرڈی نینڈ کی طرف دستِ سوال بڑھایا۔ اور مدد کے عوض میں المریہ اور وادی آش کے علاقے اس کے سپرد کرنے کی پیش کش کی۔ یہ تجا

Marfat.com

اور بھتیجے کے درمیان نئی خلفشار نے فرڈی ننینڈ اور ملکہ ازابیلا کے دل میں نئے حوصلوں اور ولولوں کو جنم دیا۔ انھوں نے ایک طرف تو الزاغل کو افریقہ چلے جانے کا مشورہ دیا اور دوسری طرف ابو عبداللہ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اپنے راستے سے ہٹا دینا چاہا۔ الزاغل افریقہ روانہ ہوگیا اور تلمسان میں سکونت اختیار کر لی۔

اب غرناطہ کا محاصرہ شروع ہوا۔ وہ غرناطہ جس کی زمین گوہر بار تھی، جس کے باغات جنت نشاں تھے، جس کی خاک مردم خیز تھی۔ جو مرکزِ علم و ادب تھا اور معدنِ سیم و زر تھا۔

وہ غرناطہ جس کے محلات پر شبہ ہوتا تھا کہ وہ فرشتوں کے ہاتھوں کی صنعت ہیں۔ جس کی یونیورسٹیاں دحشی یورپ کو حریتِ افکار سے مالامال اور برکاتِ تمدن سے ہمکنار کرنے والی تھیں۔

وہ غرناطہ جس کے لوگ اپنی راست بازی اور امانت و دیانت میں شہرہ آفاق تھے۔ ان کے منہ سے نکلا ہوا لفظ اندلس کے عیسائیوں کی تحریر کے مقابلہ میں زیادہ وقیع اور کافی سمجھا جاتا تھا[1]۔

فرڈی ننینڈ بڑے ساز و سامان اور لاؤ لشکر کے ساتھ غرناطہ پہنچا اہلِ غرناطہ نے کچھ عرصہ تو بڑی پامردی اور استقلال سے غنیم کا مقابلہ کیا لیکن جب سردی بڑھی اور برف باری کے سبب تمام راستے جن سے رسد آتا تھا مسدود ہوگئے تو لوگوں نے ابو عبداللہ کو لومڑی کی طرح کاوا دینے یا فاقے مرنے کی بجائے مردوں کی طرح میدانِ جنگ میں لڑنے اور قبائے زندگانی کو خونِ شہادت سے رنگین کرنے کا مشورہ دیا۔

---

[1] ہسٹری آف دی سارسنس، سید امیر علی، ص ۵۶۶۔

ابو عبداللہ نے امرائے سلطنت سے مشورہ طلب کیا۔ سب کا یہی خیال تھا کہ جنگ سے گریز کیا جائے اور غنیم سے ایسی شرط پر صلح کر لی جائے جس سے عامۃ خلائق کو جان و مال کا نقصان نہ پہنچے۔ ابو عبداللہ کو اس بات کا احساس تھا کہ خارجی محاذ کیطرح غرناطہ کا داخلی محاذ بھی سخت کمزور تھا۔ مارٹن الارکون (M. ALARCON) اور گانسا لوڈی کار ڈووا (GONSOLVADI CORDOVA) نے دوستی کے پردے میں غرناطہ کے لوگوں کو رشوتیں دے کر امیر سے بدظن کر دیا تھا۔ ملک کے غریب اور بھوکے عوام ملک کی عزت پر روپے کو مقدم سمجھنے لگے تھے۔ شہریوں کا خلوص مشتبہ تھا اور ان کی ہمتیں کوتاہ تھیں۔

طویل محاصرہ سے تنگ آکر غرناطہ کے لوگوں نے اخوت اسلامی کے نام پر قسطنطنیہ کی اسلامی حکومت کو مدد کے لئے لکھا۔ عرضداشت کے الفاظ اس قدر رقت انگیز تھے کہ " سنگدل کو بھی موم کر دیں"۔ چنانچہ قسطنطنیہ کے حکمران، بایزید ثانی نے پوپ کو تحریر کیا کہ وہ اپنا اثر و رسوخ استعمال کرتے ہوئے قشتالیہ کے حکمران کو مسلمانوں پر مظالم ڈھانے سے باز رکھے۔ سلطان نے مزید لکھا کہ " سلطنت ترکی میں تمام عیسائی آزادی خیال و افعال رکھتے ہیں۔ اگر مسلمانان اندلس پر یہی ظلم جاری رہا تو اس کا بدلہ وہ اپنی عیسائی رعایا سے لیں گے"[1] پوپ نے اصل خط فرڈی نینڈ کو بھجوا دیا لیکن اس میں مسلمانوں کے لئے کوئی سفارش نہ کی گئی تھی۔ فرڈی نینڈ نے پوپ کو وہی جواب دیا جو ایک با اختیار اور با اقتدار فاتح کو دینا چاہیئے تھا۔ اس نے کہا: " تمام جزیرہ نما کے

---

[1] اخبار الاندلس، ج ۲، ص ۶۹۲۔

Marfat.com

سے بدرجہا بہتر تھے۔"

مسلمانوں نے اپنے عروج کے زمانہ میں یہاں دیدہ زیب محلات تعمیر کیے تھے، جو اپنے مرمریں ستونوں، نعلِ اسپی نما محرابوں روپہلی اور سنہری قلعیوں اور مخصوص طرز کی مرصّع کاریوں کے لئے اندلسی فنِ تعمیر سے بہت کچھ مماثلت رکھتے تھے۔ اگرچہ صقلیہ اور اندلس کے طرزِ تعمیر میں ایک نمایاں فرق ہے لیکن پھر بھی قدریں مشترک ہیں۔

یہ امر قابلِ افسوس ہے کہ جو قلعے اور محل یہاں بنائے گئے ان کے ناموں کا تعین نہیں ہو سکا۔ ادریسی اور ابنِ حوقل نے اپنی تحریروں میں جن عمارتوں کا ذکر کیا ہے اور جن کی شوکت و رفعت اور تزئین و آرائش کی جھلکیاں دکھائی ہیں اُنہیں 'القصر' اور 'المسجد' کے نام سے ہی پکارا ہے۔ یہ نہیں بتایا کہ کونسی عمارت کس نام سے موسوم تھی؟ اُس کی تعمیر کب اور کس کے عہد میں ہوئی؟ اس کی تکمیل پر کتنا عرصہ لگا اور وہ کب اختتام پذیر ہوئی! جس قدر تفصیلات اندلس کی عمارتوں کے سلسلہ میں دستیاب ہو سکی ہیں وہ صقلیہ کی عمارتوں کے سلسلہ میں فراہم نہیں ہو سکیں۔ ابن جبیر وغیرہ کا اندازِ بیان بالکل سادہ ہے اور وہ ان گہرائیوں میں جانا پسند نہیں کرتا جو مضمون کو میکانکی بنا دیں۔ مثلاً وہ قصرِ سعد کے متعلق لکھتا ہے:-

"یہاں تک کہ ہم قصر سعد پہنچے۔ قصرِ سعد، بلرم سے ایک فرسخ پر ساحلِ سمندر پر نہایت، نفیس، مستحکم اور

Marfat.com

پرانے زمانے کی عمارت ہے۔ جب کہ اس جزیرہ میں مسلمانوں کی حکومت تھی۔ اس وقت سے اب تک یہاں مسلمان رہتے ہیں۔ اب یہ عابدوں اور زاہدوں کی قیام گاہ ہے۔ اس کے گرد ایسے زاہدوں اور متقیوں کے مزارات ہیں جن کے فضائل و برکات آج تک مشہور ہیں، اور لوگ دُور دُور سے زیارت کو آتے ہیں۔ اس کے سامنے ایک چشمہ عین مجنونہ کے نام سے بہتا ہے۔ قصر میں ایک مضبوط آہنی پھاٹک لگا ہوا ہے۔ اس کے اندر قیام گاہیں، بالا خانے اور مرتب و منظم مکانات ہیں۔ رہنے والوں کے لئے پوری آسائش کا سامان ہے۔

اس کے بلند حصّہ پر ایک نہایت نفیس، محرابدار، حسین ترین اور دُنیا کی مساجد میں سے نادرِ زمانہ مسجد ہے۔ اس میں نہایت عمدہ چٹائیاں بچھی ہوئی ہیں ایسی اچھی صنعت کی چٹائیاں آج تک دیکھنے میں نہیں آئیں۔ مسجد میں پیتل اور شیشے کی تقریباً چالیس قندیلیں آویزاں ہیں۔ قصر کے سامنے ایک وسیع شارع ہے جو قصر کے بالائی حصّے کی طرف جاکر چاروں طرف گھوم گیا ہے، اور قصر کے نشیبی حصّہ میں میٹھے پانی کا ایک کنواں ہے۔"

مؤرخین نے کمال جستجو اور تحقیق کے بعد بعض اہم عمارتوں

Marfat.com

کے نام گنوائے ہیں ۔ جن میں قصرِ سعد، مسجدِ بلرم، کنیسہ انطاکیہ، قصرِ جعفر، قصرِ ضیزہ اور قصرِ قوبع خاص اہمیت کے مالک ہیں۔

موسیو لیبان نے جسے یہاں کے باقیات الصالحات کو بچشم خود دیکھنے کا موقع ملا ہے، اپنی کتاب میں آخری دو محلوں کا ذکر کیا ہے، جو دسویں صدی عیسوی میں تعمیر ہوئے تھے۔ صاحبِ موصوف لکھتے ہیں :-

"جزیرۂ صقلیہ کی مشہور عربی عمارتیں ضیزہ اور قوبع کے دو مشہور قصر ہیں جو بلرم کے قریب واقع ہیں۔ اور جن کی بنا دسویں صدی عیسوی میں ہوئی۔ اتنے پرانے زمانہ کے عربی قصر کہیں نہیں پائے جاتے۔ اور اس وجہ سے یہ نہایت ہی دلچسپ یادگاریں ہیں۔

ضیزہ اور قوبع کے قصر نہ فقط قصر تھے بلکہ قلعے بھی تھے۔ یہ گھڑے ہوئے پتھروں سے بنے ہوئے اور سامانِ جنگ سے آراستہ تھے۔ اور بلا تامل صدیوں کا سامنا کر سکتے تھے۔

قصرِ ضیزہ جو بلرم سے قریب ہے شکل میں پتھر اور چونے کا عظیم الشان مکعب نظر آتا ہے۔ اس کی دیواریں دُور سے ایک زنجیرہ محرابوں کا معلوم ہوتی ہیں جو کسی قدر نکیلی ہیں، اور ان کے اندر دوہرے دوہرے دریچے بنے ہوئے ہیں۔ جن کی دونوں جانب کسی زمانہ میں ستون بھی تھے۔ منڈیر کے حاشیہ پر کسی وقت میں

Marfat.com

قرمطی کتبے بھی تھے جن کا کچھ بقیہ رہ گیا ہے۔ اس کی آرائش نہایت ہی سادہ اور خوبصورت ہے۔ اس میں اندلس کی طرح سے قلمی آرائشیں بھی ہیں۔

خیزہ کے قصر سے تھوڑے فاصلے پر قویلع کا قصر واقع ہے۔ ان قصروں کی ظاہری صورت اور ان کی نکیلی محرابوں کی قطاریں اور ان کی باقاعدہ تعمیر اندلس کے قصروں سے بالکل علیحدہ ہے۔ موسیو دے پران ژی ان کو مصر کی عمارتوں سے مشابہ بتاتے ہیں۔ لیکن میری رائے میں یہ مشابہت مطلق نہیں پائی جاتی۔ بہت تلاش کے بعد میں اس قدر کہہ سکتا ہوں کہ مسجد قلاؤن کے بعض حصوں کو کچھ خفیف سی مشابہت ان قصروں سے ہو تو ہو۔"

شاعری

عربی شاعری اس قوم کے رسم ورواج، خیالات واحساسات، اخلاق واعمال اور اقدارِ حیات کی امین ہے جس نے اُسے جنم دیا، پالا پوسا۔ اور اُسے حدِّ تمام تک پہنچایا۔ زمانۂ جاہلیت میں وہ بدویانہ زندگی کا مرقع تھی جو سادگی اور بے تکلفی سے عبارت ہے اور ان اوصاف کی آئینہ دار تھی جنہیں مروّت اور عرض کے الفاظ سے ادا کیا جاتا ہے۔

عربی شاعری کو "دیوان العرب" کے نام سے یاد کیا گیا ہے[1]۔ درحقیقت

---

[1] پروفیسر ہٹی، ص ۹۵

وہ اس دور کی معاشی، معاشرتی اور اخلاقی زندگی کی خوبیوں اور خامیوں کو ایسے دل کش انداز میں پیش کرتی ہے کہ اس پر الفاظ کا بارہے نہ غلو کا رنگ[1]۔ عہدِ رسالت مآب (صلی اللہ علیہ وسلم) اور دورِ خلافت میں شاعری اسلامی قالب میں ڈھل گئی۔ اگرچہ کچھ صحرا نشین شعراء اور رند مشرب متغزلین کا کلام جاہلیت کے طرز پر ہی قائم رہا لیکن بیشتر شعراء نے قرآن مجید کے پاکیزہ مضامین اور اس کے اسلوبِ بیان سے متاثر ہو کر عریاں نگاری، نسب فروشی اور رنگین صحبتوں کے ذکر کو چھوڑ کر شاعری سے دعوتِ اسلام کی تائید و تبلیغ کا کام لیا۔

اموی دور میں فتوحات کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ اسلامی افواج نے جذبۂ جہاد سے سرشار ہو کر قدیم دنیا کو روند ڈالا اور اس کے افسانوی شہروں کو جو تہذیب و تمدن کا گہوارہ اور علم و ادب کا مرکز تھے فتح کر لیا۔ نئے علاقوں کی تسخیر سے عربی قوم کی خوش حالی اور تمدنی ترقی میں اضافہ ہونا ضروری تھا۔ مختلف قوموں کے ساتھ میل جول سے زبان کا سرمایہ بڑھ گیا اور وہ فلسفیانہ اور سائنسی خیالات کو اپنے دامن میں جگہ دینے کے قابل ہو گئی۔

موالیوں نے جنہوں نے زبان کو دقتِ نظری اور محنت و مزاولت سے سیکھا تھا، الفاظ کو سہل، مطالب کو واضح اور بیان کو منطقی اور زور دار بنانے کی کوشش کی۔ شاعری میں بھی نئے برگ و بار پیدا ہوئے۔ ایک زمانہ تھا کہ وہ اونٹ کی ٹھمک چال کے مطابق تھی مگر اب وہ بربط اور عود کے تاروں پر گائی جانے لگی۔ مضمون میں تنوع کے علاوہ اس دور کی شاعری وصف میں عمدگی اور بندش میں پختگی کے اوصاف کی بھی حامل

---

[1] اسلامی ثقافت کے پہلو ، اے ۔ جے ۔ آربری ، ص ۱۹

نظر آتی ہے۔

شاعر پہلے بھی کسی نہ کسی قبیلے یا خاندان کا ترجمان ہوتا، اس کے فضائل کو بیان کرتا اور اس کے افراد کی جرأت وہمت اور سیر چشمی وفیاضی کی تشہیر کرتا۔ وہ دشمن قبیلے کو اپنی ہجو کے ذریعے پست بنانے کی کوشش کرتا۔ اب جو سیاسی شاعری کا رواج ہوا تو شعراء نے داد ودہش کی غرض سے برسر اقتدار جماعت کے قصیدے کہنے شروع کئے۔ فرزدق، جریر اور اخطل جو اس دور کے شعراء کے سرخیل ہیں، انہی سیاسی گروہ بندیوں کا شکار نظر آتے ہیں۔

سیاسی شاعری کبھی ہجو کی شکل میں ظاہر ہوئی اور کبھی سیاسی مصلحتوں کے پیش نظر ایسی تجاویز پیش کرنے کا سبب ٹھہری جن سے حکمران طبقہ فائدہ اٹھاکر اپنے عزائم کی تکمیل کر سکے۔ اگر فرزدق (ابو فراس ہمام بن غالب) عبداللہ بن ہشام سلولی، ایمن بن خریم اسدی اہل بیت مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے شاعر تھے تو اخطل، اعشےٰ ربیعہ اور نابغہ شیبانی بنوامیہ کی تعریف وتوصیف میں بڑھے چڑھے ہوئے تھے؛۔ اگر طرماح بن حکیم معاذ اور ام حکیم خوارج کے عقائد کے پرچار میں پیش پیش تھے تو ثابت قطنہ اور ان کے ساتھی مرجبۂ کے مسلک کو بیان کرنے میں باک محسوس نہیں کرتے تھے۔

عرب میں شاعری اس ڈگر پر چل رہی تھی جب الداخل نے اندلس میں اموی خاندان کی خلافت کی داغ بیل ڈالی۔ الداخل کے تدبر اور بصیرت سے اندلس نے عربی تہذیب وثقافت کو اس حد تک اپنا لیا کہ وہ لاطینی زبان کو بھول گیا۔ عبدالرحمٰن ثالث اور حکم کے عہد میں اسلامی اندلس

Marfat.com

قوت و شوکت، دولت و وحدت، تمدن و عمران اور فن و ادب کے اس مقام پر پہنچ چکا تھا جہاں وہ تقریباً بغداد کا مقابلہ کر رہا تھا۔" اس حیرت انگیز ترقی نے مشہور مورخ ڈوزی کو اس حقیقت کے اعتراف پر مجبور کر دیا کہ "عبدالرحمن الناصر بجائے قرونِ وسطیٰ کا خلیفہ ہونے کے موجودہ دور کا ایک عاقل اور دانشمند بادشاہ ہونے کا زیادہ مستحق ہے۔"[1]

جغرافیائی ماحول کے جو اثرات شاعری اور انسانی طبیعت پر مرتب ہوتے ہیں ان سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اندلس اور سسلی کی صحت بخش آب و ہوا، گہر بار مٹی برف پوش پہاڑوں اور شاداب وادیوں نے ادیبوں اور شاعروں کے اذہان کو جو جلا بخشی اور ان کے ذوق و وجدان کو جو بلندی عطا کی اس کی جھلکیاں ابن زیدون، ابنِ ہانی، ابن حمدیس، لسان الدین بن الخطیب، ابن خفاجہ، ابوالحسن ابن الخیاط ابوالعلا صاعد بن حسن، ابن رشیق اور ابن القطاع صقلی کے کلام میں ملتی ہیں۔ یہاں کے شعراء نے "خلفاء اور امراء کو ممد و معاون، تمدن و فطرت کو معین و ناصر اور فکر و طبیعت کو مددگار پاکر شاعری کو خشک صحراؤں اور تنے ہوئے خیموں سے نکال کر سرسبز باغوں، بلند محلوں اور خوشنما مناظر میں منتقل کر دیا۔"[2]

اندلس اور سسلی میں شاعری کو ایسا خوشگوار ماحول میسر آیا کہ اس کے اسلوب و معانی اور موضوعات و اوزان پر گہرا اثر پڑا۔

جس طرح اندلس اور صقلیہ میں پھلنے پھولنے والے دوسرے علوم و فنون نے یورپ کی جامد زندگی میں تحرک پیدا کیا اور اس کے لئے

---

[1] عبرت نامہ اندلس۔ ڈوزی، ج ۲، ص ۷۳

[2] تاریخ الادب العربی، زیات، ص ۳۸۴

Marfat.com

نشاۃ ثانیہ کی راہ ہموار کی اسی طرح اندلسی شاعری نے بھی فرانسیسی شاعری کو بے حد متاثر کیا۔ بہت سے مستشرقین کو اس بات کا اعتراف ہے کہ "فرانسیسی شاعری اسپینی شاعری کے طرز پر تھی۔ جو عربی شاعری سے ماخوذ تھی، نہ کہ یونانی و رومانی سے۔ ..... ہم نے شاعری اور قافیہ سازی عربوں سے سیکھی ہے۔ اور یہ صنف ہم تک مرسیلیا اور طولون کی راہ سے اسپینی تاجروں کے ذریعے اسپین سے آئی ہے۔"

سرزمین اندلس اور صقلیہ پر جن ادیبوں اور شاعروں نے چمنستانِ شعر و ادب کو اپنے خلوص، ریاضت اور شعورِ صادق سے سینچا ہے، ان کی تعداد ان گنت ہے۔ علامہ احمد بن محمدؒ المقری کی فاضلانہ تصنیف "نفح الطیب" اس سلسلہ میں ایک بیش بہا خزانہ ہے۔ جس میں سینکڑوں اصحابِ نقد و بصر کے فکر و فن پر کچھ نہ کچھ لکھا گیا ہے۔ اُستاد احمد حسن زیات نے اپنی کتاب "تاریخ الادب العربی" میں اور فاضل مستشرق اے۔ جے۔ آربری نے اپنے مضمون زیرِ عنوان "Lyrical Interlude" میں اور سید ریاست علی ندوی نے "تاریخ صقلیہ" جلد دوم میں یہاں کے شعراء کے کلام کا نمونہ پیش کیا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ اندلسی یا صقلی شاعری نہ لفظی تصنّع کا نام ہے اور نہ مشرق کی محض نقالی کا۔ وہ محلات و قصور تک محدود نہیں رہی جہاں اسے ذہنی تعیش کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔ بلکہ وہ دل کی گہرائیوں سے پھوٹی ہے اور اس کی جڑیں ان عوام تک پھیلی ہیں جنہیں فطرت نے ذوقِ حسن اور لطافتِ جذبات سے وافر حصّہ دیا تھا۔ لین پول نے علم و ادب میں عوام کی دلچسپی کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے :۔

Marfat.com

"یورپ میں کبھی پہلے ایسا وقت نہیں آیا کہ شاعری ہر شخص کا اتنا پسندیدہ موضوعِ گفتگو ہو۔ اندلس میں ہر طبقے کے لوگ عربی شعر کہتے جو اطالیہ اور پروونس کے مغنی شاعروں اور اندلسی گویوں کے گیتوں اور گانوں کے لیے نمونہ بن جاتے۔ اندلسی خطیبوں کی کوئی تقریر اس وقت تک مکمل نہ ہوتی جب تک عین اسی لمحے کوئی شعر فی البدیہہ نہ کہا جاتا یا پھر حافظے کی بنا پر کسی مشہور شاعر کے کسی شعر کا حوالہ نہ دیا جاتا"[1]

شعراء

۱۔ ابوالعلا صاعد:۔ دسویں صدی کا اخیر ہو چلا تھا کہ المنصور ابن ابی عامر اپنی زندگی کی تیئسویں لڑائی میں برشلونہ کو تاخت کرنے کے بعد واپس لوٹے۔ ابوالعلا صاعد نے فتح کی تقریب کے موقعہ پہ وہ قصیدہ پیش کیا جس کا مطلع تھا ؎

یا حرز کلّ مخوّف وامان کلّ مشرّد ومعزّ کلّ مذلّل

یا سلك کلّ فضیلة ونظام کلّ جزیلة رشاء کلّ مؤمّل

اے منصور! تو ہر خوف زدہ کے لیے تعویذ ہے ہر گریختہ کے لیے امان ہے اور ہر ذلیل و خوار کے لیے عزت بخشنے والا ہے۔ تو تمام فضیلتوں کا مجموعہ ہے، لطف و کرم کا منبع ہے اور عیالدار کے لیے سخاوت کا پہاڑ ہے۔

---

[1] مسلمانانِ اندلس، دارتی، ص ۱۰۹-۱۱۰

Marfat.com

منصور اب قستالیہ کے حکمران غرسیہ کو اس کی گستاخیوں کی سزا دینا چاہتے تھے۔ پیشتر اس کے کہ غرسیہ کو قیدی بنایا جاتا یا اُسے تخت سے دست بردار ہونے پر مجبور کیا جاتا، صاعد ایک روز ایک ہرن کی گردن میں رسی ڈالے منصور کے دربار میں حاضر ہوا۔ اور اس جانور کو تحفۃً پیش کرتے ہوئے عرض کیا ؎

مِن ھقرایٰا می ومن مستعملی | وَالِی موانسِ غربتی و تحفظی
مقدارہٖ اھدیٰ الیک بایّلِ | عبد جذبت بضبعہٖ ورفعتہ
فی حیلہ لیصح فیہ تفاؤلی[1] | سمّیتہ غرسیّۃ وبعثتہ

اے میرے آقا! میری غربت کے مونس! مجھ کو زمانہ کی دست برد سے بچانے والے۔ میں تیرا غلام جسے تو نے مفلسی سے رہائی دلا کر نعمتوں سے مالا مال کیا ہے، یہ ہرن پیش کرتا ہے۔ اس کا نام میں نے غرسیہ رکھا ہے۔ اور اس کی گردن میں رسی ڈال کر تیرے پاس اس امید سے لایا ہوں کہ شاید میری پیشین گوئی درست ثابت ہو۔

یہ عجیب اتفاق ہے کہ غرسیہ چند دنوں کے اندر ہی ایک لڑائی میں گرفتار ہوا لیکن زخموں کی تاب نہ لاکر اس دنیا سے چل بسا۔

۲۔ معتمد والیٔ اشبیلیہ: باپ کی وفات پر معتمد اشبیلیہ کا حکمران مقرر ہوا۔ جوانی کھیل کود اور لہو و لعب میں گزر گئی۔ شاعری اوڑھنا اور بچھونا تھی اور خوبصورت عورتوں کے ساتھ آنکھ مچولی ایک محبوب

---

[1] المقری، ج ۴، ص ۸۱ - ۸۲۔

Marfat.com

مشغلہ۔ بایں ہمہ زلاقہ کی لڑائی میں معتمد نے عیسائیوں کے خلاف جس جرأت وہمت اور پامردی وشجاعت کا ثبوت دیا، اس نے اس کی پیشانی سے ندامت کے تمام داغ دھو ڈالے۔

مرابطین کا اشبیلیہ پر قبضہ ہو جانے کے بعد معتمد کو جلاوطن کر دیا گیا۔ وہ اشبیلیہ سے طنجہ پہنچے اور وہاں سے مکناسہ۔ وہ سفر کی کٹھن منزلیں طے کر رہے تھے کہ انہیں راستے میں لوگوں کا ایک عظیم گروہ نظر آیا۔ پوچھنے پر معلوم ہوا، کہ لوگ نمازِ استسقاء ادا کرنے کے لئے جمع ہوئے ہیں۔ معتمد کی آنکھوں میں ساون کی جھڑی کا سا سماں پیدا ہو گیا۔ اس موقع پر فی البدیہہ اشعار کہے ہیں جن کا ترجمہ اس طرح ہے:۔

"وہ لوگ جو مینہ کی دُعا مانگنے کے لئے جمع ہوئے تھے
مجھے ملے تو میں نے کہا: میرے آنسو قبول کر لو یہ مینہ کی جھڑی
کا کام دے سکتے ہیں۔ انھوں نے جواب دیا۔ آپ کے
آنسو تو کافی ہوتے لیکن مشکل یہ ہے کہ ان میں خون ملا ہوا ہے"۔

معتمد مکناسہ سے اغمات پہنچے۔ ان کی حالت قابلِ رحم تھی۔ کوئی مونس تھا نہ غمخوار۔ ان کے مقدر کا ستارہ کسی منحوس بُرج میں داخل ہو چکا تھا۔ نان و نفقہ کا کوئی انتظام نہ تھا۔ جوان بچیوں کو جو ناز و نعم میں پلی تھیں جسم و روح کا رشتہ قائم رکھنے کے لئے مزدوری کرنا پڑتی۔ ایک روز قید خانے کی کھڑکی سے پرندوں کا ایک جھنڈ اُڑتے دیکھا۔ تو گھٹے ہوئے تمام جذبات زبان پر آ گئے۔ اشعار کا ترجمہ یہ ہے:

"جب میں نے قطا کا ایک جھنڈ آسمان پر اُڑتے دیکھا تو میری

Marfat.com

آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ وہ آزاد تھے، قید خانے کی صعوبتوں اور بندشوں سے واقف نہ تھے۔ میرے آنسوؤں کا باعث حسد نہ تھا، بلکہ اس بات کی خواہش تھی کہ میں بھی انہی کی طرح آزاد ہوتا۔

اے پرندو! تم کیسے خوش ہو! تم اپنوں سے جدا نہیں ہو۔ اہل و عیال سے علیحدگی کا غم تم نہیں جانتے اور نہ تم ان راتوں کی تکلیف سے واقف ہو جو قید خانے میں دروازے بند ہونے کی آواز سننے کے بعد کاٹی جاتی ہیں۔ ان پرندوں کے بچوں کا خدا روزی رساں ہے۔ لیکن میرے بچے؟ پانی اور سایہ نہ ہونے کے سبب سخت عذاب میں ہیں۔"

جذبات کی شدت اور محرومی و یاس کا احساس ذیل کی نظم میں سمو دیا گیا ہے جو معتمد نے عید الفطر کے روز اپنے گرد و پیش کے حالات سے متاثر ہو کر کہی تھی۔

فیما مضیٰ کنت بالاعیاد مسرورا	فساءک العید فی اغمات ماسورا
تری بناتک فی الاطمار جائعۃ	یغزلن للناس ما یملکن قطمیرا
یطأن فی الطین والاقدام حافیۃ	کانّہا لم تطأ مسکا و کافورا
افطرت فی العید لاعادت اساءتہ	فکان فطرک للاکباد تفطیرا

گذشتہ سالوں میں عیدیں تیرے لئے مسرت کا پیغام لاتی تھیں مگر اغمات کی یہ عید تجھے کاٹے کھا رہی ہے۔ تو اپنی بیٹیوں کو بھوکا اور چیتھڑوں میں ملبوس دیکھ رہا ہے۔ وہ لوگوں کے لئے سوت کاتتی ہیں جب کہ ان کے پاس ایک پھوٹی کوڑی بھی نہیں ہے۔ وہ ننگے پاؤں گیلی زمین پر چلتی ہیں یوں نظر آتا

Marfat.com

ہے کہ ان پاؤں نے کبھی مشک و کافور کو روندا ہی نہیں۔
عید کے دن تونے روزہ افطار کیا ہے۔ خدا کرے عید
کی یہ تکلیف دوبارہ نہ آئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس
عیدِ فطر نے جگر کو پارہ پارہ کر دیا ہے۔
فیض کا یہ قطعہ کتنا برمحل ہے ؎

ہم خستہ تنوں سے محتسبو! کیا مال منال کا پوچھتے ہو
جو عمر سے ہم نے بھر پایا سب سامنے لائے دیتے ہیں،
دامن میں ہے مشتِ خاکِ جگر، ساغر میں ہے خونِ حسرتِ مے
لو ہم نے دامن جھاڑ دیا، لو جام اُلٹائے دیتے ہیں

○

۱۳۔ ابنِ عبد ربہ "معجم الادباء" کے مولف کا خیال ہے کہ اسے
علم میں گرانقدر مقام حاصل تھا۔ وہ دیانت و تقویٰ کے ساتھ ادب
میں سرداری اور شہرت کا مالک تھا۔ اُسے ایسا زمانہ اور حکومتیں ملیں
جن میں علم و ادب کی بڑی قدر اور مانگ تھی۔ چنانچہ وہ گمنامی کے بعد
مشہور اور بلند مرتبہ اور فقیری کے بعد امیر ہو گیا!
اس کے ہاں مشرقی اور مغربی شاعری کی خصوصیات کا حسین
امتزاج ملتا ہے۔ وصف نگاری میں اُسے یدِطولیٰ حاصل ہے۔
نیزہ اور تلوار کے وصف میں رقمطراز ہے ؎

بکل ردینی کان سنانه … شهاب بدا فی ظلمة اللیل ساطع
تقاصرت الاجال فی طول متنه … وعادت به الآمال وهی نجائع
وذی شطب تقضی المنایا الحکمه … ولیس لما تقضیه المنیة رافع

ہر ردینی نیزے کا پھل اس طرح چمکتا ہے جیسے تاریک رات

Marfat.com

میں ٹوٹنے والا ستارہ نظر آتا ہے۔ اس کی لمبائی کے سبب موت کی مدت مختصر ہو جاتی ہے اور آرزوئیں بھیانک مصیبت کی شکل اختیار کر لیتی ہیں۔ اور وہ شمشیر براں، جس کے فیصلے کے مطابق موت فیصلہ کرتی ہے (اور موت کا فیصلہ اٹل ہے) اس کے میان سے نکلتے ہی بہادروں کی روحیں کانپنے لگتی ہیں۔

وہ "العقد الفرید" کا مصنف ہے جبمیں امثال و انساب، اشعار و واقعات اور دیگر لسانی مسلئے تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں۔ یہ عربی ادب کی بنیادی کتابوں میں سے ایک ہے۔

لیکن اس میں اندلس اور اہل اندلس کے بارے میں کچھ بھی نہیں کہا گیا۔ اس کی مثال امام رازیؒ کی تفسیر کبیر سے دی جا سکتی ہے جس کے بارے میں کہا گیا تھا کہ اس میں تمام علوم کو جمع کر دیا گیا ہے لیکن تفسیر کا پہلو تشنہ ہے۔

۴۔ ابن حمدیس سرقوسی: ابن حمدیس صقلیہ کے شہر سرقوسہ میں پیدا ہوا۔ طبیعت چونکہ موزوں پائی تھی۔ اس لئے بچپن ہی سے شعر کہنا شروع کیا۔ اس کا کاروانِ عمر جب شباب کی منزلوں میں داخل ہوا، تو صقلیہ کا آفتابِ اقبال ڈھل چکا تھا۔ نارمن غاصبوں کے ہاتھوں ملک جہنم کا نمونہ بنا ہوا تھا۔ شقاوت و بدبختی کی اس فضا میں اس کے لئے سانس لینا مشکل ہو رہا تھا۔ اس نے صقلیہ کو خیرباد کہا اور افریقہ کے راستے اندلس پہنچا۔ جہاں کی آب و ہوا اسے راس آگئی۔

Marfat.com

وہ جلد ہی معتمد بن عباد تک رسائی حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا جس کا دربار چہچہانے والے پرندوں کا گھونسلا بنا ہوا تھا۔ وہاں ابنِ ہانی، ابن زیدون اور ابنِ عمار ایسے باکمال شاعر اور ابوبکر بن عطار یابسی، ابومحمد مصری۔ ابن شرف قیروانی اور ابوبکر بن حسن مرادی ایسے صاحبِ علم و فضل اور ابوعبداللہ بن صباغ صقلی، سلیمان بن محمد صقلی اور ابوالعرب صقلی ایسے علم دوست موجود تھے۔

معتمد نے اُسے ایک شام ایلچی بھیج کر طلب کیا۔ اُسے عزت و احترام کے ساتھ بٹھایا اور فنجان قہوہ پیش کرتے ہوئے کہا: ذرا سامنے کی کھڑکی کھول دو تاکہ تازہ ہوا کمرے میں داخل ہو سکے۔ ابن حمدیس نے دیکھا کہ دور ایک شیشے کی بھٹی ہے۔ اور اس کے دونوں دروازوں سے آگ نکل رہی ہے۔ بھٹی پہ مامور آدمی کبھی دونوں دروازے کھول دیتا اور کبھی دونوں بند کر دیتا ہے۔ پھر اُس نے ایک دروازے کو مستقل طور پہ بند کر دیا۔ عجیب منظر تھا۔ بات سمجھ میں نہیں آرہی تھی کہ اچانک معتمد نے میری توجہ اپنی طرف مبذول کراتے ہوئے کہا۔ مصرعہ لگاؤ۔

معتمد کا مصرعہ:- اُنْظُرْهُمَا فِی الظلام قد نجما

ان دونوں کو دیکھ کہ اندھیرے میں چمک رہے ہیں

ابنِ حمدیس کا مصرعہ:- کما رنا فی الدجنۃِ الاسد

جیسے تاریکی میں شیر ٹکٹکی باندھے دیکھ رہا ہو

معتمد کا مصرعہ: یفتح عینیہ ثمّ یطبقہما

وہ اپنی آنکھیں کھولتا ہے پھر انہیں بند کر لیتا ہے

ابنِ حمدیس کا مصرعہ: فعل امرئٍ فی جفونہ رمد

اس شخص کی طرح جسے آشوب چشم ہو

Marfat.com

معتمد کا مصرعہ: فابتزّہ الدھر نور واحدۃ

پھر زمانے نے اس کی ایک آنکھ کی روشنی چھین لی

ابنِ حمدیس کا مصرعہ: وھل بخامنْ صروفہٖ احدٌ

اور کیا حوادثِ زمانہ سے کبھی کوئی بچا بھی ہے۔

معتمد ابنِ حمدیس کی سلامتِ فکری، حاضر جوابی اور فنی کمال سے بے حد متاثر ہوا اور اُسے خلعتِ فاخرہ اور گرانقدر انعام سے نوازا۔

زلاقہ کی لڑائی میں معتمد جیت گیا۔ کئی گھوڑے اس کی ران کے نیچے مارے گئے، اس کی اپنی زرہ بکتر کے ٹکڑے اُڑ گئے اور اُسے کئی گہرے زخم آئے۔ جنگ کے خاتمے پر ابن حمدیس نے جو قصیدہ پیش کیا اس میں "یہ نازک مرحلہ پیش آیا کہ اگر جنگ کی تفصیلات بیان کرتا ہے تو اس کے ممدوح کی کسرِ شان کا احتمال ہے اور اگر اس واقعہ کو نظر انداز کر دیتا ہے تو سلسلۂ جنگ کی ایک اہم کڑی چھوٹ جاتی ہے۔ آخر اس نے یہ مرحلہ بڑی خوبصورتی سے طے کیا۔ یعنی معتمد کے زخمی ہونے کا واقعہ خود اس کی زبان سے اس کے لاڈلے بیٹے ابوہاشم کو مخاطب کر کے سنایا"[1] چنانچہ کہتا ہے ؎

ابا ھاشمٍ ھشّمتنی الشفار   فللّٰہ صبری لذاک الاوار
ذکرت شخیصک تحت العجاج   فلم یثنی ذکرہٗ الفرار

ترجمہ: اے ابوہاشم! شمشیر آبدار نے میری ہڈیاں توڑ دیں۔ تنگ نائے حرب میں مجھے اللہ پر ہی بھروسہ ہے۔ اس معرکہ کے گرد و غبار میں مَیں نے تجھ کو یاد کیا اور تیرے ذکر نے مجھے

---

[1] تاریخ صقلیہ، ندوی، ج ۲، ص ۳۵۲

Marfat.com

بھاگنے سے روک دیا۔

ابنِ حمدیس کا یہ قصیدہ اتنا مقبول ہوا کہ المقری جیسے محتاط مورخ نے ان دو اشعار کو معتمد کی طرف منسوب کر دیا۔

۵-۶۔ ابن ہانی و ابن زیدون:۔ یہ مختصر سا مضمون جس کا مقصد اندلس اور سسلی کے دبستانِ شاعری سے متعارف کرانا تھا تشنہ رہ جائے گا اگر یہاں ابنِ ہانی اور ابنِ زیدون کا ذکر نہ کیا جائے۔ اوّل الذکر خوش مذاق، آوارہ مزاج اور ”مے و مینا و ایاغ“ کے اسرار و رموز کا واقف تھا۔ ناقدینِ فن نے اُسے اس کی سلامتیٔ فکر، سلاست تعبیر اور اجتماعی مسائل کے اظہار کے لئے ”امیر الشعراء“ کا لقب دیا ہے۔ اس کی شاعری چونکہ مشرقی شاعری کے پیچھے پیچھے چلنے والی ہے اس لئے بعض تذکرہ نگاروں نے اُسے مغرب کا ”متنبی“ شمار کیا ہے۔ یہ بہت بڑی بدقسمتی ہے کہ ابنِ ہانی جوانی میں ہی چل بسا۔ اگر موت نے اُسے کچھ مہلت دی ہوتی تو ممکن تھا کہ زمانہ کے تجربات اُسے پختہ کار اور اس کی شاعری کو صیقل کر دیتے۔ ایک مقام پہ ایسے گھوڑوں کی تعریف میں جو تنگنائے حرب میں گھبرانے والے نہیں بلکہ جری اور دلیر ہیں، خوبصورت اشعار کہے ہیں جن کا ترجمہ درج ذیل ہے:۔

”ہنہناتے گھوڑے جن کے لئے حملے کے وقت نہ بلندیاں کوئی بلندیاں ہیں اور نہ سخت اور سنگلاخ زمین سخت اور دشوار گزار ہے۔ گھوڑ دوڑ میں دوڑتے وقت ان پر نگاہ جم ہی نہیں سکتی۔ انہیں صرف اسی وقت پہچانا جا سکتا ہے جب وہ آگے بڑھ جاتے ہیں۔ خود

Marfat.com

بجلی کو بھی ان کے بارے میں جو زیادہ سے زیادہ علم ہے وہ اتنا ہے کہ یہ گھوڑے اس کے دونوں پہلوؤں پر سے گمانوں کی سی تیزی کے ساتھ گزر گئے۔"

ہمارا دوسرا شاعر (ابنِ زیدون) ایک علمی گھرانے کا چشم و چراغ تھا۔ اس کا والد اپنے زمانے کا ایک بلند پایہ ادیب اور ایک قابلِ احترام فقیہہ تھا۔ قسمت نے جہاں اُسے بلندیوں سے نوازا تھا وہاں اُسے محرومی و یاس کے گہرے زخم بھی لگائے تھے۔ لیکن اُس نے تمام مشکلات کا پامردی سے مقابلہ کیا۔

وہ ایک مدت تک ولادہ کی محبت میں گرفتار رہا جو اموی خاندان کے ایک خلیفہ مستکفی کی بیٹی تھی۔ ولادہ جہاں حسن و جمال میں بے نظیر تھی وہاں وہ علم و ادب میں بھی اپنا ثانی نہ رکھتی تھی۔ ابنِ زیدون اور ولادہ بہرحال ازدواجی رشتے میں منسلک ہو گئے۔

ابنِ زیدون کی شاعری اندلسی شاعری کا جیتا جاگتا نمونہ ہے۔ اُس میں مشرق کی تقلید ہے نہ نقالی۔ شاعری اس کے دل کی گہرائیوں سے پھوٹی ہے اور اس کے ملک کی زمین سے پیدا ہوتی ہے۔ اس کی نظم جتنی شگفتہ، حسین اور پر رونق ہے اس کی نثر بھی اتنی ہی رواں اور بے تکلف ہے۔ اس کا ایک شعر تبرکاً پیش کیا جاتا ہے:

کل المصائب قد تمر علی الفتی　　فتهون غیر شماتة الحساد

آدمی تمام مصیبتوں کو آسانی سے برداشت کر لیتا ہے لیکن حاسدوں کی خوشی اس سے برداشت نہیں ہوتی

Marfat.com

یہ ذکر بے محل نہ ہوگا کہ اندلسی یا صقلی شاعروں میں قصصی اور تمثیلی شاعری کا عنصر نہ ہونے کے برابر ہے۔ ہر ملک کی شاعری کا ایک مخصوص مزاج اور ایک مخصوص انداز ہوتا ہے جس کو اس کے سماجی، تمدنی اور اقتصادی پس منظر میں ہی سمجھا جا سکتا ہے۔ اندلس یا صقلیہ میں اسلامی دور کی شاعری کو پرکھنے اور اس کا مقام متعین کرنے کے لیے زمانۂ حال کے انتقادی اصولوں کا اطلاق کسی لحاظ سے بھی جائز نہیں اگر اس دور کے شعراء فردوسی کے "شاہنامہ" یا ہومر کی "الیڈ" کی طرز پر رزمیہ یا قصصی شاعری کا نمونہ پیش نہیں کر سکے، تو اس سے ان کا پایۂ شاعری کم نہیں ہو جاتا۔ ان کے شگفتہ مذاق، فنی کمال اور حسنِ ادا کو پرکھنے کے لیے ان پیمانوں کی ضرورت ہے جن کا ذکر علامہ ابنِ خلدون نے "مقدمہ" میں، ابنِ قتیبہ الدینوری نے "الشعر والشعراء" میں، جرجی زیدان نے "الادب الجاہلی" میں، احمد حسن زیات نے "تاریخ ادب العربی" میں اور سی۔ جے لائل نے ANCIENT ARABIAN POETRY میں کیا ہے۔

اس دور کی شاعری اگرچہ غنائی ہے لیکن اس میں رعنائی خیال بھی ہے اور مستیٔ شوق بھی؛ رنگینیٔ بیان بھی ہے اور ارضی حرارت بھی۔ یہاں فلسفیانہ فکر و نظر کا کھوج لگانا بھی کوئی مستحسن کام نہیں۔

اگر صقلیہ میں اسلامی حکومت کچھ عرصہ اور قائم رہتی اور اندلس میں تمدنی ترقی کا یہ دور کچھ اور طویل ہو جاتا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ عربی ادب و انشاء میں قدآور ادیب، داستان گو اور ڈرامہ نگار پیدا نہ ہوتے۔ افسوس ہے کہ نفاق و افتراق نے مسلمان قوم کو ہلاکت کے عمیق گڑھے

Marfat.com

پر لا کھڑا کیا جہاں اُس کی تباہی و بربادی لازمی تھی۔

ایس پی سکاٹ نے عربی شاعری میں قصصی اور تمثیلی عناصر کے فقدان کی توجیہہ ان الفاظ میں پیش کی ہے۔ فرماتے ہیں:

"عربی شاعروں میں یہ کمی تھی کہ وہ ڈراما نہیں لکھ سکتے تھے۔ ان کی ہمہ دانی و پرگوئی اور اصنافِ سخن میں رسائی بے شک قابلِ ذکر تھی مگر وہ مسلسل قصص و حکایات نہیں لکھ سکتے تھے۔

"اندلسی مسلمانوں کے علماء ارسطو کی تصانیف نوکِ زبان رکھتے تھے۔ اقلیدس اور کانن کے بڑے بڑے سوالات چٹکیوں میں حل کر دیتے تھے مگر سوفوکلیز (SOPHOCLES) ایسکلس (AESCHYLUS) اور یوری پڈیز (EURIPIDES) سے ناآشناء محض تھے عربوں کے دماغ کی ساخت ایسی نہ تھی کہ وہ ایسے قصص و حکایات لکھ سکتے جو سٹیج پر تماشا بن سکتے۔ قطع نظر اس کے، علم و ادب کا یہ شعبہ ان کی قومی روایات میں داخل بھی نہ تھا۔"[1]

ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں!

"اسلامی ورع و تقویٰ نے یونان کی نہایت اعلیٰ درجہ کی نظموں کو نہایت حقارت، سے مسترد کر دیا کیونکہ اس زبان کے اصنام پرستی کے افسانے ارفع و اعلیٰ مسئلہ توحید و صفات الٰہی کے متناقض تھے، نیز اہلِ عرب کی جلد مشتعل ہو جانے والی آشفتہ طبیعتیں ان کی متحمل نہ ہو سکتی تھیں۔ کہ زمانہ بہادری اور وزنِ متقارب، کی باشان و شکوہ نظموں، یا ایک ڈراموں، کی قدر کرتیں۔ اہلِ عرب، کو خوش کرنے والی چیزیں

---

[1] اخبار الاندلس ج ۳، ص ۴۹۶

Marfat.com

جذبات کو اُبھارنے والی غزلیں، شطحیات و طیبّات، عشق انگیز گیت اور جگر دوز مراثی تھے۔[1]"

ہم آج کی محفل کو ابوالحزم بن محمد ابن جہور کے ان اشعار پر ختم کرتے ہیں جو انہوں نے مدینۃ الزہرا کے کھنڈرات کو دیکھ کر بہ حسرت و یاس کہے تھے ؎

قُلْتُ یَوْمًا لِدَارِ قَوْمٍ تَفَانُوْا ۔۔۔ اَیْنَ سُکَّانُکِ الْعِزَازُ عَلَیْنَا

فَاَجَابَتْ هُنَا اَقَامُوْا قَلِیْلًا ۔۔۔ ثُمَّ سَارُوْا وَلَسْتُ اَعْلَمُ اَیْنَا

جو لوگ باہم لڑ جھگڑ کر تباہ ہو چکے تھے، ایک دن میں نے ان کی بستی سے پوچھا:-

تمہارے رہنے والے کہاں گئے جو ہمیں بہت عزیز تھے۔ اس نے جواب دیا۔ اُنھوں نے کچھ دیر تک تو یہاں قیام کیا لیکن پھر چلے گئے، کدھر کو گئے، یہ مجھے معلوم نہیں۔

---

[1] اخبار الاندلس ج ۳ ص ۷۹ ۴

کتابیات

عربی

۱۔ الاحاطہ فی اخبار غرناطہ — محمد لسان الدین ابن الخطیب (مطبوعہ مصر، سنہ ۱۳۱۹ھ)

۲۔ الحلل السندسیّہ — امیر شکیب ارسلان

۳۔ الکامل — ابن اثیر، مطبوعہ مصر، سنہ ۱۳۰۱ھ

۴۔ الامامۃ والسّیاسہ — ابن قتیبہ الدّینوری، مطبوعہ مصر، سنہ ۱۳۵۶ھ

۵۔ المختصر فی تاریخ

ادابِ اللغۃ العربیہ — جرجی زیدان۔

۶۔ المنجد — فادر لویس معلوف

۷۔ الوسیط — احمد الاسکندری

۸۔ تاریخ غزوات العرب — امیر شکیب ارسلان

۹۔ کتاب الصّلہ — ابن بشکوال، روحس سنہ ۱۳۸۳ھ

۱۰۔ کتاب شرح فصوص الحکم — بالی آفندی

۱۱۔ مقدمہ — ابن خلدون

۱۲۔ نفح الطیّب — احمدؒ بن محمدؒ المقرّی (دار الکتاب العربی، بیروت)

انگریزی

A Literary History of the Arabs. — Nicholson, R. A.

Marfat.com

14.	Arab Civilization.	Hell Joseph.
15.	Arab Civilzation to A.D. 1500	Dunlop D.M.
16.	Aspects of Islamic Culture	Arberry, A. J.
17.	History of the Arabs	Hitti, Philip K.
18.	History of the Dominion of the Arabs in Spain	Conde, Dr. J.A,
19.	Ibn-al-Arabi	Hussaini, S.A.Q.
20.	Ibn Khaldun	Enan, M. A.
21.	Muslim Contribution to Geography	Ahmad, Nafis
22.	Outline of Arabic Contribution to Medicine & Allied Sciences	Ullah, A.A. Khair.
23.	Caliphate its rise, Decline and Fall	Muir. Sir W.
24.	The Cultural Side of Islam	Pickthall, M.A.
25.	The Encyclopaedia of Islam	Houtsma, M. Th.
26.	The Metaphysics of Rumi	Hakim, Dr. Kh. A.
27.	The Spirit of Islam	Ali, Rt. Hon. Ameer.

اردو

۲۸۔ ابن خلدون	ڈاکٹر طہٰ حسین۔ ترجمہ مولینا عبد السلام ندوی
۲۹۔ ابن خلدون کے معاشرتی، سیاسی اور معاشی خیالات	محمد عبد القادر
۳۰۔ اخبار الاندلس	ایس۔ پی۔ اسکاٹ ترجمہ منشی محمد خلیل الرحمٰن۔
۳۱۔ ارض القرآن	سید سلیمان ندوی

Marfat.com

۳۲- اسلام اور عربی تمدن	محمد کرد علی ترجمہ شاہ معین الدین احمد
۳۳- افتتاح الاندلس	ابن القوطیہ ترجمہ محمد جمیل الرحمن۔
۳۴- اندلس کا تاریخی جغرافیہ	محمد عنایت اللہ
۳۵- انقلاب الامم	گستاؤ لیبان۔ ترجمہ مولینا عبدالسلام ندوی
۳۶- تاریخ ادبِ عربی	استاذ احمد حسن زیات ترجمہ عبدالرحمن سورتی
۳۷- تاریخ افتتاح الاندلس	ابن القوطیہ ترجمہ محمد جمیل الرحمن
۳۸- تاریخ الحکماء	جمال الدین ابوالحسن علی بن یوسف (ترجمہ اردو)
۳۹- تاریخ الخلفاء	علامہ سیوطیؒ
۴۰- تاریخ صقلیہ	ریاست علی ندوی
۴۱- تاریخ عرب	موسیو سیدیو ترجمہ مولینا عبدالغفور صاحب
۴۲- تمدنِ عرب	گستاؤ لیبان ترجمہ سید علی بلگرامی۔
۴۳- خلافتِ اندلس	نواب ذوالقدر جنگ بہادر
۴۴- ریاست یا تحقیقِ عدل	افلاطون (ترجمہ اردو)
۴۵- سفرنامہ محمد ابن جبیر اندلسی	ترجمہ حافظ احمد علی شوق
۴۶- سوانح مولینا رومؒ	شبلیؒ
۴۷- عبرت نامہ اندلس	رائن ہارٹ ڈوزی ترجمہ محمد عنایت اللہ ۱۹۳۹ء
۴۸- مخزن الجواہر	ڈاکٹر غلام جیلانی
۴۹- مسلمانانِ اندلس	لین پول۔ ترجمہ سید عبدالغنی وارثی۔

کتبہ: عبدالحمید تفہیمی

Marfat.com

Marfat.com

چند اچھی کتابیں

- سیرۃ ابن ہشام —— علامہ ابن ہشام
- تمدن عرب —— سید علی بلگرامی
- تمدن ہند —— سید علی بلگرامی
- عبرت نامہ اندلس —— مولانا عنایت اللہ دہلوی
- مسلمان یورپ میں —— احسان الحق سلیمانی
- قائداعظم اور انکا عہد —— رئیس احمد جعفری
- خطبات قائداعظم —— رئیس احمد جعفری
- خدا موجود ہے —— عبدالحمید صدیقی
- رسولؐ میدانِ جنگ میں —— سید واجد رضوی
- صحائف —— قمر نقوی
- قرآن اور پاکستان —— آغا اشرف
- مشاہیر اسلام —— آغا اشرف
- ارمغان مجدد —— ایم ایس ناز
- آدمی کی انسانیت —— محمد بخش مسلم
- دانائے راز —— سید واجد رضوی
- برکات اقبال —— ڈاکٹر محمد ریاض

مقبول اکیڈمی
ادبی مارکیٹ
چوک انارکلی
لاہور

Marfat.com

چند اچھی کتابیں

- سیرۃ ابن ہشام ———— علامہ ابن ہشام
- تمدّن عرب ———— سید علی بلگرامی
- تمدّن ہند ———— سید علی بلگرامی
- عبرت نامہ اندلس ———— مولانا عنایت اللہ دہلوی
- مسلمان یورپ میں ———— احسان الحق سلیمانی
- قائد اعظم اور انکا عہد ———— رئیس احمد جعفری
- خطبات قائد اعظم ———— رئیس احمد جعفری
- خدا موجود ہے ———— عبد الحمید صدیقی
- رسولؐ میدانِ جنگ میں ———— سید واجد رضوی
- صحائف ———— قمر نقوی
- قرآن اور پاکستان ———— آغا اشرف
- مشاہیر اسلام ———— آغا اشرف
- ارمغان مجدد ———— ایم. ایس. ناز
- آدمی کی انسانیت ———— محمد بخش مسلم
- دانائے راز ———— سید واجد رضوی
- برکات اقبال ———— ڈاکٹر محمد ریاض

مقبول اکیڈمی ادبی مارکیٹ / چوک انارکلی **لاہور**

Marfat.com